قال رسول الله صلی الله علیه وسلم

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین رواه البیهقی

چوں حدیث موصوف دال ست باشارة النص بر وقوع تغیرات علمیه وعملیه در دین در زمانه خلف + وبعبارة النص بر وعده اصلاحات بواسطه اہل یقین بر منہاج سلف

در رساله

اصلاح انقلاب

از افادات حکیم الامت عالم ربانی حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مد ظلہم العالی مشتمل بود بر تفصیل تغیرات جدیدہ واصلاحات مفیدہ پس افادۃً للطالبین وایقاظاً للغافلین +

باہتمام منشی رفیق احمد مالک مطبع

مطبع امداد المطابع واقع تھانہ بھون طبع شدہ

۷۸۶

اصلاح الانقلاب

بعد الحمد والصلوٰۃ یہ وہ رسالہ ہے جو ماہ شعبان ۱۳۲۸ھ سے بھی قبل کے نمونہ سے شروع ہوکر القاسم کے ماہواری پرچون مین مسلسل شائع ہوتا ہے چونکہ اہل عصر حاضر کے حالات کے اعتبار سے اس کا بیحد نافع ہونا مشاھد ہوا اس لئے بہت سی خیرخواہان دینی کی رائے اُسکے مستقل شائع کرنے کے ہوئی چنانچہ یہ جو آپ کے ہاتھون مین ہے اُسی کی صورت ہے صرف اس مین بضرورت اتنی ترمیم ہوئی ہے کہ بعض عبارات جو القاسم کے جزو ہونے کے مناسب تھین حذف کردی گیئن اور بعض کلمات جو استقلالاً شائع ہونے کے مقتضا تھے اضافہ کردیئے گئے وبس۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان

اشرف علی صفر ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امتی من حیث ہو امتی کے اعتبار سے دنیوی انقلاب تو مطمح نظر ہو نہین سکتا گو اس سے بحث کرنے کو بھی مین بیکار نہین سمجھتا مگر حیثیت مذکورہ سے یہ بحث مقصود نہین بلکہ انقلاب دینی سے بحث مقصود ہے اسی کی بابت اس وقت عرض کرنا چاہتا ہون۔

افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ جس مرتبہ کا انقلاب عظیم اکثر احاد امت مین واقع ہوا ہے اُس کو دیکھتے ہوئے بے اختیار یہ زبان پر آتا ہے۔ ع

اے سرا پردۂ یثرب بخواب — خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

اس انقلاب کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہاتھ مین ایک کتاب تفاصیل احکام شرعیہ کی لیجیے اور ایک نظر سے ایک ایک حکم جزئی کو دیکھتے جائیے اور ایک نظر سے کسی غیر مطیع امتی کی ایک ایک حالت کو جو اُس حکم جزئی کا محل اور متعلق ہے دیکھتے جائیے اور دونوں کو ملاتے جائیے تو ایک حیرت عظیم ہوگی کہ یا اللہ ان حالتوں کے مرتکب کو کیا ان احکام سے کچھ مس معلوم ہوتا ہے۔

دین کے یہ اجزا ہیں۔ عقائد[1]۔ دیانات[2] (مثل نماز۔ روزہ۔ طلاق۔ نکاح وغیرہ) معاملات[3] (مثل بیع شراء وغیرہ) معاشرات[4] (مثل طعام۔ لباس۔ کلام و سلام وغیرہ) اخلاق[5] باطنہ (مثل ریا و اخلاص و کبر و تواضع وغیرہ)۔

عقائد[1] مین مسلمانون نے غنیمت ہے انکار کا انقلاب نہین پیدا کیا۔ گو ان مین تدین ہی کے رنگ مین کچھ تغیر و تبدل ہوا جس سے وہ حد بدعت مین داخل ہو گئے اور جسنے اہل باطل کو اسی تغیر کی اصلاح کے سبب سے اہل حق کا مخالف بنا دیا۔ غرضکہ نصوص کا انکار نہین کیا گیا۔ البتہ تاویل باطل کیگئی یہ حالت عام مسلمانونکی ہے مگر خاص خاص جدید تعلیم یافتون نے انکار کا انقلاب بھی اختیار کیا بلکہ انکار سے متجاوز ہو کر جمہور کے عقائد کے ساتھ استہزا اور تمسخر سے پیش آنے لگے جس پر حافظان حدود دین نے کفر کا فتوی لگایا اور اس فتوے کی بدولت دوسری طرف سے اُن کو متعصب کا لقب عطا ہوا۔ گو جو شخص کفر کی حقیقت سمجھیگا وہ ان علما کو اس فتوی مین نہ صرف معذور بلکہ خود بھی انہیں اُن کے ساتھ بالاضطرار اتفاق کریگا یہ تو پہلے جزو کی انقلاب۔

کی کیفیت تھی -

رہا دوسرا جزو یعنی دیانات اُسمین عام مسلمانون نے درجۂ بدعت کا بھی تغیر و تبدل نہین کیا مگر ترک و اہمال کا انقلاب البتہ اختیار کیا کہ کسی نے نماز و روزہ کو اس طرح خیرباد کہا گویا کہ اُسکے ذمہ فرض ہی نہین کسی نے نکاح وطلاق کے ساتھ یہی معاملہ کیا کہ عقیدے مین تو یہی سمجھا کہ مسائل نکاح وطلاق کے دین مین داخل ہین ہماری رای و اختیار پر نہین ہین - اور ہین بھی اُسی طرح جسطرح علمار دین بتلاتے ہین اور اسی لئے احکام دین کے مقابلے مین ..... اور احکام مخترع نہین کیے گئے مگر عمل اُسکے ساتھ یہ رکھا کہ جہان نفس کا غلبہ ہوا وہان تمتع کے لئے نکاح کا بھی انتظار نہین کیا جہان کوئی دنیوی ننگ وناموس کے باقی رکھنے مین مصلحت دنیوی دیکھی وہان باوجود طلاق کے بدستور بی بی کو گھر مین رکھا اور اُس سے متمتع ہوتے اور بچے جنواتے رہے اور خاص خاص جدید تعلیم یا فتون کو تو یہان بھی انکار مین تردد نہین ہوا - بہرحال عام مسلمانون مین جزو اول مین انقلاب تغیر ہوا تھا اور یہان جزو ثانی مین انقلاب ترک و اہمال ہوا ہے -

اب رہ گئے بقیہ اجزای ثلثہ یعنی معاملات[1] - معاشرات[2] - اخلاق[3] اُن مین ان دونون مذکور انقلابون سے بڑھکر انقلاب ہوا ہے - یعنی عام مسلمانون نے بھی اپنی بے خبری سے اُن کو جزو دین نہین سمجھا - بلکہ دنیوی کاروائی سمجھکر اُسکے دستور العمل کو اپنی رای و اختیار پر مفوض سمجھا - اور چونکہ اغراض فاسد بھی ین اور رای مین زیغ تھا اس لیے ثمرہ اس کا یہ ہوا کہ ہر ہر حکم شرعی کے مقابلے مین ایک ایک کارروائی اور ایک ایک رسم اور ایک ایک عادۃ اختراع کی اور اس مجموعہ کو اپنا دستور العمل قرار دیا اور اس قرارداد مین ذرا بھی اپنے کو قصوروار یا خطاکار نہین سمجھا - بلکہ بعض امور کو الٹا ہُنر اور فخر سمجھا اسطرح سے کہ مجموعی حالت کے دیکھنے والے کو یہ گمان ہوتا ہے کہ جیسے کسی نے قصدًا ہر ہر حکم رحمانی کے مقابلے مین ایک ایک حکم نفسانی مستحسن سمجھکر ایجاد کیا ہو - اور استحسان کی یہ علامت ہے کہ ان امور مین احکام حقہ کے داعی سے سخت مزاحمت کیجاتی ہے - سو درحقیقت یہ انقلاب بہت ہی بڑا انقلاب ہوا کیونکہ اول کے دو انقلابون مین اجزای دین کو دین سے خارج نہین کیا گیا تھا اور نہ اُن اجزاء کے مقابلے مین دوسرے امور کو من حیث الاستحسان تجویز کیا گیا تھا - گو ایک جگہہ تغیر وہ بھی من حیث التدین - اور دوسری جگہہ ترک وہ بھی باعتقاد تقصیر واقع ہوا تھا اور ان تینون مین اجزای دین کو دین سے خارج کر دیا گیا اور بجائے اُن اجزار کے دوسرے احکام اختراع کیے گئے اور اُن مخترعات کو اصل پر ترجیح دیگئی تو ظاہر ہے کہ یہ انقلاب اجزای ثلثہ اخیرہ کا اُن انقلابین اولین سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے اور وقوع مین اظہر اور اکثر یہی اجزای ثلثہ اخیرہ ہین کیونکہ عقائد کا حصہ گو الزام ہی مگر اظہر نہین

اور دیانات کا حصہ خاص خاص اوقات میں ظاہر ہوتا ہے پس وقوع میں اکثر نہوا اور یہ ثلثہ اخیرہ اظہر بھی ہیں اکثر یہی ہیں اور ان ہی میں یہ انقلاب عظیم واقع ہی پس اس بنا پر دیکھنے والون کو اکثر احاد امت میں ہر وقت یہ انقلاب عظیم ہی نظر آویگا تو جو شخص ہر وقت انقلاب عظیم دیکھے اور پھر یہ دعوی بھی سُنے کہ انا امتی لمحمدؐ تو وہ سخت تحیر مین واقع ہو جاویگا کہ یا اللہ یہ شخص کس امر مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے جو ایسا دعوی کرتا ہے۔

مسلمانو! اب بھی اپنی حالت پر آپکو تنبہ ہوا۔ اگر نہین ہوا تو انا للہ اگر ہوا ہی تو کیا اسکی اصلاح ضروری نہین ہی اگر ہی تو کب اصلاح شروع ہوگی کیا ان مین سے کسی چیز کا انتظار ہے شغل مانع۔ مرض معطل۔ موت۔ یا وحی جدید۔ سو اسکی تو امید نہین فبای حدیث بعدہ یومنون اور امور بالا کا واقع ہونا مستبعد نہین۔ بلکہ موت تو متیقن ہے۔ مگر کیا اسوقت کچھ کرسکوگے۔

مسلمانو! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انقلاب کی جس کا اس زمانہ مین وقوع ہو رہا ہے بطور پیشین گوئی کے خبر دی تھی اَلنَّاسُ كَاِبِلٍ مِائَةٍ لَا تَجِدُ فِيهَا رَاحِلَةً ورنہ وہ زمانہ تو خیریت کا تھا۔ واللہ اعلم و ہو الموفق۔

طریق اصلاح انقلاب

اس سے پہلے مضمون مین ایک مضمون بعنوان بہ انقلاب امت احقر کی جانب سے معروض ہو چکا ہے اسکے خاتمہ کے قریب یہ عبارت ہی "تو کیا اُسکی اصلاح ضروری نہین الخ" اسکے جواب مین کسی مسلمان سے اس کہنے کی تو توقع نہین کہ "ضروری نہین" البتہ یہ سوال مظنون ہی کہ اچھا تو اصلاح کا طریقہ بتلا دیا جائے۔ اس لئے ذیل کے مضمون کا بھی حاصل ہوگا جاننا چاہیئے کہ یہ انقلاب ایک روحانی مرض ہے اور جس طرح جسمانی امراض کے خاص اسباب ہوتے ہین اور اُنکی اصلاح و معالجہ ان اسباب کے ازالہ سے ہوتی ہے اسی طرح اس مرض روحانی (انقلاب) کے بھی خاص اسباب ہین اور اُن کا ازالہ ہی اُسکے معالجہ و اصلاح کا طریق ہے اب اسباب کی تشخیص اور اُنکے ازالہ کی تدبیر بس یہی دو امر جع اہتمام قرار پائے۔

امر اول یعنی تشخیص اسباب انقلاب ہمین تامل و تدبر و تتبع کرنے سے معظم اسباب دو امر ثابت ہوئی ایک قلت علم یعنی ناواقفی و بیخبری۔ دوسرا ضعف ہمت یعنی قصد و ارادہ کی کمی یا فقدان سبب اول سے خود احکام ضروریہ و واقعیہ ہی مخفی رہتے ہین اور سبب ثانی سے باوجود خبر اور آگاہی کے نوبت عمل کی نہین آتی۔

امر ثانی یعنی اُن اسباب کے ازالہ کی تدبیر اور یہی بڑا امر ہے جسکے لئے توجہ تام و قوت متفقہ کی سخت احتیاج ہے

سو دونون سببون مین سے ہر ایک کے ازالہ کی تدبیر جدا ہے پس بیخبری کے ازالہ مین تو معلم اور متعلم یعنی خواص و علماء احکام اور عوام وطالبان احکام دونون کو دخل ہے اور ہر ایک کے لیئے جداگانہ ضروری دستور العمل ہے طالبان احکام کا دستور العمل یہ ہے کہ اُن مین جو زیادہ فارغ ہین جیسے اہل تنعم واہل ثروت وہ اپنی اولاد کو علوم دینیہ کے لیئے فارغ کر دین گو ضروریات دنیوی کے لیئے لسان ملک وفنون رائجہ کی بھی تحصیل کا مضائقہ نہین مگر بہ درجہ تبعیت سے متجاوز نہونے پاوین پس اولاد تو یون درست ہوئی اور خود کوئی وقت معین کر کے کسی عالم یا کامل الاستعداد طالبعلم کے پاس جاکر یا اُسکو بلا کر اگر علوم عربیہ سے مناسبت ہو تو وہ زیادہ بصیرت کا آلہ ہے ورنہ اردو ہی کے مفید اور ضروری رسائل کو کسی محقق کے مشورہ سے تجویز کر کے سبقاً سبقاً بہتر تو یہ ہے کہ دو تین بار ورنہ اقل درجہ تحصیلاً ایک ہی بار پھر مطالعۃً چند بار اُن پر عبور کر لین مگر یہ رسائل ایسے ہون جن مین سب اجزاء دین کا کافی بیان ہو عقائد و دیانات و معاملات و معاشرات ۔ واخلاق باطنہ (جن کا ذکر اس سے پہلے کے مضمون مین بھی ہو چکا ہے)

اور جنکو معاش کی ضروریات سے زیادہ فراغ نہین ہے اور حرف شناس ہین یا باسانی ہو سکتے ہین وہ اپنے لیئے بھی اور اپنی اولاد کے لیئے بھی بجائے علوم عربیہ کے وہی رسائل دینیہ اردو کے بطور درس طالبعلمانہ کے تجویز کر لین اور پھر بطور دور کے اُن کا بار بار مطالعہ کیا کرین اور جب تک درس کا انتظام نہو سکے بطور خود ہی دو چار ورق روزانہ بالالتزام مطالعہ کر لیا کرین اور مواقع خلجان مین خود رائی سے کام نہ لین بلکہ نشان بنا کر چھوڑ دین اور ماہر کے میسر ہونے کے وقت اُسکی تحقیق کر لین اور جو لوگ ان مین حرف شناس نہین ہین اور نہ باسانی ہو سکتے ہین اور نہ اپنے بچون کو کسی وجہ سے اس کام کیلیئے فارغ کر سکتے ہین وہ ایسا انتظام کرین کہ ہفتہ مین بہتر تو یہ ہے کہ روز ورنہ ایک ہی روز خاص مجلس علمی کے لیئے بالالتزام مقرر کرین اور کوئی عالم یا صحبت یافتہ اہل علم کا جو ان رسائل کو اچھی طرح سمجھا ہوا ہو تجویز کرین اور اگر کسی عالم سے تجویز کرا لین زیادہ احتیاط ہے۔ اور اُس روز سب لوگ کسی خاص مقام مسجد وغیرہ مین جمع ہو کر اُس خواندہ وفہمیدہ شخص کو لا کر ایک معین وقت تک (مثلاً ایک گھنٹہ یا آدھا گھنٹہ) اُن رسائل کو سُنا کرین اور سمجھا کرین اور اگر ایسا شخص مفت نہ ملے تو کچھ اُسکی مالی خدمت کرین اور اُس سنانے والے شخص کو جہان شبہ رہے پنسل وغیرہ سے نشان بنا کر اُسکو رہنے دین پھر جب کوئی عالم میسر ہو اس سے حل کرین اور سب مجمع کو پہنچا دین اور جہان دیہات وغیرہ مین ایسا شخص نہو تو آپس مین مشروع طریق سے چندہ کر کے اُس چندہ سے کوئی ایسا آدمی باہر سے

بُلا کر رکھیں اور یہ طریق جاری کریں اور یہ تمام طبقات مذکورین علاوہ اس تحصیل یا مطالعہ یا سماع رسائل کے دو امر کا اور بھی التزام رکھیں ایک یہ کہ اپنے اعمال و احوال میں جب کوئی امر جس کا حکم معلوم نہو پیش آوے فورًا علماء حقانی سے اُس کو دریافت کریں اور اگر بوجہ بُعد کے زبانی نہ پوچھ سکیں تو بذریعہ خط کے تحقیق کریں اگر اوسط ایک مسئلہ روزانہ کے حساب سے تقریرًا یا تحریرًا پوچھ پاچھ رکھے تو سال بھر میں ساڑھے تین سو سے زیادہ اور دس سال میں ساڑھے تین ہزار سے زیادہ مسئلے معلوم ہو سکتے ہیں کہ بعض نام کے با جدید عالموں کو بھی اتنے مسائل معلوم نہیں۔ اور کوئی بڑا مشکل کام نہیں ہے دوسرے اس امر کا التزام رکھیں کہ علماء کی مجلس میں جایا کریں خواہ خاص مجلس ہو جیسے جلسۂ ملاقات و زیارت خواہ عام مجلس ہو جیسے جلسۂ وعظ و نصیحت اور جو سنیں دل سے یاد رکھیں یہ تو مردوں کا انتظام ہوا۔ اب عورتیں رہ گئیں سو یہ مجموعی انتظام مذکورہ اُنکے لیے اشکال سے خالی نہیں اسلئے سہل تر اُن کے لیے یہ طریق ہے کہ اگر معلّمہ عفیفہ دیندار ملجاوے تو کمسن لڑکیوں کو اُسکے ذریعہ سے قرآن مجید اور ایسے رسائل کی تعلیم دلاویں اور اُنکے لیے بہشتی زیور کے دس حصے بالکل انشاء اللہ تعالیٰ کافی ہیں بلکہ بانضمام گیارھویں حصہ مسمیٰ بہشتی گوہر کے مردوں کے لیے بھی کافی ہیں اور اگر کوئی معلّمہ ایسی نہ ملے یا کسی لڑکی کو فراغ یا مناسبت نہو تو اُن کو بھی بڑی عورتوں کے انتظام میں شامل سمجھا جاوے اور وہ انتظام دو ہیں۔ ایک یہ کہ گھر کے مردوں میں سے اگر کوئی خواندہ ہو تو وہ روزانہ کچھ وقت معین کر کے سب گھر والیوں کو اُس وقت جمع کر کے رسائل بالا سنایا کریں سمجھایا کریں بلکہ کئی دوری کر دیں دوسرا انتظام یہ ہے کہ گاہ گاہ کسی متورع متبع سنت عالم کا گھر میں وعظ کہلا دیا کریں کہ یہ عجیب موثر عمل ہے۔

یہ سب دستور العمل طالبان احکام کے متعلق ہے اب علماء احکام کا دستور العمل باقی رہا اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اس میں ساعی رہیں کہ ناواقفوں تک احکام پہونچیں اور اسکی یہ صورتیں ہیں۔ ایک درس گو بعوض ہو اسمیں علوم ضروریہ کو مقدم اور مہتم بالشان رکھیں دینیات سے حتی الامکان طالب علم کو پہلے فارغ کریں اگر طالبعلم دینی مختصرات یا اردو کے رسائل بھی پڑھے اور اپنے پاس وقت ہو تو ہرگز اُسکے درس کو خلاف شان نہ سمجھے طالب علم کے فضول سوال پر اُسکو متنبہ کرے جواب نہ دے۔ دوسری صورت وعظ ہے جس میں خطاب عام ہے اسمیں ضرورت وقت کا لحاظ رکھیں۔ جن امور میں لوگ اُس زمانہ میں مبتلا ہوں یا جن ضروریات میں فرو گذاشت کرتے ہوں مدار بیان اُسپر رکھے۔ دوسرے مضامین اگر ہوں تو بالتبع اور بقلت ہوں اور یہ ضروری مضامین جمیع ابواب کے ہوں صرف عقائد و دیانات پر اقتصار نہ کرے بلکہ معاملات و معاشرت و اخلاق سے بھی مشبع

بحث کرے بلکہ بوجہ متروک ہونے کے یہ ثلثہ اخیرہ زیادہ اہم ہو گئے ہین۔

اور وعظ مین بات صاف کہے کہ سُننے والونکی سمجھ مین خوب آجاوے مگر خشونت اور اشتعال انگیز طرز سے بچے اور وعظ پر عوض نہ لے البتہ اگر وعظ کا نوکر ہو وہ اور بات ہے۔ تیسری صورت جواب ہے استفتار کا خواہ زبانی سوال ہو یا تحریری ہو اسمین ان امور کا لحاظ رکھے حتی الامکان جواب مین توقف نہ کرے لا یعنی سوال کا جواب نہ دے بلکہ سائل کو متنبہ کر دے اگر سوال محتمل دو صورتون کو ہو تو تشقیق سے جواب نہ دے بلکہ سائل سے پہلے صورت واقعہ متعین کرے پھر جواب دے کیونکہ بعض اوقات سائل دونون شقون کا حکم سُنکر ایک شق کو اپنے مفید مطلب سمجھکر سوال مین اُسی کا دعوی کرنے لگتا ہے جسکی وجہ سے سائل کا یا اُسکے مقابل کا ضرر دینی یا دنیوی ہو جاتا ہے۔ عامی کو دلیل بتلانے کا التزام نہ کرے کہ اکثر اُسکے فہم سے خارج ہوگی۔ ہان دوسرے علمار مصححین کی سہولت کے لیے اگر دلیل کیطرف اشارہ کر دے یا کوئی عبارت بلا ترجمہ نقل کر دے مستحسن ہے اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سائل غائب اس تحریری جواب کو اچھی طرح نہ سمجھے گا یا سمجھنے مین غلطی کریگا جواب لکھکر لکھدے کہ کسی عالم سے اس جواب کو زبانی حل کر لے اگر قرائن سے معلوم ہو کہ سوال برائے تعنت ہے جواب نہ دے غرض اہل سے دریغ نہ کرے نا اہل کو منہ نہ لگاوے۔

چوتھی صورت تالیف و تصنیف ہے خواہ اشتہار ہو یا اخبار ہو یا رسالہ و کتاب ہو اسمین بھی ضرورت وقت کا لحاظ اور عبارت مین سلاست اور کفایت کی رعایت ہو اور اگر خدا تعالیٰ معاش کی کوئی صورت اور سبیل عطا فرماتے تو اپنی تصانیف کی خود تجارت نہ کرے یہان تک بیان تھا بیخبری کے ازالہ کی تدبیرون کا۔ آگے بیان ہے ضعف ہمت کی ازالہ کی تدبیر کا۔

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ امور ذیل کو تقویت ہمت مین خاص اثر اور دخل ہے ایک اُن مین سے صحبت شیوخ کاملین کی ہے جنکی یہ علامتین ہین بقدر ضرورت علم دین رکھتا ہو۔ عقائد و اعمال و اخلاق مین شرع کا پابند ہو دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے کسی شیخ کامل کی صحبت مین چندے رہا ہو۔ اُس زمانہ کے منصف علمار و مشائخ اُسکو اچھا سمجھتے ہون بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہیم دیندار لوگ اُسکی طرف زیادہ مائل ہون اُس سے جو لوگ بیعت ہین اُنمین اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و قلت حرص دنیا کی اچھی ہو وہ شیخ تعلیم و تلقین مین اپنے مریدون کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور اُنکی کوئی بُری بات دیکھے یا سُنے تو اُن کو روک ٹوک کرتا ہو یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اُسکی مرضی پر چھوڑ دے۔ اُسکی صحبت مین چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت مین کمی اور حق تعالیٰ کی محبت مین ترقی محسوس ہوتی ہو خود بھی وہ ذاکر و شاغل ہو اسلئے کہ بدون عمل یا عزم عمل

تعلیم مین برکت نہین ہوتی اور صدور کشف وکرامت وراستجابت دعا وتصرفات لوازم مشیخت سے نہین غرض ایسے حضرات کی صحبت خاص طور پر مؤثر ہے مگر اس صحبت کی تاثیر مین شرط یہ ہی کہ اُسمین نیت بھی یہی ہو کہ میری قلب مین رغبت طاعت اور نفرت معاصی پیدا ہو اور اسکے ساتھ اس کا بھی التزام رہے کہ اپنی کیفیات قلبیہ کی شیخ کو اطلاع دیکر جو معالجہ تجویز فرمایا جائے اُسپر کاربند ہو۔

دوسرا امر اُن مین سے بوقت میسر نہ آنے صحبت کاملین کے اہل اللہ کے حالات و مجاہدات کا مطالعہ یا استماع ہے مگر اُنسے جو مقالات متعلقہ اسرار مسائل غامضہ تصوّف ہین اُن مین ہرگز مشغول نہو البتہ علوم معاملہ یعنی تربیت باطن و تہذیب نفس کے بارہ مین جو کچھ اُنکے اقوال ہین وہ سرتاپا عملدرآمد بنانیکے قابل ہین تیسرا امر اُن مین سے مراقبہ موت و مابعد الموت ہی مراد اس سے ابتداء نزع روح سے دخول جنت یا نار تک جو اہوال پیش آنے والے ہین مثلاً سوال نکیرین و عذاب و نعیم قبر و حشر و وزن اعمال و حساب و جزاء و عبور صراط وغیرہ سب کو کسی وقت فراغ مین بالالتزام روزانہ کم از کم بیس منٹ سوچا کرے تقویت ہمت مین جن ملکات کو دخل ہی اس مراقبہ سے اُن کا کمال پیدا ہو جاویگا جیسے زہد و خشیت وامثالہا پس یہانپر بیان ختم ہو گیا یعنی اسباب انقلاب کے ازالہ کی تدبیر کا پس طریقہ اصلاح مکمل طور پر مشخص ہو گیا ولله الحمد اور لطف یہ کہ نہایت سہل اور ایسا عام اور تام کہ ادنی توجہ سے تمام امت باسرع اوقات اپنی اصلاح کر سکتی ہے آگے نفع حاصل کرنے والونکی توفیق ہے ؎

ما نصیحت بجائے خود کردیم ✤ روزگاری درین بسر بردیم ✤ گر نیاید بگوش رغبت کس ✤ بر رسولان بلاغ باشد و بس

تذئیل

علماء احکام کے دستور العمل کا متمم ایک اور امر بھی ہی یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اسمین بعض مواقع پر غیر علماء بھی شریک ہین یعنی خاص اپنے اُن متعلقین پر احتساب کرنا جنپر قدرت ہی علماء کے ساتھ مخصوص نہین البتہ عام احتساب خاص ہی علماء کے ساتھ اور عوام کی تصدّی اسکے لیئے اکثر موجب فتنہ و عداوت ہو جاتی ہی نیز عوام اکثر احتساب کی حدود بھی نہین جانتے اس سے غلو فی الدین کی نوبت آجاتی ہی نیز اکثر عوام نفس کو مہذب کیئے ہوئے نہین ہوتے اور اُنکے احتساب مین بکثرت نفسانیت ہوتی ہی اس معنی کے افادہ کے لیئے بعض مفسرین نے ولتکن منکم مین من کو تبعیضیہ کہا ہی اور یہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کہین واجب ہوتا ہے جہان فاعل بے خبر ہو یا فاعل پر پوری قدرت ہو یا قبول کی پوری توقع ہو ورنہ مستحب ہے اور منجملہ اُسکے آداب کے یہ ہی کہ اول خلوت مین کہے اور نرمی سے کہے اسکے بعد اگر مصلحت ہو علانیہ کہے اور سختی سے کہے ورنہ اعراض کرے اور دعا کرے۔

اور منجملہ اس امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے کفار کی تبلیغ بھی ہے خواہ بذریعہ تقریر خواہ بذریعہ تحریر اپنے ملک کے کفار کو بھی اور دوسرے ملک کے کفار کو بھی اور یہ بوجہ عموم شیوع احکام دینیہ کے گو اس وقت واجب نہیں رہا لیکن اگر کوئی ہمت کرے عین عزیمت ہے اور اس غرض کی تحصیل وتکمیل کے لئے اگر ان اقوام کی زبان بھی سیکھے تو بشرط خلوص نیت عین طاعت ہے جیسا اس وقت کوئی شخص انگریزی وغیرہ اسی غرض سے حاصل کرنا چاہے۔

تکمیل

تبلیغ احکام کے متعلقات ہی میں سے ان احکام کی ایک خاص حفاظت بھی ہے یعنی اصول و فروع اسلام پر جو حملے یا آمیزشیں ہیں خواہ وہ اہل کفر ہوں یا اہل بدعت ان کو دفع کرنا اور رفع کرنا تاکہ طالبان حق شبہات سے محفوظ رہیں اور اس مقصود کے لئے اگر اہل باطل پر رد وقدح کرنیکی حاجت ہو یا ان سے مناظرہ کرنا مصلحت ہو اس سے بھی سلسلہ بہتی نکرے اور اس زمانہ پرآشوب میں مناظرہ اگر مشروع ہے تو اسی غرض سے ورنہ تعصب اس درجہ ترقی پر ہے کہ مناظرہ سے احقاق حق مقصود ہی نہیں رہا اور اس رد وقدح یا مناظرہ کے لئے اگر اہل باطل کے علوم وفنون حاصل کرنا ضروری ہو وہ بھی طاعت ہے جیسے اسوقت سائنس وغیرہ سیکھنا۔

یہانتک تدبیریں ہیں اصلاح کی اور اس سب کے بعد بھی بڑی ضرورت دعا والتجا بجناب حق ہے۔ ع

این ہمہ گفتیم ولیک اندر بسیچ　　بے عنایات خدا ہیچیم وہیچ
بے عنایات حق وخاصان حق　　گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

سد موانع اصلاح انقلاب

اس سے سابق انقلاب امت کی اصلاح کی تدابیر کی تعیین وتفصیل مذکور تھی چونکہ ہر تدبیر پر عمل کرنے کیلیے ساتھ اسکے موانع تاثیر سے تحرز بھی واجب ہوتا ہے جسطرح امراض جسمانی میں پرہیز کی ضرورت سمجھی جاتی ہے اسلیئے ان تدابیر اصلاح کے ساتھ ان امور سے بچنا بھی ضروری ہوگا جو انکے اثر میں خلل انداز ہیں۔

بیان اس کا یہ ہے کہ ان تدابیر میں سے بعض علماء کے متعلق تھیں یہاں انکے باب میں کلام مقصود نہیں کیونکہ وہ خود جانتے ہیں صرف ان میں جو عوام کے متعلق ہیں انپر بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے سو اس باب میں یہ امور بتلائے گئے تھے کتب[1] دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سننا۔ علماء[2] دین سے مسئلہ پوچھنا۔ وعظ[3] سننا۔ صحبت[4]

اہل کمال گھروالون کو خود پڑھانا یا سُنانا یا کسی کے ذریعہ سے پڑھوانا سُنوانا۔ ان امور پنجگانہ مین سے ہر ایک مین بعض لوگ بے احتیاطیان کرتے ہین جو معالجہ مطلوبہ مین بد پرہیزی کا حکم رکھتی ہین بالترتیب ہر ایک کے متعلق مختصر تنبیہ ضروری ہی۔

امر اوّل یعنی کتب دینیہ کا پڑھنا یا دیکھنا یا سُننا

اسکے متعلق آج کل بعض بکثرت یہ غلطی کرتے ہین کہ جو کتاب دین کے نام سے دیکھی یا سُنی خواہ اُس کا مضمون حق ہو یا باطل خواہ اُس کا مصنف ہندو ہو یا عیسائی یا دہری یا مسلمان پھر مسلمان بھی گو صاحب بدعت ہی ہو غرض کچھ تفتیش نہین کرتے اُس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہین اور اسی مین وہ مضامین آگئے جو کسی مسئلہ کے متعلق اخبارات مین چھپتے رہتے ہین سو اس مین چند مضرتین ہین بعض اوقات بوجہ کم علمی کے یہی امتیاز نہین ہوتا کہ ان مین کون مضمون صحیح ہے کون غلط۔ کسی غلط کو صحیح سمجھکر عقیدہ یا عمل مین خرابی کر بیٹھتے ہین بعض اوقات پہلے سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ امر غلط ہی مگر بعض مصنفین کا طرز بیان ایسا تلبیس آمیز یا دلآویز ہوتا ہے کہ دیکھنے والا فی الفور اُس سے متاثر ہو جاتا ہے اور اُسکے مقابلہ مین اپنے پہلے اعتقاد کو ضعیف اور بے وقعت خیال کرنے لگتا ہے بعض دفعہ تو اُس پہلو کو غلط اور اس پچھلے کو صحیح سمجھ لیتا ہے اور بعض دفعہ اُسکو قبول نہین کیا مگر متزلزل و مذبذب ہو کر کبھی دل مین کہتا ہی اور پریشان ہوتا ہے اور کبھی دوسرون سے تحقیق کرنا چاہتا ہے مگر چونکہ اُسمین کچھ غموض ہوتا ہے جسکے ادراک کے لیے اس کا علم و ذہن کافی نہین ہوتا اسلیے سمجھ مین نہین آتا اور بے سمجھے لایعنی سوالات کرکے دوسرون کو پریشان کرتا ہے اور اپنے فہم کا قصور فہم مین نہین آتا اور جواب دینے والون کو جواب سے عاجز سمجھکر اُن کے علم یا اخلاق مین تنگی کا حکم لگا کر اُنسے بدگمان ہو جاتا ہے اور بھی انواع مفاسد پیدا ہو جاتے ہین ان سب کا انسداد یہی ہے کہ کوئی کتاب کوئی اخبار کوئی رسالہ کوئی تقریر بیتا و قتیکہ کسی محقق عالم کو نہ دکھلا لین اور اُس سے رائے نہ لین ہرگز نہ دیکھین اخبارات کے بعض مفاسد اس قسم کے احقر نے ایک مستقل تحریر مسمّٰی بہ "اخبار یمنی" مین ایک زمانہ مین لکھے تھے جسپر بلا تدبر بعض معترضین نے غل مچایا اگر وہ تحریر بغور پڑھنے کے قابل ہے اُس سے یا اس سے یہ ہرگز مقصود نہین کہ کسی اخبار یا کسی کتاب کا مطالعہ ہر حالت مین حرام ہے مخصوص صرف یہ ہے کہ چونکہ ان چیزون مین بعض اوقات ایسے مفاسد ہوتے ہین اور ان مفاسد سے بچنا ملّت اسلامیہ مین واجب ہے اور بچنا بدون معرفت کے ہو نہین سکتا اور معرفت خود ہی نہین اس لیے کسی صاحب معرفت یعنی عالم محقق سے مشورہ

ہیںکہ اُس کا اتباع ضروری ہوگا افسوس ہے کہ باوجود وضوح اس امر کے پھر اس ممانعت کو تنگ خیالی وتعصب پر محمول فرمایا جاتا ہے۔ کیا کوئی خیرخواہ باپ اگر اپنے بچہ کو زہر ملی ہوئی مٹھائی کے کھانے سے روکے کوئی عاقل اُس باپ کو متعصب یا تنگ خیال کا لقب دیگا یا غایت رافت کے ساتھ اُسکو منصف کہیگا اور اگر کوئی کہے کہ ہم خذ ما صفا ودع ما کدر کے طور پر اُسکو دیکھتے ہیں سو اس کا جواب اوپر کی تقریر سے واضح ہوگیا ہے کہ اس امتیاز کے لیئے علم کامل وفہم وافی کی حاجت ہے اور کلام اسکے فاقد میں ہے رہا کسی کا اپنے کو فاقد نہ سمجھنا یہ معتبر نہیں بلکہ کسی عالم ماہر کا کسی کو فاقد کہنا اسکے اثبات کے لیئے کافی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جناب رسول کریم ونبی حکیم علیہ صلوۃ اللہ تعالے والتسلیم نے حضرت عمر رضہ جیسے راسخ العلم واکمل العمل شخص کو توراۃ کے مطالعہ سے منع فرمایا باوجودیکہ وہ فی نفسہ آسمانی کتاب تھی گو اسمین تحریف بھی ہوگئی تھی اور پھر مطالعہ بھی تنہا نہ تھا بلکہ خود حضور پر نور کو سنا رہے تھے اور اُسمین جزو محرف کا معین ومبین ہوجانا ظاہر تھا اسکے بعد کسی فساد کے ترتب کا احتمال ہی نہ تھا معہذا پھر اس مصلحت سے کہ آیندہ کو یہ عمل اُن مفاسد کے باب مفتوح ہونیکا سبب نہ بنجائے کس سختی سے منع فرمایا اور کیسی ناخوشی ظاہر فرمائی جیسا کہ حدیث دارمی مین مذکور ہے۔ ان دلائل حسیہ وحدیثیہ کے بعد امید ہے کہ اہل انصاف مصلحت اندیش کو کوئی خدشہ نہ رہا ہوگا اور جبکہ اس تقریر سے وہ کتابین وغیرہ بھی قابل تحرز قرار پائین جن مین مصالح کے ساتھ بعض مفاسد بھی ہون سو جنمین سرتاسر مفاسد ہی ہون جیسے ناول وغیرہ جنسے اعمال واخلاق کا بڑا حصہ نہایت گندہ ہو جاتا ہے اُن کا مطالعہ کس طرح جائز سمجھا جائیگا بالخصوص نوجوانون اور عورتون کو بلکہ اگر ایسی کتابین گھر مین دیکھی جاوین آگ مین جلا دینا بھی اُن کا حق ادا کرنا ہے۔

اب اس قبل مین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگون کے لیئے ایک مختصر نصاب قابل مطالعہ کتب کا معین کردیا جاوے تاکہ اُن مین مشغول رہکر مخدوش کتب سے محفوظ رہین بہشتی زیور گیارہ حصے تعلیم الدین۔ فروع الایمان۔ جزاء الاعمال تبلیغ دین۔ قصد السبیل۔ شوق وطن۔ اگر اس سے زیادہ مطول ومفصل کی ضرورت ہو کسی عالم محقق سے دریافت کرلیا جاوے تمام ہوا بیان امر اول کا۔

امر دوم یعنی علمائے دین سے مسئلہ پوچھنا

اسمین چند غلطیان کیجاتی ہین ایک یہ کہ کیف ما اتفق کسی سے مسئلہ پوچھ لیتے ہین بعض اوقات تو یہ بھی نہین تحقیق کرتے کہ یہ شخص واقع مین عالم بھی ہے یا نہین کسی کا نام مولوی سُن لیا اور اُسی سے دین کی باتین پوچھنے

لگے اور بعض اوقات عالم ہونا معلوم ہوتا ہے مگر یہ نہین دیکھتے کہ کس مشرب کا کس عقیدہ کا ہے ایسے شخص کے جواب سے بعض اوقات تو عقیدہ یا عمل مین خرابی پیدا ہو جاتی ہی اور بعض اوقات تردد و شبہ مین پڑکر پریشان ہوتا ہے یا پریشان کرتا ہی جیسا کہ امر اول کے بیان مین گذر چکا۔

دوسری غلطی یہ کیجاتی ہی کہ ایک مسئلہ کو کئی کئی جگہہ پوچھتے ہین اور بعض اوقات جواب مختلف ملتا ہی تو اُس وقت یا تو تعیین راجح مین پریشان ہوتے ہین یا جس مین نفس کی مصلحت ہوتی ہے اُسپر عمل کرتے ہین اور کبھی اُسکی عادت ہو جاتی ہی تو استفتا سے یہی مقصود ہو جاتا ہے کہ نفس کے موافق جواب ملے اور جبتک ایسا جواب نہین ملتا برابر اس کد و کاوش مین رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وضع تدین سے بمراحل بعید ہے سراسر اتباع ہوی و تلعب فی الدین ہے اور ایک تیسری غلطی اس دوسری غلطی سے یہ پیدا ہوتی ہی کہ بعض اوقات ایک مجیب کا جواب دوسرے مجیب کے سامنے نقل کر دیا جاتا ہے چونکہ بعض اوقات طبیعت کا خاص رنگ ہوتا ہے بعض اوقات نقل کا لب و لہجہ کچھہ معارضانہ ہوتا ہے اسلیئے کبھی اس مجیب کی زبان سے دوسرے مجیب کی نسبت یا اسکے جواب کی نسبت کوئی ناملائم لفظ نکلجاتا ہے پھر یہی ناقل یا کوئی دوسرا اُس مجیب تک اُسکو پہونچا دیتا ہے پھر وہ کچھ کہدیتا ہے اُسکی خبر اس پہلے تک پہونچتی ہے اور بعض دفعہ بلکہ اکثر ان منقولات مین بھی بہت کچھہ لفظی یا معنوی تغیر تبدل کر دیا جاتا ہے اور اسطور پر باہم ایک فساد عظیم ان مین برپا ہو جاتا ہے۔

اور ایک غلطی یہ ہی کہ غیر ضروری مسئلے پوچھے جاتے ہین ایک غلطی یہ ہے کہ مسائل کے دلائل دریافت کیئے جاتے ہین جنکے سمجھنے کے لئے علوم درسیہ کی حاجت ہی اور چونکہ اس سائل کو وہ حاصل نہین اسلیئے دلیل کو سمجھتا نہین اور اگر اسی خیال سے کوئی مجیب دلیل بتلانے سے انکار کرتا ہی تو اُس غریب کی بد خلقی پر محمول کیا جاتا ہے۔

ایک غلطی یہ کیجاتی ہے کہ کسی سے کسی مسئلہ مین مباحثہ شروع کرتے ہین پھر اپنی تائید کے لیئے فتوی حاصل کرتے ہین اور وہ فتوی اپنے مخالف کو دکھلا کر اُسپر احتجاج کرتے ہین پھر وہ اپنے موافق فتوی حاصل کرنیکی کوشش کرتا ہے اسیطرح خواہ مخواہ باہم جنگ و جدل کیا کرتے ہین حالانکہ عوام کو اسمین پڑنا موجب خطر ہے اگر اُنکو کوئی اہل باطل اولجھے تو علماء کا حوالہ دیکر اُسکو قطع کر دیا جائے اگر غرض ہوگی آپ پوچھے گا۔

ان سب غلطیون کی اصلاح اس سے ہو سکتی ہے کہ اپنا دستور العمل اس باب مین یہ رکھین کہ جب کوئی ضروری بات پیش آوے اپنے عمل کرنے کے لئے نہ کہ مباحثہ کے لیئے ایسے شخص سے مسئلہ پوچھین جس کا معتبر و محقق ہونا صحیح ذریعہ سے پہلے معلوم ہو اور اسپر اعتماد و اعتقاد بھی ہو اور دلیل دریافت نہ کرین اور کسی دوسرے عالم سے

بلاضرورت نہ پوچھین اور اگر باوجود ان سب رعایتون کے اُسکے جواب مین شبہ رہے اور شفا نہو تو ایسے ہی
صفت کے دوسرے عالم سے پوچھ لین اور اگر جواب پہلے کے خلاف ہو تو پہلے کا جواب اُسکے سامنے اور اُس کا
جواب پہلے کے سامنے نقل نہ کرین اور جس قول پر قلب مطمئن ہو اُسپر عمل کرلین اور یہی عمل اس حالت مین کرین
جبکہ بلا مراجعت دوسرے عالم کے خود بخود جواب اول کے خلاف کوئی جواب اُس باب مین گوش زد ہو جائے
اور اگر استفتا تحریراً ہو تو ان رعایات کے علاوہ اور بھی بعض رعایتون کا لحاظ رکھین یعنی سوال کی عبارت
اور خط بہت صاف ہو حتی الامکان فضول غیر متعلق باتین اُسمین نہ لکھین اپنا پتہ اور نام صاف لکھین اگر کئی بار
ایک ہی جگہ استفتے جاوین تب بھی ہر خط مین اپنا پتہ اور نام صاف لکھین اور جواب کیلئے ٹکٹ ضرور رکھدیا
کرین بلکہ اگر سوال دستی بھی بھیجین تب بھی جواب کے لیے ٹکٹ رکھدین اور پتہ اپنا پورا لکھدین شاید اُس وقت جواب
مسئلہ کا نہ دے سکین تو بعد مین ڈاک مین بھیجدینگے ورنہ ٹکٹ واپس آجائیگا اور اگر کئی سوال ہون تو کارڈ پر
نہ بھیجا کرین اور اگر کبھی ایسا اتفاق ہو جائے تو ان سوالون پر نمبر ڈال کر انکی ایک نقل اپنے پاس بھی رکھ لین اور
مکتوب الیہ کو اطلاع دیدین کہ ہمارے پاس سوالات کی نقل نمبروار ہے آپ اعادہ سوال کی تکلیف نہ کرین نمبر ونکی
ترتیب سے صرف جواب لکھدین۔

امر سوم یعنی وعظ سُننا

جس قسم کی غلطیان امر اول مین کیجاتی ہین اُسی قسم کی غلطیان لوگ یہان کرتے ہین کیونکہ تحریر و تقریر دلالت و
احکام و آثار مین متقارب ہین یعنی لوگ ہر قسم کے واعظون کا وعظ سُن لیتے ہین اسکے وہی مفاسد ہین جو امر اول
مین تھے اور ان کا وہی انسداد ہے جو مفاسد متعلقہ امر اول کا تھا یعنی جب کوئی واعظ جدید آوے اپنے شہر یا قریب کے
کسی عالم معتبر سے اُس واعظ کی حالت پوچھ لے اگر وہ اطمینان دلاوے تو وعظ سُنے ورنہ نہ سنے کیونکہ بعض واعظ
جاہل ہوتے ہین اور بعض بد مذہب اور اُن مین بعض اپنے مدعا کے ذہن مین جما دینے مین ملکہ رکھتے ہین اور
بعض ایسے چالاک ہوتے ہین کہ اول اول مخاطبین کے موافق کہتے ہین پھر بعد مناسبت و موانست اپنے مسلک
کی دعوت شروع کرتے ہین بقول مولانا رح ؎ زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر ۔ تا کہ گیرد مرغ را آن مرغ گیر ۔
پس محتاط کو یہ طریقہ رکھنا چاہیے ؎ دشمن ارچہ دوستانہ گویدت ۔ دام دان گرچہ ز دانہ گویدت ۔
اور یہ شیوہ اختیار نہ کرین کہ ؎ لختے بردہ از دل گذرد ہر کہ بہ پیشم ۔ من قاش فروش دل دیوانہ خویشم ۔

اور اگر باوجود احتیاط کے کوئی بات مشتبہ کان مین پڑ جائے علمار محققین سے اُسکی تحقیق کر لین۔

امر چہارم یعنی اہل کمال کی صحبت

اسمین جو دھوکا ہوتا ہے وہ بہت عام ہے یعنی جو علامتین اہل کمال کے شناخت کی ہین اُنکی رعایت نہین کیجاتی جنکو احقر نے مضمون سابق مین قصداً سبیل سے نقل کیا ہے اس کا انسداد اُن علامات کی رعایت ہے بقول مولانا رومی رح ۵ اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ؛ پس بہر دستے نباید داد دست +
اسی کے ذیل مین اُس صحبت کی مضرت بھی سمجھ لینا چاہیے جو معتقد اپنا نہو محض دوستی کے طور پر ہو مگر وہ دوست بددین ہو یہ بھی غلطی عظیم ہے تجربہ سے ایک دوست کا اثر طبعًا دوسرے دوست پر ضرور آتا ہے اور مُضر اثر جلد آتا ہے اسی لیئے ارشاد نبوی ہے کہ المرء علی دین خلیلہ فلینظر من یخالل البتہ جو ملاقات بضرورت ہو وہ مستثنےٰ ہے۔

امر پنجم یعنی گھر والون کو خود پڑھانا

اسمین جو غلطیان ہوتی ہین اُن کا مجموعہ امور اربعہ مذکورہ کے بیان مین منتشر طور پر علاج آگیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ گھر والون کے لیئے کتابین جو تجویز کیجادین یا واعظ جو بلایا جائے اُن مین رعایات مذکورہ سابقہ ملحوظ ہون اور یہ امر تصریح و تخصیص کے ساتھ اسمین قابل ذکر ہے کہ سیانی لڑکی کا معلم نامحرم جوان یا میانہ عمر کا جائز نہ رکھا جائے و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ بقرآن مجید

اس سے سابق کے مضامین مین انقلاب و اصلاح کے باب مین جو کلام ہوا تھا وہ جملی اور کلی طریق پر تھا چونکہ جزئیات خاصہ کو اُسپر منطبق کرنا طلب صادق و فہم صائب کو مقتضی ہے اور اُن دونون کی اکثر طبائع مین مشاہد ہے اس لیئے مضمون مذکور کے نفع مین تام ہونے کے لیئے اُسکی حاجت محسوس ہوئی کہ بعض ایسی جزئیات کو جو کہ مہم اور کثیر الوقوع ہین بطور انموذج مگر بقدر کافی اسی سلسلہ مین مفصلاً و مصرحًا بھی بیان کردیا جاوے چنانچہ

اس مضمون سے اس کا آغاز ہے اور یہ امر بھی ضروری الذکر ہے کہ زیادہ حصہ اس سلسلہ کا اعمال و اخلاق و معاملات و معاشرت کے متعلق ہوگا اور یون اتفاقاً کسی عقیدہ سے سادہ طرز پر کوئی بحث آجائے ممکن ہے اب اسکا سلسلہ شروع کرتا ہون۔

قرآن مجید کے معاملہ مین چند کوتاہیان کی جارہی ہین ایک یہ کہ بعض لوگ تو اُسکے پڑھنے کو قابل اہتمام نہین سمجھتے پھر ان مین بھی دو گروہ ہین ایک یہ کہ ان کا عدم اہتمام محض عملاً ہے یعنی اُس کا استحسان یا نافع ہونا تو ان کے اعتقاد مین ہے مگر بوجہ غفلت کے اشغال یا دوسری حاجات معاشیہ کے اسکو حاصل نہین کرتے نہ اپنی اولاد کے لیئے اسکی سعی کرتے ہین اس گروہ کی حالت ایک درجہ مین اخف ہے کیونکہ یہ لوگ ایک امر نافع کے تارک ہین کسی امر مُضر کے مباشر و مرتکب نہین کیونکہ پوری قرآن کا پڑھنا مجموع امت کے اعتبار سے بغرض اس کی حفاظت کے فرض علی الکفایہ ہے البتہ قدر ما یجوز بہ الصلوٰۃ فرض علی العین ہے اور قدر ما بنا دی بہ واجب القراۃ واجب علی العین ہے تو یہ لوگ کسی فرض یا واجب علی العین کے تارک نہین ہوئے گو ایک برکت سے محروم ہین اسی وجہ سے ہمنے اس کو کوتاہی کی فہرست مین شمار کیا ہے علاج اس کا یہی ہے کہ ان لوگون کو ادھر متوجہ کیا جائے اور جتنا انکا خرچ دنیوی سمجھا جائے کسی قدر امداد مالی سے اُسکا تدارک کیا جائے کم از کم ان بچون ہی کو خوراک و پوشاک کے لیئے وظیفہ دیا جائے اور ہر بڑی گاؤن تک مین ایک ایک مکتب قرآن مجید کا قائم کیا جائے اور وہان کے گرد و نواح کے دیہات کے بچون کو انہین تعلیم دی جائے اور بڑون کو بھی جب فرصت میسّر ہو تھوڑا وقت اسمین دیا جائے یہ ممکن ہے کہ جتنون نے شروع کیا ہے بوجہ قلت مناسبت کے یا بسبب عروض عوارض کے سب ختم نہ کرسکین لیکن تاہم ایک عدد عظیم ختم کرنے والون کا اس سے بھی حاصل ہوجائیگا اور ایسے مکتبون کا چونکہ خرچ زیادہ ہوگا اس لیے بیرونی امداد کی طرف مضطر ہونگے ہر جگہ کے مکتب کے لیئے خود وہان کے چند صاحبون کی امداد کافی ہوسکتی ہے مگر اس امداد سے اس کا لحاظ رہے کہ کسی شخص پر دباؤ ڈال کر یا شرما کر اس سے وصول نہ کیا جائے کہ علاوہ خلاف دین ہونے کے اور بے برکتی کے ایسے چندون کو ثبات بھی نہین ہوتا۔

دوسرا گروہ وہ ہے کہ اُن کے اس عدم اہتمام کا منشا سوء اعتقاد ہے یعنی تحصیل الفاظ کو ایک فضول و لایعنی حرکت بلکہ معاش مین مخل سمجھکر مُضر جانتے ہین اور پڑھنے والون کو احمق اور تاریک دماغ خیال کرتے ہین اور دوسرون کو بھی تلبیس مین ڈالتے ہین کوئی صاحب کہتے ہین کہ جب معنے نہ سمجھے تو طوطے کیطرح پڑھنے سے کیا فائدہ کوئی صاحب کہتے ہین کہ جب دو سال انہین صرف ہوگئے یا حفظ کرنے مین دماغ صرف ہوگیا پھر علوم معاش کو وقت مین گنجائش

نہین ہوگی یا ہئین دماغ کام نہ دیگا کوئی صاحب کہتے ہین کہ بچون کو قرآن مجید پڑھانے مین اُسکی بیحرمتی ہوتی ہے لڑکے بے وضو ہاتھ لگاتے ہین سیپارہ پھاڑتے ہین کہین بے تعظیمی سے رکھدیتے ہین اس لئے ادب کا مقتضا یہی ہے کہ ان کو پڑھایا نہ جائے اور اس قسم کی باتین بلہ فریب تراشتے ہین یہ حضرات غور فرمائین کہ فضول اس کو کہتے ہین جسمین کوئی فائدہ نہو اور جو شخص خدا کو خدا اور رسول کو رسول اور دونون کے کلام کو صادق مانتا ہے وہ اسکا انکار نہین کرسکتا کہ فائدہ منحصر نہین ہے فائدہ دنیویہ مین پھر محض اسکے انتفاء سے مطلق کا انتفاء کیسے لازم آیا یہ مسئلہ عقلیہ ہے کہ خاص کا انتفاء مستلزم نہین ہوتا عام کے انتفاء کو پس جب مخبر صادق علیہ الصلوۃ والتسلیم کے کلام ہدایت فرجام سے ثابت ہے کہ خالی الفاظ پڑھنے سے بھی ایک ایک حرف پر دس دس نیکیان ملتی ہین اور ثابت ہے کہ خالی الفاظ کا پڑھنا بھی اعظم سبب ہے حق تعالی کی توجہ اور قرب کا ہان کوئی ان نیکیون کو اور حق تعالی کی توجہ اور قرب ہی کو مد فضول مین شمار کرے تو اس مقام پر اُس سے گفتگو نہین ہے مخاطب خاص وہی شخص ہے جو خدا اور رسول کی عظمت اور صدق کا قائل ہو اور جو اسی کا منکر ہو اسکو بجائے اسوقت مخاطب بنائے کے قیامت کے روز انشاء اللہ تعالی دکھلا کر کہا جائیگا ھذا الذی کنتم بہ تکذبون (مطففین)
اور یہ حضرات اب غور فرماوین کہ اب پڑھنے والے احمق ہوئے یا ان کے احمق کہنے والے اور اگر اب بھی سمجھہ مین نہ آیا ہو تو بس یہ کہکر بات کو ختم کیا جائے ان تسخروا منا فانا نسخر منکم کما تسخرون فسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم اور یہ حضرات غور فرمائین کہ جب الفاظ کا فائدہ علاوہ معانی کے فائدہ کے مستقل بھی ہے تو پھر اُسکو طوطے کی سی پڑھائی کہنا کیسے صحیح ہے ہم نے بہت انگریزی کے طالبعلم دیکھے ہین کہ وہ اقلیدس کی کسی شکل کا ثبوت نہین سمجھتے مگر پھر بھی اس امید پر عبارت یاد کرلیتے ہین کہ امتحان مین عبارت لکھدینگے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتے ہین اور پاس ہو جاتے ہین چونکہ سمجھنے کے علاوہ اسپر بھی یہ فائدہ خاص پاس ہوجانیکا مرتب ہوتا ہے ہم نے کسی کو اسپر بیکار ہونے کا حکم لگاتے نہین دیکھا پھر ان ساری قضایا کی مشق کے واسطے بس دین ہی رہ گیا ہے افسوس افسوس۔
اور یہ حضرات غور فرمائین کہ کیا کبھی جاہ و عزت کی طلب کے لئے کوئی بڑا سفر انگلستان وغیرہ کی طرف کرنے مین یا کسی دربار مین رسائی کی کوشش کرنے مین یا کسی حاکم اعلی کی خوشنودی و تقرب کی امید مین مالی خرچ یا بار گوارا نہین کیا جاتا تو کیا یہ افسوس کی بات نہین ہے کہ خدا کی رضا و قرب و عنایت کی اتنی بھی وقعت نہین ہے وما قدروا اللہ حق قدرہ اور یہ حضرات غور فرمائین کہ حفظ کرنے مین اگر اعتدال کے ساتھ مشقت ہو تو

اور اتفاقاً ناغہ ہوجانا دوسری بات ہی اس سے زیادہ وقت تو فضولیات و خرافات مین صرف ہوجاتا ہے
جس مین نہ نفع دین نہ نفع دنیا کیا توبہ توبہ قرآن مجید کی ان فضولیات کی برابر بھی وقعت نہین ہے کہ فضولیات
کے لیئے تو فرصت ہوجایا کرے اور قرآن مجید کے لیئے نہین ہوتی۔ تیسری کوتاہی یہ کہ بعض دوا گاہی پڑھتے ہین
مگر اُسکی تصحیح کیطرف اصلا توجہ نہین فرماتے نہ مخارج کی خبر نہ صفات کا اہتمام نہ نقص و زیادت سے تحاشی کوئی
صاحب ضَ کو صاف مخرج ظ سے ادا کرتے ہین کوئی صاحب مخرج دَ سے ثَ۔ سَ صَ مین ان کے نزدیک
کوئی فرق ہی نہین الف کے موقع پر نرا فتح پڑھنا اور فتح کی جگہہ الف ملا دینا بعض کی عادت ہوگئی ہے۔
نہ بے موقع وقف کر دینے سے اجتناب کیا جاتا ہے حالانکہ اس سے بعض مواقع پر معنی مین فساد ہوجاتا ہے اگر سانس
ٹوٹنے سے اُسکی طرف مضطر ہو تو ایسا کرے کہ جس لفظ پر وقف کیا ہی اُس کا پھر آگے پڑھنے مین اعادہ کرلے البتہ وصل
سے ایسا فساد لازم نہین آتا اور نہایت افسوس سے کہا جاتا ہی کہ اس کوتاہی مین اہل علم کا نمبر غیر اہل علم سے کچھ
بڑھا ہوا ہی حتی کہ ایک صاحب سورہ ناس مین "من الجنۃ والناس" کو اسطرح پڑھتے ہین "من الجنات والنس"
پھر بعضے ان مین مساجد کے امام ہوتے ہین اسوقت اس غلطی کا اثر دوسرون تک بھی دو طور سے پہونچتا ہی ایک
یہ کہ اگر کوئی مقتدی صحیح خوان ہوا تو انکی نماز ان امام صاحب کے پیچھے نہین ہوتی اور چونکہ غلط خوان کا حکم صحیح خوان
کی نسبت ایسا ہے امی کا سا ہی بہ نسبت قاری کے اسلیئے اس خاص صورت مین یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نہ امام کی نماز
ہوتی ہے نہ دوسرے مقتدیون کی پس کتنی بڑی تباہی کی بات ہی دوسری اسطور سے کہ یہ امام صاحب اگر زمرۂ اہل
علم سے ہوئے تو علماء کی عوام کی نظر مین سخت بے وقعتی ہوتی ہے جس کا اثر ایک گونہ علماء کے اتباع و اقتداء
تک بھی سرایت کر سکتا ہے ہرچند کہ تجوید کے وجوب کے متعلق کلام طویل و مقتضی تفصیل ہے مگر اتنی قدر مین
کسی کو کلام نہین کہ جس قسم کی غلطیون کا ذکر اوپر ہوا ہے اُنکی تصحیح واجب علی العین ہی جبکہ عدم قدرت
و عدم مساعدت لسان متیقن نہ ہو جائے جسکی موٹی دلیل یہ ہے کہ بدون اسقدر تصحیح کے قرآن کی عربیت باقی
نہین رہتی اور عربیت بدلالت خصوص لوازم قرآن سے ہی پس اسکے نہ رہنے سے قرآن نہ رہیگا پس
اسکی ضرورت مین کیسے اشتباہ ہوسکتا ہی اور اسمین قرآن کی یا عربی کی کیا تخصیص ہے ہر زبان کی صحت اُسکے
خاص طرز ادا پر موقوف ہے مثلاً لفظ بنگھا اور رنگ مین اخفا ہے اگر نون مین اظہار کیا جاوے یقیناً لفظ غلط
ہوجاویگا اور لفظ کھنیا اور دنیہ مین اقلاب ہے اگر یہ نہو تو یقیناً لفظ غلط ہوجاویگا مگر یا سنا ہی کہ قلوب مین
ادراک نہین رہا نعماء آخرت کی رغبت نعماء دنیا کی برابر نہین ہی انا للہ۔ کل حروف اٹھائیس ہین ان مین

اس مین دماغ کا زیادہ کام نہین زیادہ کام ذہانت کا ہے جیسا کہ مجھ سے ایک ڈاکٹر نے بھی بیان کیا البتہ کسی قدر اشتراک قوۃ حافظہ کا ہے جو کہ قوی دماغیہ سے ہے سو حکما نے اسکی تصریح کی ہے کہ جس قوۃ سے اعتدال کے ساتھ کام لیا جاوے وہ اُسکی ریاضت ہے اور اس ریاضت سے اس قوت مین ترقی ہوتی ہے سو اس بنا پر تو حفظ قرآن سے قوۃ حافظہ بڑہے گی جو آگے علوم معاشیہ مین کام دیگی اور اس حافظہ کے بڑہ جانے سے دوسرے علوم مین دوسرا شخص جو کام چھ ماہ مین کرسکتا ہے یہ شخص اتنا کام چار ماہ مین کرسکیگا سو حفظ قرآن مین اتنی مدت بھی صرف ہوگی جتنی کفایت آگے نکل آئیگی البتہ جسکو حفظ سے مناسبت ہی نہو اس کا ذکر نہین ہے ایسے شخص کے لئے حفظ کرانے کا ہم بھی مشورہ نہین دیتے اور یہ عذر تو سب ہی سے زیادہ عجیب ہے کہ قرآن کی بیحرمتی ہوتی ہے۔ کیا یہ حضرات خدا کو عالم الضمیر، حاضر و ناظر اعتقاد اور خیال کرکے اسپر قسم کھا سکتے ہین کہ بچون کو قرآن نہ پڑھانے کی رائے اس نیت پر مبنی ہے کہ قرآن کی بیحرمتی نہو کیا خدا سے بھی اپنے اس مخفی حیلے کو چھپا سکتے ہین اگر یہی نیت تھی تو اچھا ہوش و عقل آنیکے بعد کتنے صاحبون نے تحصیل قرآن کیطرف توجہ کی بہرحال اس گروہ کی حالت پچھلے گروہ سے زیادہ خطرناک ہے اور پڑھنے کا اہتمام نکرنا دونون مین مشترک ہے پس ایک کوتاہی تو یہ کیجاتی ہے دوسری کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بہت لوگ پڑھتے پڑھاتے ہین مگر پڑھکر پھر اُس کا نام تک نہین لیتے بلکہ اُن مین جو حافظ ہین وہ فخر کرتے ہین کہ ہم نے سال بھر تک کھول کر بھی نہین دیکھا باوجود اسکے ہم نے رمضان مین سُنا دیا اس ناواقفی کی بھی کوئی حد ہے کہ جو بات عیب کی تھی اسکو ہنر سمجھکر اُسپر فخر کیا جاتا ہے۔ ان صاحبون کو سمجھنا چاہیے کہ مقصود پڑھنے سے تو یہ تھا کہ ہمیشہ اُسکی تلاوت سے برکات حاصل کیجائین جب یہ نہوا تو پڑھا نہ پڑھا برابر ہوگیا پھر تجربہ سے معلوم ہوا ہے اور ایک حدیث مین بھی یہی مضمون آیا ہے کہ قرآن مجید نہ پڑھنے سے اُس سے ایسی بے مناسبتی ہوجاتی ہے کہ پھر دیکھکر بھی نہین چلتا یہ تو ناظرہ خوان کے بھولنے کی حد ہے اور حافظ کے بھولنے کی حد یہ ہے کہ حفظ نہ پڑہ سکے صحیح بھی ہے اور نسیان قرآن پر حدیثون مین وعید شدید آئی ہے پھر یہ کہ اتنے دنون کی کی کرائی محنت جو کہ پڑھنے مین برداشت کی تھی اُسکے ضائع کردینے کے لیئے کیسے دل گوارا کرتا ہے دوام تلاوت مین بعض لوگ کم فرصتی کا عذر کرتے ہین لیکن سچ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان ارادہ کرلیتا ہے کسی نہ کسی صورت سے اُسکو کر ہی لیتا ہے خاصکر جبکہ کام بھی آسان ہو کیا یہ بھی کوئی مشکل کام ہے کہ ۲۴ گھنٹہ مین سے آدھا گھنٹہ کہ مجموعہ روز و شب کے ساتھ $\frac{1}{48}$ کی نسبت رکھتا ہے نکالکر اسمین اگر ناظرہ خوان ہے تو ایک پارہ اور اگر حافظ ہے تو ایک یا ڈیڑھ پارہ بے تکلف پڑہ لیا کرے

بعض بعض تو قریب قریب صحیح نکلتے ہین انکو مستثنے کرکے جنمین اہتمام کی حاجت ہی تقریبًا ایک ربع یعنی سات ہین جیسے ث۔ ح۔ ذ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ اور جو بالکل دیہاتی ہین اُنکے لیئے اتنے ہی اور ہین جیسے خ۔ ز۔ ش۔ ع غ۔ ف۔ ق۔ اگر کسی ماہر کو تلاش کرکے ایک گھنٹہ روزانہ مشق کے لیئے نکالا جائے تو روزانہ ایک حرف کی ضروری مشق ہوسکتی ہی جسمین ایک ہفتہ اور دیہاتی کے لیئے دو ہفتہ کافی ہین اور اگر احتیاطًا اس سے دونی مدت لیجائے تو آدھا مہینہ اور ایک مہینہ غایت سے غایت صرف ہوتا ہی تو کیا دین کی اتنی بڑی ضرورت کے لیئے اپنی اتنی بڑی عمر مین سے اتنا حصہ بھی نہین دے سکتے ہو کتنا بڑا غضب اور ستم ہی اسی طرح فتح اور الف کی مقدار کا فرق اگر ایکپارہ مین اُسکی درستی ہوجائے تو تمام قرآن یکسان ہی تمام کے لیئے کافی ہے اگر ایک رکوع روزانہ درست کرلیا جائے تو یہ کام بھی پندرہ بیس روز سے زیادہ کا نہین ہی پھر بقیہ قرآن بھی تھوڑا تھوڑا کرکے کسی ماہر کو سُنا دینا جو متفرق اوقات مین نہایت سہل ہے زیادہ اطمینان اور احتیاط کی بات ہے۔

بعض لوگون کو ماہر قراۃ میسر نہ آنیکا بہانہ ہوتا ہی لیکن اوّل تو اتنی تھوڑی مہارت رکھنے والے اکثر جگہہ ایک دو پائے جاتے ہین اور اگر بالفرض کوئی میسر نہین تو چند آدمی ملکر کسی ماہر کو بُلاکر رکھ سکتے ہین ہم نے دیکھا ہی کہ جہان کوئی طبیب نہین رہا بستی والون نے چندہ کرکے تنخواہ دار طبیب کو رکھا ہے پس فرق وہی ضرورت اور عدم ضرورت کے اعتقاد یا استحضار اعتقاد کا ہی یا بستی مین سے دو چار ہونہار شخصون کو سفر مین بھیجکر ماہر بنوا سکتے ہین حق تعالی کے عموم کلام مین یہ صورت بھی داخل ہے فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین بلکہ اگر باہر سے کسی ماہر کو بلاکر رکھا جائے یا بستی مین سے کسی کو باہر بھیجکر ماہر بنوایا جائے تو اسمین ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے کہ بچے جسوقت قرآن پڑھین پڑھنے کے ساتھ ہی اس تصحیح کا اہتمام رہی یعنی اسمین گو نہ تکلیف ہے کہ غلط یاد کرکے پھر تصحیح کیجائے اگر ابتدا ہی سے صحیح پڑھایا جائے پھر بالخصوص زمانہ صبا مین تو یہ صحت اُنکے لیئے مثل امر طبعی کے ہوجائے اور مشقت کا ایک بڑا حصہ مختصر ہوجائے اور اس کا بھی التزام رکھین کہ جب کسی کو مسجد مین امام مقرر کرین کسی ماہر کو اُسکی متعدد و مختلف سورتین سُنوا دی جاوین اگر وہ صحت کی تصدیق نکرے تو کسی ماہر کو تلاش کرین اگر ارزان نہ ملے گران لاوین کیسی ظلم کی بات ہے کہ ہر دنیوی کام کے لیئے ذی ہنر اور ذی لیاقت آدمی ڈھونڈھا جاتا ہے حتی کہ لوہار۔ معمار۔ نجار بلکہ گانے بجانے والا تک بھی اور خدا کی روبرو جو سب کیطرف سے وکیل بنکر کھڑا ہوتا ہے وہ چھانٹ کر ایسا رکھا جاتا ہے جسمین نہ کمال نہ جمال تمام محلہ مین جو ناکارہ اندھا چندھا فاتر الحواس۔ گنوار۔ بدتمیز۔ جاہل ہو غرض جو کسی مصرف کا نہ رہی اُسکو امامت کے لیئے انتخاب کیا جاتا ہی انا للہ اور اہل مدارس ان کا التزام رکھین کہ

جو طالبعلم اُن کے مدرسہ مین داخل ہونا چاہین امتحان داخلہ کا ایک جز اور اجزاء سے زیادہ نہین تو برابر درجہ مین سہی۔
صحت قرآن کو بھی قرار دین اور بدون تجربہ صحت یا بعض حالات مین کم از کم وعدہ تصحیح تو ضرور لے لیا جاوے بدون اسکے
داخل نہ کرین اور وعدہ کی صورت مین جتنے سبقون کا وہ مستحق ہے اُن مین سے ایک سبق کی جگہہ اس تصحیح کو رکھین اور اس
مرحلہ کو طے کرنے کے بعد پورے سبقونکی اجازت دین اور نیز جن مدارس مین گنجایش ہو اُن کو ایک مدرس تجوید کا مدرسہ
مین بڑھانا ضرور ہے اس طریق سے یہ فن عام ہو سکتا ہے اسیطرح مشایخ کو چاہیئے کہ اپنے مریدون کو خصوص خلفاء
کو صحت قرآن پر مجبور کرین کیا ظاہر یا باطن کا مقتدا بنایا جائے اور بچون سے بھی کم ہو کیا یہ معیوب نہین ۔ چوتھی کوتاہی یہ ہے
کہ بعضے تصحیح و تجوید کو بھی ضروری سمجھتے ہین مگر کاوش اور بحث ہی تک پہونچکر رہ جاتے ہین جیسا اس وقت لوگ
ض ۔ ظ مین الجھنے والے دیکھے جاتے ہین مگر انشاء اللہ تعالی ادا کے نام خاک بھی نہین بعضے عمل تک پہونچنے کا ارادہ
کرتے ہین مگر اسکی حقیقت سمجھنے مین غلطی کرتے ہین یعنی صرف لہجہ کا نام قرارت سمجھکر اسی کا اہتمام کرتے ہین اور یا تو
خود کوئی طبعی لہجہ اختراع کرتے ہین اور یا کسی مشاق کی نقل اُتار لیتے ہین اور اُتار چڑھاؤ اور صحت وزن مین اسقدر
غلو کرتے ہین کہ بعضے ضروریات یا مستحسنات قراءۃ بھی فوت ہو جاتے ہین یعنی حروف گھٹا بڑھا دیتے ہین یا غُنہ
یا مد حذف کر دیتے ہین تاکہ وزن ٹھیک رہے سو اسکی نسبت سرکار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اقرؤا القرآن
بلحون العرب واصواتها وایاکم ولحون اہل العشق واہل الکتابین یعنی ایسے لحن سے منع فرمایا ہے اور اسکو لحون عرب
سمجھنا خطاء عظیم ہے جیسا شراح حدیث نے تصریح کی ہے بلکہ یہ لحن اہل عشق واہل کتاب مین داخل ہے جس کو
منع فرمایا ہے اور اگر یہ لحن عرب ہوگا تو لحن اہل عشق کون ہوگا پس خود حدیث کے الفاظ تو اس زعم کا تخطیہ کر رہے
ہین اور لہجہ کا اہتمام تجوید مین تفریط ہے اور بعضے حقیقت صحیح سمجھتے ہین مگر خوش لہجگی کے ایسے مخالف ہین کہ اسکا
اہتمام بلیغ کرتے ہین کہ تحسین فوت نہونے پائے اور کسی کو ذرا تحسین صوت کرتا دیکھتے ہین تو اُسپر گانے کا طعن کرتے ہین
اور یہ تجوید مین افراط ہے مثل تفریط مذکور کے یہ بھی نصوص کے خلاف ہے زینوا القرآن باصواتکم ونحوہ حدیث قولی
اور ابو موسی اشعری کے اس عرض پر کہ لو علمت انک تستمع لقرائتی لحبرتہ تحبیرا ونحوہ آپکا انکار نہ فرمانا حدیث تقریری
اس تحسین صوت بالقصد کی مشروعیت و مطلوبیت مین نص صریح ہین اور یہی ہے وہ تغنی جس کا امر چند حدیثون مین
مروی ہے اور اس مین اور گانے مین فرق ظاہر ہے یعنی گانے مین تو لہجہ مقصود اور دوسرے قواعد تابع ہین اگر لہجہ کے
بنانے مین قواعد رہجاوین تو پروا نہین کیجاتی اور اس تحسین صوت مین قواعد مقصود اور حسن صوت تابع ہے یعنی
اگر قواعد کو محفوظ رکھکر خوش آوازی ہو سکے تو اُسکی رعایت کیجاتی ہے ورنہ اُسکی پروا نہین کیجاتی اور اگر بلا قصد

بلاقصد کسی شخص کی قراۃ کا کوئی جزو کسی قاعدۂ موسیقی پر بھی طبیعت کے تناسب یا موزونیت کی وجہ سے منطبق ہوجاوے
تب بھی وہ گانے مین داخل نہین جیساکہ خود قرآن مجید مین شعریت کی جابجا نفی کیگئی ہے مگر بعض عبارات یقیناً
اوزان شعریہ پر منطبق ہین جیسے ثم اقررتم وانتم تشہدون ثم انتم ھؤلاء تقتلون فاعلاتن فاعلاتن
فاعلات پر منطبق ہے مگر باوجود انطباق ہرگز اسکے پڑھنے والے کو شعر کا پڑھنے والا نہ کہا جاویگا البتہ اگر بقصد تطبیق
پڑھے گا شعر پڑھنے والا اور قرآن مین ایسا کرنے سے ناجائز فعل کا ارتکاب کرنیوالا کہا جاویگا بس یہی حالت لہجہ کی
بالقصد تطبیق کے ہے غرض اس چوتھی کوتاہی کی دوجانبین ہین تفریط۔ افراط دونون سے بچنا یہ وہ ہے جسکو لحون

العرب واصواتہا فرمایا گیا ہے۔ پانچوین کوتاہی یہ کہ بعضے تجوید پر قدرت حاصل کرلیتے ہین اور مجالس مین
جب پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے اسپر عمل بھی کرتے ہین مگر جب خلوت مین تلاوت یا حالت انفراد مین نماز ادا کرتے
ہین اُس وقت اُسکی طرف التفات بھی نہین کرتے جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تصحیح سے غرض رضا خلق تھی نہ کہ
ارضاء خالق کیا کسی فعل کے کسی ثمرہ کے ترتب کیلئے قوت واستعداد کا مرتبہ کافی ہے یا صدور و فعلیت کی ضرورت
ہی کیا تجوید پر صرف قدرت ہونے سے تجوید کے ثمرات مثل ادائے واجب تضاعف اجر و رضائے حق و ادائے حق حاصل
ہوسکتے ہین یا اُسکے عمل و اجراء کی بھی ضرورت ہے کیا کسی خارشتی کو محض نسخہ کے یاد کرلینے سے اچھا ہوتا ہوا بھی دیکھا
ہے یا اُسکے استعمال کی بھی ضرورت ہوتی ہے بالخصوص سری نمازون مین تو غنہ اور مد و اظہار و اخفاء کا تو کیا ذکر
ہے غالباً بلکہ یقیناً مخارج و صفات حروف پر بھی نظر نہین ہوتی جو کہ لوازم حروف سے ہین اور وہ نہین تو حروف
نہین اور جب حروف نہین جو کہ بسائط ہین تو قرآن کی عبارت بھی نہین جو کہ مرکب تھی اور جب عبارت نہین تو قرأت
نہین تو نماز کہان فلیتدبروا ولیتذکروا اور یون ابتلاء عام کو پیش نظر رکھکر اُسپر فتوی نہ دینا یہ دوسری بات ہے
مگر کیا ترک واجب کے گناہ سے بچنے کے لیے بھی عموم بلوی کافی ہوسکتا ہے ومن لنا بذلک اور اگر مستحسنات سے قطع نظر کیجاے
مگر ضروریات کی حفاظت سے تو چارہ نہین چھٹی کوتاہی یہ ہے کہ قرآن کے معنی جاننے کی رغبت جسقدر کہ کم پائی
جاتی ہے قریب قریب نہونے کے ہے سخت افسوس کی بات ہے کہ جو اصل مدار ہے اسلام کا جو منبع ہے تمام دینی علوم
کا جو اساس ہے دارین کے فلاح کا جو خاص علاقہ ہے معاملہ و خطاب کا اللہ تعالی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور
کی ہمت کو نہ خبر نہ خبر کا شوق ہماری اس جمود و خمود کی کوئی انتہا بھی ہے اور شاید بعض طالبعلم ناز کرتے ہون کہ
ہم کو تو شوق تھا جب ہم نے تفسیر پڑھی سو کہنا تو اور بات ہے اور انصاف سے کہنا اور بات ہے اگر انصاف سے غور کرین
تو اس کا نام رغبت رکھنے سے خود اُن کو ضرور شرم آویگی غور کرکے بتلادین کہ اگر تفسیر درس مین داخل نہوتی کیا اُس وقت

بھی پڑھتے چنانچہ جو کتاب تفسیر کی درس مین داخل ہی اُس سے زیادہ بھی کوئی پڑھتا ہی بلکہ اسمین سے بھی مختصر کر دینے بنظر
ہمتی ہے اگر اخیر سال مین پانچ پارہ جلالین کے رہ جاوین کیا آیندہ سال یا پھر کسی موقع پر اُسکو پڑھتے ہین یا مار مار کر
جلالین ہی ختم کر لی تو گویا تمام ضروری مضامین پر اس سے عبور ہو گیا کیا مدارک یا ابوالسعود یا پوری بیضاوی مین
کوئی مضمون جلالین سے زائد نہین ہی پھر اُسکو کوئی پڑھتا ہی مین سچ کہتا ہون کہ اگر جلالین بھی درس مین نہوتی تو
اُسکو بھی کوئی نہ پڑھتا اور جلالین بھی پڑھی تو کیا پڑھی اُسکو ختم کرکے اتنی استعداد بھی تو نہوئی کہ اگر بدون جلالین کے
خالی غیر مترجم قرآن اُنکے ہاتھ مین دیدیا جاوے کہ ایک رکوع کا ترجمہ اور ضروری حل کر دو تو اسی کو حل کر سکین ہرگز نہ کر سکینگے
ہان جلالین منگا کر دیدو تو کچھ دال دلیا کر لینگے اس سے ثابت ہوا کہ قرآن کے معنے مقصود حاصل کرنے نہ تھے بلکہ جلالین
مقصود تھی پھر کیا اسکو شوق و رغبت قرآن کہا جا سکتا ہی میری رای مین خاص اس جزو کا کہ بدون جلالین کے مطلب قرآن
نہ بیان کر سکینگے تدارک یہ ہی کہ اہل مدارس اپنی طرز تعلیم مین کچھ ترمیم کرین جیسے بعضی متون بدون شرح کے پڑھائی
جاتی ہین اسی طرح جلالین سے پہلے قرآن مجید بھی بدون کسی خاص تفسیر کے زبانی حل کے ساتھ پڑھایا جایا کرے یا تو پورا
قرآن پہلے پڑھا دیا جاوے یا ایسا کرین کہ مثلاً ربع پارہ اوّل خالی قرآن مین پڑھا دیا پھر اُسی قدر جلالین پڑھا دی اور بعد درس
اپنی سہولت کے لئے خواہ جلالین پاس رکھین یا اور کوئی مبسوط تفسیر تو طلبا کو اسطرح پڑھنے مین اسی طرح یاد کرنے کی
اور مطالعہ کر کے حل کرنے کی عادت پڑ جاویگی پس اس جزو کا بہت آسانی سے تدارک ہو جاویگا چونکہ جلالین مین جمیع
فنون تفسیر مذکور نہین اس لئے کم از کم اتقان کو ضرور داخل درس کیا جاوے یہ بیان تھا بد رغبتی کی کوتاہی کا ساتوین کوتاہی
اُنکی ہی جنکو معانی قرآن کی کسی درجہ مین رغبت ہے مگر کوتاہی یہ ہی کہ وہ بدون اسکے کہ کسی اُستاد سے یہ فن حاصل کیا ہو
یا دوسرے علوم عالیہ و درسیہ پڑھے ہون اردو کا کوئی ترجمہ یا تفسیر خریدکر (گو مصنف کا معتبر ہونا بھی محقق نہو یا اسمین
احتیاط ہی کر لی ہو) بطور خود اُس کا مطالعہ شروع کر دیتے ہین پھر ان مین بھی دو قسم کی جماعت ہین ایک معتقد علماء کے
دوسرے کچھ انگریزی پڑھکر یا انگریزی خوانون کے پاس رہکر خود اجتہاد کا دعویٰ کرنے والے مشترک خرابی تو یہ ہی کہ اس حالت
مین فہم معانی مین بکثرت غلطیان رہ جاتی ہین چنانچہ اسپر واقعات کثیرہ شاہد ہین اور راز اسمین یہ ہے کہ اول تو
ایک زبان جب دوسری زبان مین ترجمہ ہو کر آتی ہے ضرور بعضے مفہومات اصلی رنگ پر نہین رہتے دوسرے بہت سے
مقامات مین خود اجمال ہی جو بدون تفصیل کے وجوہ متعدد کو محتمل ہوتا ہے بعض وجوہ کی تعیین بلا دلیل کر لیجاتی ہی
جسطرح قانون کی کوئی کتاب اردو کے بڑے فاضل کو دی جاوے اور وہ اس کو بیان کرے مگر قانون دان اسکو سُنکر بہت جگہ
غلط بتلا دیگا تیسرے یقیناً فہم قرآن مین بعض دوسرے فنون نقلیہ و عقلیہ کی حاجت ہی جو شخص اُنسے بیخبر ہے وہ قطعاً غلطی

بین پڑیگا اور دوسری جماعت مین بالخصوص یہ خرابی زیادہ ہو کہ اُنکی غلطی پر بھی اگر کوئی مطلع کرے تو وہ اپنے کو اُس بتلانے والے سے افضل اور اعقل سمجھکر اُسکی نہین سُنتے اور عقیدہ مین یا عمل مین اُس غلطی پر جم جاتے ہین بلکہ بعض اوقات بنا رفاسد علی الفاسد کے طریق پر دوسرا اور فاسد کو اسپر متفرع کر لیتے ہین ان دونون یعنی چھٹی اور ساتوین کوتاہی کے مجموعہ کی اصلاح یہ ہو کہ اگر کسی قدر علم یا صحبتِ علمار کی برکت سے فہم مع حرف شناسی حاصل ہو تب تو کسی محقق عالم سے کوئی ترجمہ یا مختصر یا متوسط تفسیر دریافت کر کے اُن ہی عالم سے سبقاً سبقاً تمام قرآن کا ترجمہ بالتفسیر خوب سمجھکر ختم کرلین اور بعض مقامات جو باوجود سمجھانے کے سمجھ مین نہ آوین یا کچھ شبہ ہو اُسکے درپے نہون بس زبانی مقصد شرح اُس عالم سے دریافت کر کے اُسپر اعتقاد رکھکر تفتیش چھوڑ دین اور ایسے مقامات پر نشان بنا دین پھر جب تلاوت کیا کرین تو تھوڑا سا مطالعہ اُس ترجمہ یا تفسیر کا بھی کیا کرین انشاء اللہ اسی طرح معانی قرآن سے مناسبت بڑھجاویگی کہ یاد اور فہم دونون مین سہولت اور ترقی ہوگی اور اسمین سہولت اور ترقی ہونے سے طبعاً رغبت بڑھیگی پھر دوام آسان ہو جائیگا اور تدبر و عمل مین بھی جن کا ذکر آگے آتا ہے اس سے اعانت ہوگی اور اگر اسقدر استعداد نہین ہو تو پھر اُسکے معانی پر مطلع ہونیکا سہل طریقہ یہ ہو کہ چند اشخاص ملکر اگر کوئی عالم ملیا تنخواہ میسر ہو جاوین تو فبہا ورنہ تنخواہ پر رکھکر اُن سے استدعا کرین کہ روزانہ یا چوتھے پانچوین روز معین وقت پر ایک ایک یا نصف نصف رکوع کا خلاصہ مطلب عام فہم زبان مین بطور وعظ فرمادیا کرین اسی طرح قرآن کو ختم کر دین اگر ہمت ہو تو پھر دورہ شروع کر دین اور جو شبہ پیدا ہو اُسکو زبانی پوچھین جو سمجھ مین نہ آوے اُسکو چھوڑ دین اور حکم شرعی پوچھکر اُسپر کاربند رہین آٹھوین کوتاہی جو الفاظ و معانی دونون کے متعلق ہو وہ یہ ہے کہ بعضے لوگ الفاظ یا معانی کو کسب دنیا کا ذریعہ بناتے ہین مثلاً بعضے تراویح مین اُجرت پر سُناتے ہین بعضے مُردون پر پڑھکر اُجرت لیتے ہین یہ طلب مال تھا بعضے تعریف کرانیکی غرض سے مجالس مین یا محاریب مین امام بنکر پڑھتے ہین یہ طلب جاہ ہو اور یہ سب الفاظ کے ذریعہ سے ہے بعضے وعظ کہکر نذرانہ لیتے ہین بلکہ پہلے ہی سے طے کر لیتے ہین بعضے شہرت کیلئے وعظ کہتے ہین یہ معانی کے ذریعہ سے مال یا جاہ کی تحصیل ہو مسئلہ منصوصہ و اجماعیہ ہے کہ طاعت پر اجرت لینا اور اسی طرح اُس کا ریا کرنا معصیت ہے البتہ الفاظ مین تعلیم پر اُجرت لینا بقول مفتی بہ اور رقیہ پر اجرت لینا بناءً علی انہ من اعمال الدنیویہ اور اسیطرح معانی مین اگر وعظ کا نوکر ہی ہو اُسوقت تنخواہ لینا یہ مستثنی ہو اور بعض کتب فقہیہ مین جو مذکر کو کچھ مال لینے کی اجازت لکھی ہو اُس کا محمل یہی ہو ورنہ مجتہدین کے کلیہ سے غیر مجتہدین کا کسی جزئیہ کو استثنار کرنا غیر معتبر ہو اسکی اصلاح میری رائے مین دو ہین ایک یہ کہ ایسے لوگونکو کوئی دنیا کا کام بھی سکھلایا جاوے تا کہ وہ مضطر ہو کر دین کو حرفہ نہ بنا دین اور اسکے لیے سہل صورت یہ ہو کہ امرا چندہ کر کے جابجا صنعت و حرفت کی مدرسے کھلوا دین اور بچپن ہی سے

سب کو کوئی نہ کوئی دستکاری ضرور سکھلائی جاوے دوسری یہ کہ جو کسی وجہ سے نہ سیکھیں یا سیکھنے سے معذور ہوں اور اسلیئے وہ خدمت دین ہی کے لیئے فارغ ہوں تو بلا تعیین لوگوں کو انکی خدمت کرنی چاہیئے کہ انکی ضروری حاجات تو پوری ہوتی رہیں تاکہ انکی نیت بگڑنے نہ پاوے یہ کوتاہی الفاظ و معانی کے متعلق تو وہ تھی جس میں الفاظ و معانی کو بحال خود باقی رکھکر اُس سے دنیوی غرض حاصل کی گئی اس سے اقبح اور اشنع وہ ہے کہ ایسی اغراض ہی کے لیئے الفاظ یا معانی میں تحریف کا ارتکاب کیا جاوے جیسے بعض جاہل حفاظ کو دیکھا جاتا ہے کہ امتحان کے طور پر پوچھا کرتے ہیں کہ بتلاؤ الحمد میں شیطان کا نام کس جگہہ آیا ہے پھر خود افادہ فرماتے ہیں کہ سات جگہہ دَلّ ۔ ہرب ۔ کنع ۔ کنس اسی طرح سات گنوا دیتے ہیں بھلے مانسوں نے دَلّ کو ترکیب دی ہے الحمد کے اخیر اور للہ کے اول سے اور ہرب کو للہ کے اخیر اور رب العالمین کے اول سے اور کنع کو ایاک کے اخیر اور نعبد کے اول اور کنس کو ایاک کے اخیر اور نستعین کے اول سے اسکے لغو ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے یہ امر قیاسی تو ہے ہی نہیں نقل کی ضرورت ہے پس اسکے تصحیح نقل کا مطالبہ کافی ہے اور بچپن میں ایک حافظ صاحب سے سنا تھا کہ بتلاؤ لکڑ بل کہاں آیا ہے پھر فرمایا من قبلک و بالآخرة الخ اور ایک صاحب نے فرمایا تھا کہ قرآن میں ایک جگہہ ہے ادھر اللہ ادھر اللہ بیچ میں اونٹنی کا بچہ یعنی اس آیت میں فقال لہم رسول اللہ ناقة اللہ اور بہت سی ایسی خرافات گڑھ رکھی ہیں یہ تصرف فی الالفاظ ہے بعضے معانی میں تصرف فاسد کرتے ہیں بعضے محض شہرت یا تجارت کے لیئے قرآن مجید کا ترجمہ یا تفسیر محض اپنی رائے سے یا اہل زمانہ کے مذاق کے اتباع سے لکھ لکھکر شائع کرتے ہیں اور ناس فہم میں اسکا فساد عظیم برپا ہے ائمہ فن نے تصریح کردی ہے کہ جبتک فنون عربیہ و علوم شرعیہ میں کہ تعداد انکی چودہ پندرہ تک پہنچی ہے طاقت و مہارت نہ ہو تو تفسیر میں کلام کرنا حرام ہے کیا اہل تحقیق کے تراجم و تفاسیر کافی نہیں ہیں جو ان آراء کاسدہ و اہواء فاسدہ کی حاجت ہو ولیّ ع فی طلعة الشمس ما یغنیک عن زحل ۔ اور ساتوین کوتاہی کے اخیر پر جو مضمون عرض کیا ہے اسکو پھر یاد دلاتا ہوں کہ ایسے تراجم و تفاسیر کی خرابیوں میں مبتلا نہ ہو جاوین نویں کوتاہی یہ ہے کہ اُسکی تلاوت کے وقت اُسکے آداب کا لحاظ نہیں کیا جاتا نہایت بیدلی سے بے رغبتی سے بے عظمتی سے جیسا پڑھنا ہو جھٹ پٹ بوجھ سا اُتار کر تمام کر کے اُٹھکر چلتے ہوئے بالخصوص رمضان میں تو بعضے حفاظ ایسا پڑھتے ہیں کہ قرآن کے حقوق بھی فوت ہو جاتے ہیں اور مقتدیوں کے حقوق بھی بعض نے تلاوت میں ایک اور طریق اختراع کیا ہے کہ ایک قاری نے ایک آیت پڑھی دوسرے نے دوسری بلکہ کبھی ایک نے آیت کا ایک ٹکڑا پڑھا اور دوسرے نے پورا کیا بعض دفع سب ملکر گلا ملا کر پڑھتے ہیں اور اگر ایک کی سانس لینے

سے دوسرا آگے بڑھگیا تو پھر وہ درمیان کی اجزار کو چھوڑ کر آگے سے شریک ہو جاتا ہی بہ سبب ظاہر ہے کہ ادب قرآن کا
ضائع کرنا ہے اور اسمین تغنی مذموم و قطع کلمات و اختلال نظم یہ مفاسد علیحدہ رہے تلاوت کے آداب ہین مگر طریق
ذیل انشاء اللہ سبکا جامع ہی جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرے وضو کرکے روبقبلہ اگر سہل ہو ورنہ جیسا موقع ہو خشوع
کے ساتھ بیٹھے اور یہ تصور کرے کہ حق تعالی مجھکو فرمایش کرتے ہین کہ ہم کو پڑھکر سناؤ اور یہ تصور کرے کہ اگر کوئی مخلوق
مجھ سے ایسی فرمایش کرتا تو مین کیسا پڑھتا تو خدا تعالی کی فرمایش کی تو زیادہ رعایت چاہیے اور اسکے بعد تلاوت
شروع کرے اور جب یہ تصور ضعیف ہو جاے تلاوت بند کرکے اُسی مراقبہ کو پھر تازہ کرے البتہ اگر تکثیر تلاوت مقصود ہو
اور اتنی مہلت نہو کہ مقید ہو کر بیٹھ سکے تو ان آداب مین تخفیف ہوسکتی ہی مگر تجوید بالقدر واجب مین تخفیف ممکن نہین
دسوین کوتاہی یہ ہی کہ بعضے سب طرح کی لیپ پوت کر لیتے ہین مگر جو نزول سے مقصود اعظم ہے اور قرآن کا سب سے
بڑا حق ہی یعنی عمل اُس کا کچھ بھی اہتمام نہین کرتے چونکہ اسکے اعتقاد کی ضرورت مین کسی کو کلام نہین اس لئے ہم اسمین
تطویل نہین کرتے البتہ یہ امر قابل تنبیہ ہے کہ عمل کا طریقہ وہی معتبر ہی جو سلف نے بتلایا اور عمل کرنے مین ان
سب علوم کو دخل ہی جن کا صحیح و حجت ہونا خود قرآن نے بتلایا یعنی حدیث و فقہ و کلام و فرائض و تصوف جو سلف کے خلاف نہو
افسوس بعضے لوگ اس وقت قرآن کا اتنا ہی حق سمجھتے ہین کہ اُسکی قسم کھالی بیمار کو اُسکی ہوا دیدی اُس سے فال نکال لی
بچہ کا نام نکال لیا چوری کے شبہ مین لوٹے پر آیتین پڑھکر اُس کو گھما دیا کوئی مرگیا دو چار ختم پڑھوا دیے یا کہین
کہین دستور ہی کہ ایک قرآن کے عوض میت کے سارے گناہ فروخت کر ڈالے یا تعویذ بنا کر بازو پر باندھ لیا افسوس
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئیس ۲۳ سال تک اسکا نزول اور مخالفین کی اذیت پر تحمل انہی امور کے
لیے تھا یہ دس کوتاہیان ہین جو بطور نمونہ کے بیان کیگئین کسی مین ایک ہی کسی مین متعدد کسی مین مجموع اور یہ سب متعلق
تحصیل کے تھین اب اسکے ملحقات مین سے ایک کوتاہی استماع کے متعلق ذکر کرکے اُسی پر اس مضمون کو ختم کرتا ہون
وہ گیارھوین کوتاہی یہ ہی کہ اُسکے الفاظ یا معنے کا ادب بھی ملحوظ نہین کیا جاتا چنانچہ جہری نمازون مین قراءۃ امام کیطرف
توجہ نہین کیجاتی حالانکہ امر فاستمعوا لہ کو داخل نماز کے وجوب کے لیے کہا گیا ہی خارج نماز کے تلاوت کرنیوالی کی آواز
پر اپنے دنیوی مخاطبات مین آواز کو بلند کیا جاتا ہے حالانکہ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی سے علماء نے درس
حدیث کے وقت رفع صوت کو منع کیا ہی فضلاً عن القرآن اگر کوئی پڑھنے والا غلط پڑھتا ہے اُسکو بتلایا نہین جاتا
حتی کہ اساتذہ معلمین اپنے شاگردون کا سنتے ہین اور نہین روکتے ٹوکتے اور وہ غلطیان عمر بھر کے لیے اُنکی گلے کا ہار
ہو جاتی ہین بعض حفاظ تراویح مین دوسری جگہ جاکر پڑھنے والون کو کبھی کھٹکھٹا کر کبھی کھنکھار کر کبھی غلط بتلا کر

پریشان کرتے ہین کیا قرآن مجید سننے کا یہی ادب ہے اور اسی طرح استماع معانی یعنی وعظ کے وقت بعضے آدمی آپس مین باتین کیا کرتے ہین حالانکہ آیہ اذا قرئ القرآن الخ سے اور آیہ فما لہم عن التذکرۃ معرضین سے یہ حرام ہے ہان کسی عذر سے وہان نہ بیٹھ سکنا یا اُٹھکر چلا جانا مضائقہ نہین ہان حاضر رہکر دوسری طرف مشغول ہونا یہ مذموم ہے غرض یہ سب مذکورہ کوتاہیان اور جو ان کے اشباہ ونظائر ہون ان سب کا تدارک کرنا ضروری ہے جیسا ہم مضمون کے درمیان مین ہر ایک کے تدارک کا نہایت آسان آسان طریقہ بھی بتلاتے آئے ہین ورنہ اندیشہ ہے کہ قیامت مین کہین ہماری وہی حکایت نہو وقال الرسول یا رب ان قومی اتخذوا ہذا القرآن مہجورا پھر اس وقت کی حالت دیکھکر یہ کہنا پڑے نعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ مگر وہ وقت ہوگا کہ لاینفع النادم ندمہ حیث ان الندم عمل وہو دار الجزاء لا دار العمل۔ اللہم وفقنا لما تحب وترضی واجعل آخرتنا خیرا من الاولی۔

نیز بعض متفرق کوتاہیان قرآن مجید کے معاملہ مین کہ اسکے الفاظ یا معانی یا نقوش یا اسکے مقاصد واغراض کے ادب کے خلاف ہین اور بھی خیال مین آئین وہ بلا لحاظ کسی خاص ترتیب کے معروض ہین۔ (۱) بعض کی عادت ہے کہ بچہ کا نام رکھنے کے لیئے قرآن مجید مین کسی خاص طریق سے جو خود اُن کا مقرر کیا ہوا یا اُنکے کسی معتقد فیہ سے (عام اس سے کہ اس اعتقاد کا مبنی صحیح ہو یا غلط) منقول ہوتا ہے غور کرتے ہین تو اتفاق سے اُس موقع پر کوئی نام لکھا ہوا ملگیا تو وہ ورنہ کوئی حرف جو شروع سطر وغیرہ مین ملگیا لیکر اُس حرف سے جو نام شروع ہو وہ نام معین کردیتے ہین اور اگر جاہل ہوئے تو خود سمجھتے ہین ورنہ دوسرے جاہل کو یون سمجھاتے ہین کہ قرآن مجید سے اس نام کا رکھنا نکلا ہے اور بعضے اس نام نکلوائی پر کچھ نذرانہ بھی وصول کرتے ہین اور جہلا یہ سمجھکر دیتے ہین کہ حضرت نے بڑی توجہ سے عالم غیب کا راز منگا دیا ہے انکی خدمت ضروری ہوگئی ہے قرآن مجید جس غرض کیلیئے موضوع نازل ہوا ہے جسکی تصریح خود کلام مقدس مین ہے کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب جس کا حاصل دین کا علم وعمل ہے اور اگر اسپر کوئی شخص کاربند ہو اور برکت کے لیئے اپنی کسی مباح غرض مین بھی اس سے کچھ اقتباس کرلے تو مضائقہ نہین بشرطیکہ اسمین کسی حد شرعی سے تجاوز نہو لیکن قرآن مجید سے ان اغراض مین ایسے طور پر کام لینا گویا قرآن اسی کام کا رکھا گیا ہے جس کا قرینہ اور علامت یہ ہے کہ اسکے علم اور اسپر عمل کیطرف کبھی توجہ نہ کی جائے مگر ایسے موقعون پر قرآن یاد آئے کیا یہ ظلم یعنی وضع الشئ فی غیر محلہ نہین ہے پھر اسپر اور مزید اگر یہ سمجھا کہ اس بچہ کا یہ نام ہونا یہ مفہوم قرآنی ہے کیا یہ افترا علی اللہ نہین ہے خاصکر وہ دوسری صورت کہ اگر حرف خ نکل آیا تو خدا بخش نام کو قرآن مجید کیطرف منسوب کرنا افترا در افترا ہے۔ پھر اُسپر کچھ وصول کرلینا کریلہ اور نیم چڑھا کی مثل کا مصداق ہے کیا یہ اشترا دینا بالقرآن کی اقبح الافراد نہین ہے۔

اگر نام برکت کا مقصود ہی اول تو وہ قرآن کی ایسے مطالعہ پر موقوف نہین حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھو یا اسماء حسنہ الٰہیہ مین سے کسی نام کے ساتھ عبد لگا کر رکھو بالخصوص عبداللہ و عبدالرحمن کی بالتعیین ترجیح وارد ہی اور اگر قرآن ہی سے نام ملتمس مقصود ہی تو کسی عالم محقق سے رجوع کیجیے وہ قرآن کے کسی مضمون یا کسی لفظ کی مناسبت کے لحاظ سے خواہ قرآن دیکھکر ایسے طریق سے کہ اسمین غلو نہو جیسا عنقریب نمبر ۲ مین آتا ہی یا قرآن کو بے دیکھے کسی اپنی محفوظ آیت سے کوئی نام بتلا دینگے نہ لیس کی ضرورت اور نہ اس اعتقاد کی اجازت کہ قرآن مین اس نام رکھنے کا حکم نکلا ہی۔ اس قسم کی خرابیاں اُن بندگان زر نے پھیلائی ہین جو عوام کی نظر مین کوئی دینی یا امتیاز رکھتے ہین مثلاً خود مکر و فریب سے پیر بن گئے ہین یا کسی بزرگ کی اولاد مین ہو گئے اور [illegible] یا بالادعا ایسے امور کی نسبت حضرت عارف شیرازی کا ارشاد ہے ؎ دام تزویر مکن چون دگران قرآن را۔

(۲) بعضے کسی مقصد مباح یا غیر مباح مین اُوفق بالمصلحۃ پہلو کی تعیین کے لیے اور بعضے اس سے بڑھکر کسی گذشتہ واقعہ کے معلوم کرنے کے لیے قرآن مجید مین فال دیکھتے ہین اور اُسکے کسی مضمون سے اپنے مطلب کے مناسب کوئی بات نکال لیتے ہین اور اُسکی صحت کے معتقد ہوتے ہین افسوس یہ آفت نیم علم لوگون مین ہے کیونکہ ذی علم آدمی مضمون ہی کو بین سمجھیگا جو ماخذ ہے فال کا بخلاف امراء ل کے کہ نام لکھا ہوا دیکھ لینا یا کسی حرف کا کوئی نام سوچ لینا یہ تو عامی بھی کر سکتا ہے ہان زبردستی کوئی ذی علم یہان بھی بین السطور ترجمہ دیکھکر یا کسی ہی علم سے اُس آیت کا ترجمہ پوچھکر نیم علمون مین داخل ہو جاوین تو اور بات ہی بہر حال یہ کام وہ کریگا جو اول قرآن کو اُلٹا سیدھا کچھ سمجھے اس لیے ان لوگون پر زیادہ افسوس ہے اور ایسے نا تمام علم سے اُس کو استخارہ پر قیاس کیا جاتا ہی جب مقیس علیہ ثابت تو مقیس بھی جائز۔ اور بعض فال دیکھنے والے تو یا اکثر اُن عام لوگون کا جو جلسۂ فال مین موجود ہون یہ اعتقاد ہوتا ہی کہ گویا خدا تعالی نے قرآن سے یہ خبر دی ہی [illegible] اسمین احتمال نقیض کا احتمال محال ہی اور نہایت جرأت سے کہتے ہین کہ واہ صاحب کیا قرآن مین غلط لکھا ہے افسوس ان کی [illegible] ہنسی شروع ہو کر اخیر مین رونا آتا ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیے کہ نمبر ایک مین جو بعضی شکایتین مذکور ہوئی ہین اور قرآن مجید کے علم و عمل کو چھوڑ کر اُس سے یہ کام لینا یا اسکو مدلول قرآنی اور فرمودۂ حق سمجھنا ہو کہ افراط ظلم و [illegible] ہین یہان بھی یاد دلائی جاتی ہین کہ دونون جگہ مشترک ہین اور انکے علاوہ اور بھی بعض خاص تنبیہات قابل عرض ہین مثلاً اسمین اس اعتقاد کے ساتھ کہ قرآن مجید مین اس واقعہ کے متعلق یہ خبر نکلی ہی قرآن مجید مین تحریف معنوی لازم آتی ہی کیونکہ ظاہر بات ہے کہ قرآن کی تفسیر دوسری ہی جسمین یہ واقعہ ہرگز داخل نہین اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو ہو کہ قرآن مجید مین تمام علوم ہین جیسا کسی بزرگ کا قول ہے۔

جمیع العلم فی القرآن لکن ‌ ‌ ‌ ‌ تقاصر عنہ افہام الرجال

سو یہ واقعہ بھی ابھی ضروری ہے چنانچہ بعض اہل کشف نے قرآن مجید سے قیامت تک کی پیشین گوئیاں کی ہیں اور وہ صحیح بھی ہوئی ہیں سو جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں تمام علوم ہونے کے یہ معنی ہی مسلّم نہیں کہ علم کونیات کو بھی عام ہے بلکہ وہ علم شرعیات ہے کہ قرآن اسکے تمام اصول پر حاوی ہے مگر وجہ دلالت وطریق استنباط بعض علوم میں غامض ہے کہ بعضے علماء بھی نہیں سمجھ سکتے اسلیے دوسرے حجج کی حاجت واقع ہوئی۔ رہا بعض عرفاء کا کچھ کونیات کو مستنبط کرنا تو وہ از قبیل تفسیر نہیں ہے جیسا اہل فال کا اعتقاد ہے بلکہ از قبیل تعبیر ہے کہ اصول اسکے خود دقیق ہیں جو اہل فال کے خواب میں بھی نہیں آئے اور باوجود اس تمام دقت کے پھر وہ ظنی ہیں کیونکہ وہ خود اصول ہی کشفی ہیں جنکی ظنی ہونے پر اہل حق کا اتفاق اور انکے کلام میں اسکی تصریح ہے پھر اس فال دیکھنے والیکو بزرگوں کے اس قول وعمل سے انتفاع کا کیا حق رہا اور مثلاً اس کا استخارہ پر قیاس کرنا کہ محض قیاس باطل ہے کئی وجہ سے ایک تو یہ کہ استخارہ دلیل شرعی سے ثابت ہے اور یہ تقیید مذکور کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں دوسرے یہ کہ خود مقیس علیہ یعنی واقعات گذشتہ کی تحقیق کیلئے نہیں مثلاً کسی کے یہاں چوری ہو جائے تو استخارہ اس غرض کیلئے نہ جائز نہ مفید کہ چور معلوم ہو جائے جیسا فال والے اس قسم کی حکایتوں کو نہ بطور ظرافت کے بلکہ بطور اعتقاد کے بیان کیا کرتے ہیں کہ کسی بادشاہ کا موتیوں کا ہار گم ہو گیا تھا اُسنے دیوان حافظ میں فال دیکھی یہ آیت نکلا و قت تھا چراغ ایک کنیز کے ہاتھ میں تھا یہ مصرعہ نکلا ع چہ دلاور ست دزدی کہ بکف چراغ دارد۔ بس فوراً بادشاہ نے اسی کنیز کو پکڑ لیا اور تلاشی لینے سے اسکے پاس برآمد ہوا اول تو ان قصوں کی کوئی سند صحیح نہیں ثانیاً اگر ایسا واقعہ ہوا تو اتفاق پر محمول ہو گا کیونکہ ملازمت کی کوئی دلیل نہیں اور اگر تجربہ سے ملازمت پر استدلال کیا جائے تو ہم بطور معارضہ کہتے ہیں کہ اگر دو بار ایسا ہوا ہے تو بیس بار اسکے خلاف ہوا کہ فال میں کچھ نکلا اور واقعہ کچھ اور تھا تو تجربہ یعنی تکرار مشاہدہ سے عدم ملازمت ثابت ہو گئی یا عدم ملازمت بغرض فال کا مقیس علیہ یعنی استخارہ واقعہ گذشتہ کے علم کے لیئے نہ مفید اور نہ جائز تو باید فال بھی نہ ہوا۔ اور اگر کوئی استخارہ کو اس غرض کیلئے سمجھے ہوئے ہے تو وہ اپنے غلط خیال کی اصلاح کرے کہ بالکل اعتقاد باطل ہے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اس سے واقعہ گذشتہ نہیں معلوم ہوتا اسی طرح واقعہ آیندہ بھی کہ فلاں بات یوں ہوگی معلوم نہیں کیا جا سکتا اصل استخارہ کا صرف اتنا اثر ہے کہ جس کام میں تردد ہو کہ یوں کرنا بہتر ہے یا یوں یا یہ کہ کرنا بہتر ہے یا نہ کرنا تو اس عمل مسنون سے کہ حاصل اس کا دعا ہے اس امر کی کہ جو میرے لیے مصلحت ہو میرا قلب اسپر مطمئن ہو جائے اور وہ ایسا ہی سامان غیب سے ہو جائے) وہ اثر ہوتے ہیں قلب کا اُس شق پر مجتمع ہو جانا اور اُس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا

بلکہ خواب نظر آنا بھی ضروری نہیں من قال سوی ذالک فقد قال محالا۔
اور بعض بزرگان دین سے جو بعضے استخارے اس قسم کے منقول ہیں جس سے واقعہ صراحۃً یا اشارۃً خواب میں نظر آجائے

سو وہ استخارہ نہین ہی بلکہ خواب نظر آنیکا عمل ہی پھر بہ اثر بھی اُس کا لازمی نہین خواب کبھی نظر آتا ہی کبھی نہین اور خواب بھی اگر نظر آیا تو وہ محتاج تعبیر ہے اگرچہ صراحت سے نظر آئی پھر تعبیر بھی جو کچھ ہوگی وہ ظنی ہی یقینی نہین اسمین اتنے شبہات تو یہ ہین پس اسکو استخارہ کہنا یا مجاز ہے اگر اُن بزرگون سے یہ تسمیہ منقول ہو ورنہ اغلاط عامہ سے ہی اس لئے محققین ایسے امور اپنے خاص ہی لوگون کو بتلاتے ہین کہ اُنکے قلوب بھی منور ہوتے ہین اور عقائد بھی مطہر ہوتے ہین طہارت عقیدہ کی بدولت غلو فی الدین سے محفوظ ہوتے ہین اور نورانیت قلب کے سبب اُن کا انکشاف منام راجح الصدق ہوتا ہی جو حقیقت ہی ظن کی ورنہ عوام پر تو اضغاث احلام ہی غالب ہوتے ہین۔

اور مثلاً ایسی فال وغیرہ کی بنا اور اعتماد پر کسی مسلمان سے بدگمان ہو جانا اور کسی قول یا فعل یا خیال غیر مشروع کا مرتکب ہو جانا یہ خاص خرابیان اس عمل فال مین ہین اور یہی حکم ہے عارفین کے کلام سے فال لینے کا غرض یہ عمل مروج طریق پر بالیقین مذموم ہے اگر کسی طالب العلم کو وسوسہ ہو کہ اس تقریر سے تو فال کا محض بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ احادیث مین صاف موجود ہے یعجبہ الفال الصالح اونحوہ اسی طرح اکثر بعضے معتبر بزرگون سے قرآن یا کلام عرفا سے تفاؤل منقول ہے تو جواب اسکا یہ ہی کہ منشا اس شبہ کا اشتراک لفظی ہے ایک شریعت کی اصطلاح ہی وہ ثابت اور ایک علماۃ کی اصطلاح ہی وہ غیر ثابت اثابت بالسنۃ وعن الاکابر کی اصل اتنی ہی کہ کسی شخص کو کچھ تشویش یا فکر ہے اسوقت اتفاق سے یا کسی قدر قصد سے کوئی لفظ خوشی و کامیابی کا اسکے کان مین پڑا یا نظر سے گذرا تو رحمت آلہیہ سے جو امید ہر مسلمان پر فرض ہی اور اسکو بھی پہلے سے تھی وہ اس لفظ سے اور قوی ہو گئی پس حاصل اس کا تقویت رجاء رحمت ہے اس سے آگی اختراع اور ابتداع ہے۔

(۳) بعضے قرآن مجید کو ناجائز اغراض مین بطور عملیات برتتے ہین یہ تو عملی تقصیر ہی اور پھر غضب یہ کہ اُسکو برا نہین سمجھتے اور یون کہتے ہین کہ صاحب ہم کوئی سفلی عمل تو نہین کرتے قرآن کی آیتین پڑھتے ہین یہ علمی یعنی اعتقادی تقصیر ہے۔ اول تو اگر جائز ہی اغراض مین عملیات کے طور پر مگر غلو کے ساتھ برتتے یعنی نہ علم سے غرض رکھے نہ عمل سے جب قرآن کی آیتین ڈھونڈھی جائین تو اسی غرض سے کہ اس سے دنیا کا فلان کام ہو جاتا ہے اور اس سے فلان مطلب نکلتا ہے جیسے بعض امراء کے گھر مین اسی غرض سے رکھا رہتا ہے کہ جب کوئی بیمار ہو گیا اُسکو قرآن کی ہوا دیدی۔ یا ایک مصحف نہایت خفی قلمی یا مطبوع تعویذ بنا ہوا رکھا رہتا ہے جب کوئی مریض ہوا گلے مین ڈال دیا و مثل ذلک۔ اسکا بھی تقریر سے جو نمبر اول مین مذکور ہے غیر مرضی ہونا ثابت ہے اور اگر وہ اغراض بھی ناجائز ہون جیسے یٰس پڑھکر چور کا نام نکالنا یا ناجائز موقع پر محبت کی تدبیر یا زوجین مین یا باہم اقارب مین تفریق کی یا بلا اذن شرعی مطلق دو شخصون مین تفریق کی تدبیر کرنا یا کسی کو ہلاک کر دینا یا دست غیب کے ایسے عمل کرنا کہ روپے رکھے ہوئی ملجایا کرین یا جنات کو

تابع کر کے اُن سے کام لینا گو جائز ہی کام ہو اور ناجائز کا تو کیا پوچھنا بس اگر ایسے ناجائز اغراض ہوں تو ناجائز کام کے قصد و اہتمام کا معمولی گناہ تو ہی ہی جو سب جانتے ہین یہان وہ گناہ اس لیئے اور بھی شدید ہو جاویگا کہ اس شخص نے کلام پاک کو ناپاک غرض کا آلہ بنایا پس اسکی ایسی مثال ہوگئی جیسے نعوذ باللہ کوئی قرآن کو بازاری عورت کی خرچی مین دیکر منہ کالا کیا کرے کوئی مسلمان جسمین ذرا بھی دین کی عظمت ہو اسکو جائز سمجھ سکتا ہے اور اگر ان اغراض کے ناجائز ہونے مین خفا ہو تو مفصلاً اہل فتوی سے تسلی کر لیجیے مختصراً اتنا یہان بھی لکھے دیتا ہون کہ اول تو چور کا نام نکلنا اُس عمل سے کچھ تعلق نہین رکھتا یہ عامل کے یا کسی صاحب مجلس کے خیال کا تصرف ہے اس کا سمجھنا مسمریزم جاننے پر موقوف ہے اور حاضرات وغیرہ جو عامل لوگ کرتے ہین وہ اگر سب نہین تو اکثر تو اسی قبیل سے ہین تو اس صورت مین قرآن پڑھنا یہ نرا دھوکہ دینا ہی پھر یہ کہ جو نام نکلتا ہی اسکے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہین اکثر ایسا ہوتا ہے جب چاہے آزمایا جائے کہ ایک عامل کے عمل سے ایک شخص کا نام نکل آیا دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا مگر جو شخص پہلے کو چور سمجھتا ہو وہ اُس دوسرے عامل کے پاس سے اُسوقت بالکل علیحدہ ہو جانا چاہیئے جب یہ ایسی بودی بنیاد ہی تو کسی شخص کو محض اس بنیاد پر چور سمجھ لینا یقیناً یا ظناً کہان جائز ہوگا پھر اگر اُسپر تشدد کیا یا زبان سے اوروں کے روبرو اس کا نام لیا تو یہ گناہ اور بڑھنے شروع ہوئے۔ اور حب و بغض مذکورین اور املاک کا ناجائز ہونا تو محتاج بیان نہین۔

شاید دست غیب بالمعنی المذکور یا تسخیر جنات بغرض مباح مین شبہ ہو تو سمجھ لیجیے کہ اس دست غیب مین یہ ہوتا ہی کہ جنات اُس کام پر مسلط ہو جاتے ہین کہ بعضے عمل مین تو وہی روپیہ جسکو یہ خرچ کر چکا ہے وہ جہان بھی ہو وہان سے اُٹھا لاتے ہین اور بعض عمل مین دوسرا روپیہ جس جگہ سے انکے ہاتھ آئے نکال لاتے ہین سو اسکی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لیئے آدمیون کو نوکر رکھے کہ چوری کر کر کے مجھکو دیا کرو۔ اُس نے یہی کام جنات سے لیا۔ اور چوری کے ناجائز ہونیکا کسکو انکار ہو سکتا ہے اور اگر شبہ ہو کہ ممکن ہی کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہون تو چوری کہان ہوئی سو اول تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہین ہو سکتی دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لا دین تب بھی ظاہر ہے کہ خوشی سے نہین لاتے ورنہ اوروں کو لا کر کیون نہین دیتے محض جبر عمل سے لاتے ہین تو کسی کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجھکو دیدے خود حرام ہی اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا سمجھ مین آجائیگا یعنی کسی آدمی سے جو نہ اس کا غلام شرعی ہو نہ نوکر ہو نہ اُس کے زیر تربیت ہو کوئی کام جبراً لیا جائے گو وہ کام گناہ کا نہو تو یہ ظلم اور تعدی ہی اس عامل نے اسی طرح اس جن سے کام لیا ہے جو عمل سے مقہور ہو چکا ہے اور یہ وسوسہ تو نرا جاہلانہ ہی کہ اسماء و کلمات الٰہیہ سے عمل چلانا کیسے گناہ ہو گیا دیکھیے اگر کوئی شخص بڑا مجلد قرآن زور سے کسی کے سر مین اسطرح مار دے کہ وہ مر جائے تو کیا یہ قتل اسوجہ سے کہ بواسطہ قرآن

مقدس کے ہوا ہی جائز ہو جائیگا اور کیا عدالت اسپر دار وگیر نہ کریگی کہ اُسنے تو قرآن سے مارا ہی اصلی مجرم نہین بس ایسی سے اسکو بھی سمجھ لیجیے البتہ اگر قرآن مجید کے علم و اتباع کو اصلی کام سمجھکر اسپر کاربند ہوا اور کسی موقع پر کسی جائز کام کے لیے کوئی آیت پڑھ لکھ لے تو ناجائز نہین ۔ (۴) بعض لوگون نے قرآن مجید کو آلہ کسب دنیا و جلب مال کا بنا رکھا ہی مختلف طور سے بعض تو تراویح مین اُجرت پر سُناتے پھرتے ہین بعضے مردون پر تیجے مین یا چالیسوین یا ختم کے بعد بھی پڑھنے کا پیشہ کر لیتے ہین اُن کا ناجائز ہونا بکرات و مرات علماء کے فتاوی مین طے ہو چکا ہے اور بعض تو اور بھی غضب کرتے ہین یعنی یہ بھی نہین کہ صرف عقد اجارہ کے بعد ہی پڑھا کرین بلکہ پہلا جو پڑھا ہوا ہی اس کو کچھ لے کر بخشتے ہین یہ تو اچھا خاصہ مبادلہ اور بیع ہے جو اُس اجارہ سے بھی بڑھکر ہے کہ اجارہ مین بعض اہل محل تاویل تو چلاتے ہین گو چلتی نہین یہان تو اسکی بھی گنجائش نہین اور بعضے اسکے مطالب کے بیان یعنی وعظ پر نذرانہ لیتے ہین اور فی نفسہ اسکے جائز و ناجائز ہونیمین تو سردست اسلیے کلام نہین کرتا کہ اسمین طول ہے لیکن جو ہیئت اسکی شائع ہے کہ اسکو ہمیشہ مستقل بنا لیا ہی اسی لیے سفر کرتے ہین زبان سے مانگتے ہین جس طرح سے نذرانہ مین کمی کا اندیشہ ہو اسکو بیان نہین کرتے اور اس حرفہ مین سہولت دیکھکر بہتیرے جاہل واعظ بنکر خلق خدا کو گمراہ کر رہے ہین کیا ان مفاسد پر نظر کر کے بھی اسکو جائز کہا جا سکتا ہے البتہ تعلیم قرآن کی نوکری اور اسیطرح واعظ کی نوکری اسمین اگر اور کوئی خرابی نہ ملے تو مضائقہ نہین (۵) قرآن مجید کی آیات کو بعض اوقات غیر معنی مقصودہ مین نطقًا یا کتابتہً برتا جاتا ہے مثلاً جنتری پر یہ آیت لکھدی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم جس کا حاصل یہ دعوی ہے کہ ہماری جنتری احسن تقویم یعنی عمدہ جنتری ہے یا کسی کتاب کی لوح پر کوئی آیت لکھدی جس مین مطبع یا صاحب مطبع کے نام مناسب کوئی لفظ یا معنے ہون یا کوئی شخص گذرا ہے یا [illegible] یہ کہدیا کہ اسکی مذمت قرآن مین ہی باؤا بغضب من اللہ یہ سب تحریف ہے جس سے توبہ واجب ہے اور بعض اوقات اسمین بعضے اہل علم جنکو کسی دوسرے فن مین زیادہ [illegible] انہماک ہوتا ہے مبتلا ہو جاتے ہین چنانچہ احقر نے ایک معقولی کے کلام مین اس جملہ قرآنیہ الا لنعلم من یتبع الرسول کے مشہور شبہ کا کے جواب مین یہ توجیہ دیکھی ہے کہ مراد یہان علم تفصیلی ہے جو حادث ہی پس اب وہ اشکال نہ رہا حالانکہ یہ کھلی تحریف ہی کیونکہ اصطلاح معقول پر علم تفصیلی عین معلومات ہی تو اس کو علم کہنا محض اصطلاح ہے بطور اسکے علم کے ہو گیا ہی سو وہ معنے مصدری نہین ہے کہ اُس سے نعلم کا اشتقاق ماننا صحیح ہو اور علم تفصیلی جس سے نعلم مشتق ہو سکتا ہی وہ معنی مصدری لغوی ہی اور اسکے معنی ہین انکشاف ایک جزئی کا سو وہ جب حق تعالی کیطرف منسوب ہوگا اس کا مصداق و منشاء انتزاع قدیم ہوگا اور اسکے مقابل جو اجمالی ہے اللہ تعالی اس سے منزہ ہی اور جو علم اجمالی اہل

معقول کی اصطلاح ہے وہ عین ذات ہے سو ان اصطلاحون کے خلط سے کسقدر خبط ہوگیا۔ اسی طرح صوفیہ کی تفسیر کو تفسیر سمجھنا ناجائز ہے تحقیق اسکی احقر نے کلید مثنوی مین لکھی ہے اور اقتباس ہمارے اس بحث سے خارج ہے کہ حقیقت مین اسکا ایراد من حیث القرآن نہین ہے بلکہ تشبیہہ بالوارد فی القرآن ہے و شتان بین التمثیل والتنزیل (۶) بعض لوگ قرآن کو بے وضو چھوتے ہین یا لکھتے ہین اسمین کاپی نویس اور تعویذ لکھنے والے بہت مبتلا ہین اسی طرح ورق پر دوا اور پتھر جمانے والے یا پریس مین ان سب کو باوضو رہنا چاہیئے ورنہ پاک کپڑے سے چھوئین۔ (۷) بعض لوگ قرآن مجید کو پشت کیطرف یا اپنی نشست کی جگہہ سے نیچے یا مبتذل جگہہ پر رکھدیتے ہین یا قرآن کے اوپر کوئی کتاب یا قلم دوات وغیرہ رکھدیتے ہین یا قرآن مین دوسرے کاغذات یا غلاف مین قرآن کے اوپر عینک وغیرہ رکھدیتے ہین یہ سب خلاف ادب ہے البتہ سفر مین اگر اسباب وصندوق وغیرہ مین مسطور ہے تو مجبوری ہے بعض آداب مین تخفیف ہوجاتی ہے اسی طرح اسپر بہت مبتذل میلے کپڑے کا غلاف باوجود وسعت بدلنے کے ایک گونہ قلت ادب ہے گو درجہ حرمت تک بھی نہ ہو (۸) قرآن مجید جب ایسا کہنہ ہوجاوے کہ اس سے انتفاع ممکن نہو تو اسکو پاک جگہہ دفن کردینا چاہیئے مگر اسپر مٹی نہ ڈالے بلکہ جسطرح مسلمان میت کی قبر مین تختے وغیرہ رکھکر مٹی دیتے ہین اسی طرح کرنا چاہیئے ایسے ہی اگر ردی قرآن ایسا غلط لکھا ہو کہ اصلاح دشوار ہو تو اسکو بھی دفن کردینا چاہیئے اسمین اکثر لوگ جو سستی کرتے ہین وہ دریدہ ہوکر منتشر ہو جاتا ہے اور افسوس ہے کہ وہ ردی مین جاکر دواؤن کی پڑیون مین یا بچون کے بعض کھلونون مین استعمال کیا جاتا ہے ایسا کرنا ہم لوگون کی کتنی بے غیرتی ہے (۹) جس روشنائی مین کسی نجس چیز کا میل ہوا اس سے قرآن لکھنا یا جس کپڑے مین ایسا قوی شبہہ ہو اسکا غلاف بنانا یا جس وارنش مین ایسی چیز ہو اسکو جلد پر ملنا یہ سب گناہ ہے چنانچہ ظاہر ہے (۱۰) قرآن کی کتابت یا طبع مین تصحیح کا اہتمام نہ کرنا یہ ایسی بلا کی بات ہے جس کا ضرر دور تک اور دیر تک وبال جان رہیگا جتنے لوگ پڑھینگے اور جبتک (خواہ سو دو سو برس کیون نہون) یہ مصاحف رہین گے اس بانی سبب کو اس گناہ کا حصہ ملتا رہے گا۔

اسوقت ذہن مین یہی امور عشرہ حاضر ہوے لیکن اگر کوئی امر رہ بھی گیا ہوگا تو انشاء اللہ تعالی ان مین جو صول کی جا بجا تقریر ہوئی ہے وہ امر بھی اُن مین داخل ہوگا واللہ الموفق لکل ما یرضی الہم وفقنا لما تحب وترضے۔

اصلاح معاملہ متعلق بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

آپکے جو احسانات وعنایات امت کے حال پر متوجہ ومبذول ہین اُنکی کمیت وکیفیت پر نظر کرکے یہ حکم یقینی ہے

آپکے حقوق امت کی گردن پر اسقدر کثیر ہین کہ قیامت تک اُن سے سبکدوشی قریب بہ محال ہے لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق
تین کلی کے احاطہ مین آئے ہوئے ہین ایک محبت دوسرے متابعت تیسرے عظمت اور ہرچند کہ ان تینون مین اپنی اصل حقیقت
کے اعتبار سے باہم ایسا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ممکن ہی نہین لیکن بلا خیال معنی اگر صرف صورت کے
درجہ کا لحاظ کیا جاوے تو یہ تینون کہین کہین علحدہ علحدہ بھی خیال مین آسکتے ہین اور اسوقت چونکہ اکثر طبیعتین محض صورت
پر قناعت کئے ہوئے ہین اسلئے اُن امور کا جدا جدا موجود ہونا بکثرت واقع ہو رہا ہے اور اس معاملہ مین بھی بڑا جدید انقلاب ہے جس سے
سلف صالح مبرا تھے چنانچہ اُن حضرات کے تاریخی واقعات کو جو کہ مشہور اور کتب احادیث وسیر مین مذکور ہین اسوقت
کے اکثر مسلمانون کے معاملات کے ساتھ (جن مین کچھ بطور نمونہ کے ذیل مین بعنوان کوتاہی مرقوم ہوتا ہے)
موازنہ کرنے سے اس حکم کی صحت بداہۃً معلوم ہوسکتی ہے اور اس مضمون سے اسی انقلاب پر تنبیہ اور اسکی اصلاح کیطرف
ترغیب توجہ مقصود ہے۔ حاصل اُس کا اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ جو طبائع زمانہ کے جدید رنگ مین رنگے گئے ہین ان
مین تو یہ کوتاہی مشاہد ہے کہ وہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اسقدر دلچسپی رکھتے ہین کہ
دوسرے اقوام یا مذاہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپکی سوانح عمری مین سے یا آپکے بعض اقوال و افعال کی حکمتون مین سے
(خواہ انکی حقیقت تک ان کے ذہن کو رسائی ہو یا نہ ہوئی ہو) صرف وہ حصہ جسکو تمدن سے تعلق ہے محض اسغرض سے
بیان کر دیتے ہین کہ آپکی عظمت اور آپکے قانون کی عزت ظاہر ہو جاوے اور اسی کو اسلام کی خدمت اور آپکے ادائے حقوق
کے لئے کافی سمجھتے ہین باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہین نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے بلکہ اتباع کو تعصب اور محبت کو وحشت
سمجھتے ہین اور سبب خفی اسکا یہ ہے کہ اس زمانہ مین سب سے بڑا مقصد جاہ و عزت کو قرار دیا گیا ہے جسکے مطلوب ہونیکا ہمکو بھی
انکار نہین مگر کلام اسمین ہے کہ آیا وہ مطلوب بالعرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے بہرحال چونکہ اسکو کمال بالذات سمجھا
جاتا ہے اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعد ولا تحصی کمالات حقیقیہ عظیمۃ الشان مین سے انکی نظر اسی کا انتخاب
کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا مثل محبت الٰہی و خشیت و زہد و صبر و تربیت روحانی و مجاہدہ و شغل بحق و دیگر فضائل علمیہ
و عملیہ کا کبھی انکی زبان پر نام بھی نہین آتا جس کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ خاص اسی غرض کیلئے مبعوث فرمائے گئے تھے
کہ ایک جماعت کو قوم بنا کر اسکو دنیوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرمادین تاکہ وہ دوسری قومون پر سابق و فائق
رہکر دنیا مین شوکت کے ساتھ زندگی بسر کرسکین۔

کیا قرآن مجید و حدیث مین گہری نظر کرنے والا آپکی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے۔

ان صاحبون کو اپنی اصلاح کے لیے اسکی سخت ضرورت ہے کہ علماء محققین و عرفاء محققین ل صحبت و ملازمت کا

التزام کرین اور انکی خدمت مین کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کرکے رہین خود آنکے اقوال متفرقہ وارشادات مختلفہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہو جاویگی اسکے بعد جو شبہات رہ جاوین اُن کو ادب کے ساتھ آنکے حضور مین پیش کرین اور توجہ وانصاف کے ساتھ جواب سنین اُن کو اس زمانہ سکوت مین جو اصول وقواعد سننے اور ذہن نشین کرنیکا اتفاق ہوا ہی وہ اصول اُن جوابون کے سمجھنے مین نہایت معین ہون گے اور اطمینان شفائی کلی میسر ہوگی اس طریق اصلاح کو جو عملی مجرب ہے سرسری خیال نفرماوین اور نیز حدیث مین کتاب الرقائق والواب الزہد کا بار بار مطالعہ فرماوین یہ کلام تو اُن لوگون کے مذاق پر تھا جو نئی روشنی کے تابع ہو رہے ہین اب باقی دوسرے حضرات کی کیفیت معروض ہے کہ انمین سے بعض مین محبت کے ظاہری آثار بھی پائی جاتے ہین مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مین اشعار مدحیہ پڑھنا یا شوق سے سننا ان سے متاثر ہونا کیفیت طاری ہو جانا کبھی رو پڑنا کبھی نعرہ لگانا کثرت سے آپکے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا و مثل ذالک لیکن ان مین یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہی کہ اسکو کافی سمجھکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ احکام کی بجا آوری اور متابعت کے اہتمام کو ضروری نہین جانتے اول تو خود ان اعمال مذکورہ مین بھی جن کو وہ محبت کے عنوان سے اختیار کرتے ہین بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہین رکھتے پھر دیگر اعمال و معاملات مین تو نہ عنوان محبت رہتا ہی نہ احتمال نیت کسی کو نماز کا یا جماعت کا اہتمام نہین کسی کو رشوت و ظلم سے باک نہین کوئی مسکرات اور حرام لذات مین مبتلا ہی کوئی شرکیات و بدعیات کو دین سمجھکر کر رہا ہی سبب اس کا بے علمی یا کم علمی ہی یا غلط علمی اسکی اصلاح یہ ہے کہ کتب حدیث مین سے ابواب الایمان و ابواب العلم و باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ و ابواب الفتن و ابواب الصفۃ جہنم واحوال القیامۃ کو مدت تک مطالعہ مین رکھین اور ان ابواب کے مطالعہ سے علماء متبعین سنت سے محبت اور انکی شناخت ہوجاویگی اُن مین سے ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنا اس اصلاح اور علاج کی تکمیل اور پختگی ہوگی۔

اب صرف ایک جماعت اور رہ گئی کہ جن کو احکام کی متابعت کا ضروری ہونا پیش نظر ہی اور کم وبیش اس کا اہتمام بھی ہی مگر کوتاہی یہ ہی کہ ان مین کیفیت خشوع اور تسکین کی نہین آئی جو غلبہ محبت کو لازم ہی جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان مین اتباع کی حلاوت جو کہ محبت خالصہ کا اثر ہی پیدا نہین ہوئی پس ان کا طرز عمل بالکل ایسا ہی جیسے کسی نوکر کو اپنے آقا سے صرف ضابطہ کا تعلق ہو کہ خدمات مفوضہ مین تو فروگذاشت نہین کرتا مگر وقت پورا کر دینے کے بعد نہ ایک منٹ ٹھیرتا ہے نہ کبھی کوئی زائد خدمت کرتا ہے نہ آقا کا کبھی ذکر خیر کرتے ہوئے دیکھا گیا نہ آقا کے اہل عیال کا ادب و احترام کرتا ہے نہ اپنے خواجہ تاش لوگون سے کوئی واسطہ سلام وکلام کا رکھتا ہے یہ تو خشکی ہی تھی اس سے بڑھکر یہ کرتا ہی کہ بجز اپنے سب خواجہ تاشون کو نافرمان اور حقیر سمجھکر اُن سے لڑتا بھڑتا ہی اور اپنی بجا آوری

خدمت پر ہمیشہ ناز اور فخر کرتا ہی اور اسوجہ سے سب سے الجھتا اور جھگڑتا ہی فہمایش کرنیکا آقانے نرمی کے ساتھ حکم دیا ہی ان سے یہ سختی کرتا ہی اور جن کوتاہیون سے آقا درگذر کر دیتا ہے یہ اُن مین بھی مدعی بنکر کسی کو مارتا ہی کسی کو گالی دیتا ہی ظاہر ہے اس صورت مین یہ نوکر آقا کی نظر سے گر جاویگا اور ان بداخلاقیون کی بدولت جو کہ آقا کی مرضی کے بھی خلاف ہین اسکی خدمت کا اثر اور ثمرہ بھی نہایت ضعیف ہوجاویگا بعینہ یہی حالت اُن لوگونکی ہی جو کسی قدر نماز روزہ اور بعض معاملات بھی درست کرکے اپنے کو مقدس اور متبع اور تمام دنیا کو فاسق۔ بدعتی۔ کافر۔ جہنمی سمجھہ بیٹھتے ہین اور خفیف خفیف امور مین اُنسے اُلجھتے ہین اور ہر شخص سے فساد و فتنہ کرتے ہین اور بعضے ان مین عوام سے گذر کر علماء اور بعض ائمۂ اعلام یا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان مین بدگمانی کرکے بدزبانی کرنے لگتے ہین اسی کو دین کی بڑی حمایت اور خدمت سمجھتے ہین اور جن ذات مقدسہ کے اتباع کا دعوی ہی خود آپکے ساتھہ یہ برتاؤ ہی کہ آپکا نام مبارک ادب سے لیتے ہین نہ کبھی آپکا ذکر مبارک شوق سے کرتے ہین نہ کبھی ذکر مبارک سُن کر گداختہ ہوتے ہین نہ درود شریف کا کوئی معمول اُنھون نے ٹھیرا یا ہی نہ آپکے محبوبون (یعنی علماء وصحابہ واہل بیت) سے اُن کو کوئی تعلق محبت واحترام کا معلوم ہوتا ہی ان امور مین بعض تو موجب خسران و عصیان ہین اور بعض سبب حرمان ہین کیونکہ اخلاق ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح فرائض مین سے ہی جس مین خلل اندازی عصیان ہی اسی طرح آپکے وارثان علوم سے عظمت و احترام کا تعلق اور آپکی امت سے شفقت و رحمت کا تعلق رکھنا بھی واجب ہے جس کا ترک یقینی خسران ہی باقی جو آداب خاصہ و حقوق محض عبادت نافلہ کے درجہ مین ہین اُنکی کمی مین بھی خاص برکات سے محرومی تو ضروری ہے۔

اس کوتاہی کی اصلاح کا مبنی اہل اللہ کی صحبت اور کتب سیر نبویہ و حقوق مصطفویہ مثل شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ اور کتب اخلاق وسلوک کا مطالعہ اور اُنپر عمل کرنے کا اہتمام ہے۔

ہر اُمتی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری چند تعلقات ہین ایک تعلق یہ کہ آپ نبی ہم امتی دوسرا یہ کہ آپ حاکم ہم محکوم۔ تیسرا تعلق یہ کہ آپ دارین مین محسن ہم زیر بار احسان۔ چوتھا تعلق یہ ہے کہ آپ محبوب ہم محب اور ان مین سے ہر تعلق جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اُسپر خاص خاص حقوق و آداب کا مرتب ہونا معلوم اور مسلم اور معمول ہی پس جب آپکی ذات بابرکات مین سب تعلقات مجتمع ہون اور پھر سب اعلے اور اکمل درجہ کے تو آپکے حقوق بھی ظاہر ہے کہ کسقدر اور کس درجہ کے ہونگے اُن سبکے ادا کرنیکا دل سے اور التزام سے ایسا اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ کثرت عادت اور استحضار الفت سے شدہ شدہ طبعی ہوجاوین اور پھر بھی آپ کے حقوق کے مقابلہ مین اپنی اس خدمت کو کہ درحقیقت اُس کا نفع اپنی ہی طرف عاید ہے ناتمام سمجھے۔

یہ مختصر مضمون ختم ہوا اور اس کے ختم ہونے کے وقت یاد آیا کہ احقر نے ایک رسالہ نشر الطیب متوسط حجم کا سیر نبویہ میں لکھا ہے میں امید کرتا ہوں کہ وہ اس مختصر کی شرح کے لیئے کافی اور بقصد اعتقاد و عمل اس کا مطالعہ میرے کہنا ان سب اصطلاحات کے لیئے انشاء اللہ تعالیٰ کافل ہوسکتا ہے دعائے اشاعت فرمایئے والسلام

تتمہ سابق

یہ تتمہ پہلے مضمون سے الگ کوئی مضمون نہیں ہے بلکہ ایک درجہ میں گویا اسی کی تفصیل اور شرح ہے مضمون سابق میں زمانہ کا رنگ قبول کرنیوالی طبائع کی نسبت جس کوتاہی کا بیان ہوا ہے اسکا تتمہ یہ ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں حقوق میں تقصیر کیئے ہوئے ہیں۔ متابعت و محبت کا موجود نہونا تو ظاہر ہے اور پہلے مضمون میں اسکو صراحت سے بیان کردیا گیا ہے البتہ انکے اس عمل سے کہ انکی زبان یا قلم سے بعض ایسے مضامین صادر ہوتے ہیں کہ ان سے آپکی عظمت یا آپکے قانون کی عزت ظاہر ہوتی ہے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید یہ آپکا حق عظمت ادا کرتے ہیں لیکن اگر ذرا نظر کو عمیق کیا جاوے تو ثابت ہوجاوے کہ یہ احتمال بھی واقعیت نہیں رکھتا حقیقت یہ ہے کہ آپکی جس عظمت میں گفتگو ہو رہی ہے وہ عظمت ہے جسکے ساتھ آپ حامل وحی ہونیکی حیثیت سے متصف ہیں اور ان لوگونکی تحریر و تقریر میں نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب میں آپکی جو عظمت ہے وہ اس حیثیت سے نہیں بلکہ ایک حکیم تمدن ہونیکی حیثیت سے ہے کیونکہ ان دو عظمتوں کے آثار کا موجود نہونا ہمارے دعوے کی دلیل ہے چنانچہ اعتقاد عظمت نبوی کے آثار یہ ہیں کہ آپکے احکام سنتے ہی یہ معلوم ہو کہ گویا حق تعالیٰ نے ہم سے خود فرما دیا ہے اور یہ کہ اس حکم کے قبول کرنے میں حکمت و مصلحت سمجھنے کا ہرگز انتظار نہو بلکہ اگر بادی النظر میں وہ حکمت کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اسی خوشی سے قبول کرے جیسا حکمت معلوم ہونے کے وقت کرتا اور نہ بدون حکمت سمجھے اس حکم کی وقعت میں کچھ کمی ہو بلکہ جسطرح ادنیٰ خدمتگار شاہی حکم سنکر مغلوب و والہ ہوکر دیوانہ وار اسکی بجا آوری کے لیئے دوڑتا ہے اسی طرح اسکی کیفیت ہوجاوے اور یہ کہ اس حکم کے خلاف کا مستحسن ہونا خیال میں بھی نہ آوے بلکہ اجمالاً یوں سمجھے کہ بس تمام خیر و برکت اور حکمت و مصلحت اور فلاح و صلاح اسی میں منحصر ہے خواہ ہمارا ذہن کوتاہ اسکی تفصیل تک پہونچے یا نہ پہونچے بقول حضرت عارف گنجوی رحمۃ اللہ

زبان تازہ کردن باقرار تو ... نینگیختن علت از کار تو

اور صرف حکیم تمدن ہونے کے لحاظ سے جو اعتقاد عظمت ہوتا ہے اسکے آثار یہ ہیں کہ حکم سنکر اتنا ہی اثر ہو

جو ایک مخلوق ذی رائے کی رائے کو سُنکر ہوتا ہے اور یہ کہ اُسکے قبول کرنے مین یا اُسکو بنظر وقعت دیکھنے مین اسکا بھی انتظار ہو کہ اسمین عقلی (اور عقلی مین بھی دنیوی) مصلحت کیا ہے جبتک مصلحت نہ معلوم ہو اُس مین سخت تردد و خلجان رہے اور ہرگز اُسپر عمل کرنے مین شرح صدر نہو خود بھی ایک قسم کی تنگی اور جبر و تحکم کا سا اثر رہے اور دوسرون کے سامنے بھی اسکا دعویٰ کرتے ہوئے ایک گونہ خجلت اور بیوقعتی کی سی کیفیت رہے اور بار بار اُس حکم کیجانب مخالف کی ترجیح کا ہجوم اور اُسکی تمنا کا قلب پر غلبہ رہے اور ہرگز اُسکے صحیح ہونیکا دل کھولکر حکم نہ کرسکے بلکہ اس فکر مین رہے کہ کسی طرح اس کا شرعی ہونا ثابت نہو اور جب اور کچھ نہو سکے تو بعض تاویلات سے اس حکم کے شرعی ہونیکا انکار کردے کبھی اُسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہونیمین شبہات پیدا کرکے بلکہ اُسکو راوی یا ناقل کی غلطی یا اُنکی رائے کی آمیزش کا اثر بتلاوے اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف منسوب ہونیکو تسلیم کرکے خود آپکی نسبت کسی ضرورت و مصلحت وقت کے اتباع کا دعویٰ کرے اور چونکہ وہ مصلحت باقی نہین رہی لہذا اُس حکم کو بھی موجود نہ سمجھے غرض ہزارون حیلے نکالے مگر اُس حکم کو نہ مانے یا اگر مانے تو اعتقاد سے نہ مانے بلکہ بدنامی سے بچنے کو یا قومی شیرازہ کے منتشر نہونیکی ضرورت سے مانے یا اعتقاد ہی سے مانے مگر نشاط خاطر کے ساتھ نہ مانے بلکہ مذہبی مجبوری سمجھکر مانے (اور یہ اُن مین سب سے زیادہ سلیم و صالح طبائع کا حال ہے) اور یہ وہ مراتب ہین جو کم و بیش کفر سے سب ملے ہوئے ہین کوئی صریح کفر ہے کوئی خفی کفر ہے کوئی کفر بننے کو ہے کما لایخفی علی المتفطن السلیم جب دونون اعتقادون کے آثار جدا جدا معلوم ہوگئے اب ہر شخص کو مشاہدہ سے اپنے اندر بھی اور غیر کے اندر بھی ان آثار کا وجود و عدم معلوم ہوسکتا ہے اور اس سے ہمارے دعوے سابقہ کا صدق بخوبی واضح ہوجائیگا (اس مضمون کی شرح زیادہ تحقیق کے ساتھ مطلوب ہو تو مضمون عظمت وحی رقمزدہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جو القاسم کے نمونہ مین شائع ہوا ہے ملاحظہ فرمالیا جاوے) ہماری اس تقریر کے یہ معنی نہ سمجھین جاوین کہ احکام شرعیہ حکمت سے خالی اور عاری ہین حاشا وکلا بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُن کا اتباع اور اُنکی خاص عظمت کا اعتقاد فہم حکمت پر موقوف نہونا چاہیے ہان وہ خود ایک مستقل علم ہے کہ اسکو اسرار شریعت کا لقب دیا جاتا ہے مگر اُسکے اہل خواص عارفین ہین عوام الناس کو اُس سے بجائے نفع کے ضرر کا احتمال غالب ہے کئی وجہ سے۔ ایک تو اسلئے کہ اُنمین سب تو منصوص ہین نہین اجتہادی بکثرت ہین جن مین احتمال خطا کا بھی ہے سو اگر کبھی اُس کا غیر صحیح ہونا ظاہر ہوگیا اور عامی کے خیال مین اُس حکم کی وہی حکمت یقینی تھی تو اُسکے صحیح نہونیسے اُس حکم کو غیر صحیح سمجھ بیٹھے گا (بخلاف خواص کے کہ وہ اُسکو یقینی علت اور

مبنی حکم کا نہ سمجھین گے اس لیے حکم مین اُن کو کبھی کوئی خدشہ نہوگا۔) دوم اسلیے کہ کبھی کوئی مبنی اور حکمت صحیح معلوم ہوگی لیکن بعض اوقات وہ وجہ اور حکمت اس عامی کی نظر مین باوقعت نہین ہوگی تو اس حکم کو بھی بے وقعت سمجھنے لگیگا۔ سوم اس لیے کہ ہر حکمت علت نہین ہوتی بعض اوقات عامی اُسکو علت اور اصلی سبب سمجھکر کسی موقع مین اسکے موجود نہونے سے حکم ہی کے غیر موجود ہونے کا حکم لگا دیگا۔ چہارم یہ کہ ہر حکمت مقصود بالذات نہین ہوتی بعض اوقات عامی اُسکو مقصود بالذات سمجھکر کسی محل و موقع مین حکمت کے حاصل ہوجانیکو کافی سمجھکر تحصیل حکم کی ضرورت نہ سمجھےگا اور ان دونون صورتون (سوم و چہارم) مین اجتہاد باطل کا باب وسیع ہوجاویگا مثلاً سفر مین مشقت پر نظر کر کے قصر کا حکم دیا گیا ہی لیکن یہ علت نہین حتی کہ اگر سفر مین مشقت بھی نہو تب بھی قصر ہے اور اسیطرح وضو مشروع ہوا ہی حکمت نظافت و طہارت ہے لیکن اگر طہارت و نظافت حاصل ہو تب بھی وضو سے استغنا نہوگا۔ پنجم یہ کہ عامی مخالف دین کے مناظرہ مین اُسکو بیان کریگا اور اگر وہ یقینی نہین تو اسمین مخالف نے اگر خدشہ نکالدیا تو یہ مغلوب ہوجاویگا اور اسمین اسلام کو اور حق کو صدمہ پہونچیگا مثلاً کسی نے کتا پالنے کی ممانعت کی یہ حکمت بیان کی کہ اسمین صفت سبعیت کی ہوتی ہے اور اگر کسی نے اسمین یہ خدشہ پیدا کیا کہ تعلیم کے بعد سبعیت نہین رہتی پھر کیون ممنوع ہی تو یہ شخص بزبان حال اس حکم کو بے بنیاد کہیگا بخلاف راسخ فی العلم کے کہ وہ بجای اس حکمت کے یہ کہیگا کہ ہمارے آقای عظیم الشان کا یہ حکم ہے ہم نہین جانتے کیا مصلحت ہے تو اُس شخص پر کوئی خدشہ ہی نہین ہوسکتا یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات محکوم الجدت کی اسکے بعد اُس مضمون سابق مین اُن لوگونکی کوتاہی کا بیان ہی جنمین ظاہراً بعض آثار محبت کے بھی پائے جاتے ہین اسمین یہ بھی مذکور ہی کہ خود ان اعمال مذکورہ مین بھی جنکو عنوان محبت سے وہ اختیار کرتے ہین بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہین رکھتے اُس کا تتمہ یہ ہی کہ یہ لوگ بھی درحقیقت تینون حقوق کو ضائع کرتے ہین متابعت کی نفی تو ظاہر ہے لیکن اگر غور کیا جاے تو انکے قلب مین حقیقی عظمت و محبت بھی نہین گو زبان سے تعظیم و محبت کا دعویٰ کرتے ہین کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہین کہ اعتقاد عظمت کے لیے یہ لازم ہے کہ اپنے ارادے اُس معظم و مکرم کے ارادون کے سامنے فنا ہوجاوین چنانچہ کسی رئیس کے پاس کسی عظیم الشان با اختیار افسر کا حکم ضابطہ کا پانچ کا فوری حاضری کے لیے آئے اور فوری بھی ایسا کہ وہ حاکم دروازہ پر ٹھیر کر جلدی طلب کرے تو اُس وقت ہم اسکی حالت کا اندازہ اُسکی حرکات سے کرتے ہین کہ اُن مین اختیاریت کی شان پر اضطراریت کی حالت کو غلبہ ہوتا ہے حتی کہ اکثر امور اُس وقت معمول کے خلاف اُس سے سرزد ہوتے

لگتے ہین اور وقار و متانت سب مرتفع ہوجاتا ہے اور یہ سب علامت ہی فنار ارادہ کی اور منشا راس کا وہی اعتقاد عظمت ہے اور فنار ارادہ کے لیئے یہ لازم ہی کہ متابعت بتمیل ارشاد مین مبادرت و سبقت ہو جب متابعت نبوی نہو تو ظاہر ہے کہ حقیقی عظمت بھی دل مین نہوگی اور جسطرح غلبہ عظمت سے ارادہ فنا ہوتا ہی اسی طرح غلبہ محبت سے بھی فنار ارادہ پیدا ہوتا ہے گو دونون کیفیتین جدا جدا قسم کی ہین مگر فنار ارادہ دونون کے لیئے لازم اعم ہے جیسے حرارت کہ نار کو بھی لازم ہی اور دھوپ کو بھی بس جسطرح حرارت کے نہونے سے دھوپ اور آگ کا معدوم ہونا لازم آتا ہے اسی طرح جب متابعت نہوگی محبت و عظمت دونون کے معدوم ہونیکا حکم کیا جاویگا اسی معنی مین حضرت عبداللہ بن المبارک کا ارشاد ہے۔

لوكان حبك صادقا لاطعته ۔۔۔ ان المحب لمن يحب مطيع

البتہ ادنی درجہ کی محبت و اعتقاد عظمت کا انکار نہین کیا جاتا لیکن شرعاً مطلوب ہے ان دونون کا غلبہ اور قوت جیسا کہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین اور ان لوگون کا دیگر امور شرعیہ مین متابعت نکرنا تو ظاہر ہے چنانچہ مضمون مذکور مین کچھ اسکی تفصیل بھی ہے لیکن خاص اُن امور مین جن کو وہ عنوان محبت سے اختیار کرتے ہین اس متابعت کا معدوم ہونا اُس مضمون مین مجملاً بیان کیا گیا ہے کہ اُن مین بھی بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہین رکھتے اسکی تفصیل اُن لوگون کے ان طریقون کے دیکھنے سے ہوسکتی ہی مثلاً یہ کہ آپکی مدائح مین اسقدر غلو اور مبالغہ کرتے ہین کہ اُسمین دوسرے حضرات انبیا اور ملائکہ علیہم السلام کی شان مین گستاخی ہوجاتی ہے۔ مثلاً ؎

بر آسمان چہارم مسیح بیمار است ۔۔۔ تبسم تو برائے علاج درکار است

اور مثلاً ؎ شب و روز لڑکے صاحبزادونکا گہوارہ جنبان تھا * عجب ڈھب یا دتھا روح الامین کو بھی خوشامد کا

نصوص قرآنیہ وحدیثیہ مین ان حضرات مقدسین کے تعظیم و ادب کا حکم وارد ہی بس ایسے طریقہ مین ترک متابعت نبویہ ہی اور یہ کہ بعض اوقات خود حضرت حق جل و علی شانہ کی حضور مین گستاخی ہوتی ہے مثلاً ؎

پے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسف ۔۔۔ محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھلیا قد کا

اور مثلاً۔ طواف کعبہ مشتاق زیارت کو بہانہ ہے ۔۔۔ کوئی ڈھب چاہیئے آخر رقیبونکی خوشامد کا

نعوذ باللہ منہ اسکو ترک متابعت کی سب سے بُری مثال سمجھنے مین کسکو کلام ہوسکتا ہے اور یہ کہ بعض اوقات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک مین گستاخی ہوجاتی ہے مثلاً اس مصرعہ سے حضور پرنور کو مخاطب بنانا

ای نرگس شہلائی تو آوردہ رسم کافری ✤ آلہی توبہ اسکو ترک متابعت کہکر ترک تعظیم کی دلیل بنانے کی کچھ ضرورت نہین اسکا ترک تعظیم ہونا خود ظاہر ہے اور یہ کہ روایات موضوعہ فضائل مین بیان کرتے ہین جسپر حدیث نبوی مین سخت وعید وارد ہے ظاہر ہے کہ حدیث کے خلاف کرنا ترک متابعت ہے اور یہ کہ ان مدائح وفضائل کے بیان مین بہت سے منکرات اعتقادیہ وعملیہ کو منضم کرلیا ہے ایک ممنوع شرعی تو خود ان چیزون کو ضم کرلینا اور ملا لینا ہے پھر ان ناپسند چیزون کو مستحسن اور پسندیدہ سمجھنا اور اُنپر اصرار کرنا دوسری خرابی ہے پھر جو شخص اُن منکرات کی اصلاح کرے اُس سے عناد وبغض رکھنا یہ تیسری خرابی ہے غرض اُنکے یہ طریقہ ہمارے اس دعوی کی پوری دلیل ہین کہ اُن مین متابعت نہین ہے شرح نمبر مضمون متعلق حضرات مدعیان محبت کی اسکے بعد اُس مضمون سابق کے اخیر مین اُن لوگون کی کوتاہی کا بیان ہے جو متابعت ظاہری کا اورون سے زیادہ اہتمام کرتے ہین مگر اُن مین تعظیم وادب اور شوق ومحبت کی شان کم ہے اس بیان کی شرح یہ ہے کہ انہین غلبۂ ادب اور غلبۂ محبت کی کمی تو ظاہر ہی لیکن نظر غائر سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان مین متابعت ہی کامل نہین کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قولیہ وعادات فعلیہ کو دیکھنے سے بداہتہً بلکہ حسًّا ثابت ہوتا ہے کہ یہ طرز خاص خشونت ـ تقشف تعسیر وتنفیر کا آپکو سخت ناپسند ہے اور جب یہ امور حضور کو پسند نہین اور برخلاف اسکے قرآن حدیث مین خود حضور کی توقیر وادب اور محبت مین اپنی جان پر بھی آپکی ترجیح اور امت کے ساتھ تبشیر وتیسیر کے احکام وارد ہین تو ان مین خلل اندازی کرنا متابعت کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتا ہے اور اسمین مراتب مختلف ہین بعض تو حد خسران تک پہونچ گئے ہین ادب یا محبت کے حقوق واجبہ اعتقادیہ یا عملیہ کو کھو بیٹھے ہین مثلاً معتزلہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام کو اور اسیطرح جمیع انبیاء علیہم السلام سے تمام ملائکہ علیہم السلام کو افضل بتلاتے ہین جسکا جواب کتب کلامیہ مین مفصل و مدلل مذکور ہے یہان صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر مختصر طور پر سمجھ لینا چاہیئے ۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل پر

ان لوگون کو شبہ ہوگیا ہے کہ قرآن مجید سے جبرئیل علیہ السلام کا آپکے لیئے معلم ہونا منصوص ہے اور ظاہر ہے کہ استاد بحیثیت استادی شاگرد سے افضل ہوتا ہے اور اگر معلم کے افضل ہونیکو تسلیم نہ کیجیے تو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا امت سے باعتبار علم کے افضل ہونا ثابت نہوگا حالانکہ آپ اس حیثیت سے بھی بالاتفاق افضل ہین جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ معلم کی دو حیثیتین ہوتی ہین ایک محض مبلغ وسفیر ہونا ہے جسکے متعلق محض بات کا پہونچا دینا ہے اسمین معلم کا افضل ہونا

ضروری نہین اگر بادشاہ اپنے وزیر کے پاس کسی خاص قاصد کے ہاتھ کوئی پیام بھیجے تو یہ قاصد وزیر سے افضل ہوجاویگا دوسری حیثیت استاد و اتالیق ہونا جسکے متعلق متعلم و شاگرد کی تربیت بھی ہے اسمین معلم کا افضل ہونا ضروری ہے سو جبریل علیہ السلام آپ کے معلم بالمعنے الاول ہین نہ بالمعنی الثانی۔ کیونکہ مربی بمعنی ثانی اتالیق و تربیت دہندہ حسب تصریح حدیث علمنی ربی فاحسن تعلیمی وادبنی ربی فاحسن تادیبی خود حضرت جل وعلا شانہ بلاواسطہ ہین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے معلم بمعنے ثانی ہین پس آپکی اور جبریل کی معلمیت مین بڑا فرق ہے پس معتزلہ کی یہ بہت بڑی گمراہی ہے [illegible] اور مثلاً مین نے ایک مقام پر بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک صاحب نے ایک حدیث ڈھونڈنے کے لیے موطا امام مالک کا نسخہ الماری مین سے نکالا اور اسکو کھڑے کھڑے فرش پر زور سے پٹک کر مارا اہل مجلس مین سے ایک شخص نے کہا کہ [illegible] حدیث کی بے ادبی تو وہ جواب مین فرماتے ہین مین نے بے ادبی کیا کی ہے اسکی گرد جھاڑی ہے جب قیامت مین انکی گرد جھڑیگی تب حقیقت معلوم ہوگی۔ سنو اس خشک دماغی کا اضلال ہے عمل واجب مین۔ اللہم احفظنا و نعم ما قیل سے

از خدا جوئیم توفیق ادب ۔ بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
از ادب پرنور گشت است این فلک ۔ از ادب معصوم و پاک آمد ملک
بد ز گستاخی کسوف آفتاب ۔ خود عزازیل ز جرات رد باب

حدیث مین ایک گستاخ کا قصہ آیا ہے کہ وہ بائین ہاتھ سے کھاتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنے ہاتھ سے کھانیکو فرمایا اُسنے براہ بےادبی کہا کہ مین داہنے ہاتھ سے کھا نہین سکتا آپ نے فرمایا کہ (خدا کرے) تو اس سے کھا ہی نہ سکے بس وہ فوراً اشل ہوگیا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپکی طرف بیدھڑک ہوکر نہ دیکھنا اور ایک بزرگ کا اس سوال کے جواب مین کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہین مگر عمر میری زیادہ ہے کیا قوی ادب کا کافی نمونہ نہین ایک بزرگ کا اس سننے کے بعد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان ہاتھ مین لی تھی تمام عمر بلا وضو کمان کو مس نہ کرنا کیا قابل التفات و تقلید نہین ہے۔ اسی طرح حضرات صحابہ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک و شمائل و طرز عمل پوچھتے چنانچہ شمائل ترمذی کی روایتین اسمین صریح ہین۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رح خاص آستانہ مبارکہ پر سلام پہونچانیکے لیے قاصد کی ڈاک کا انتظام کرتے تھے جمہور امت مدینہ طیبہ کی حاضری کا اہتمام کرتے رہے۔ اکثر سلف درود شریف کی کثرت رکھا کرتے تھے خود حدیث مین ہے کہ جس مجلس مین اللہ تعالی کا ذکر اور درود شریف نہو وہ مجلس اہل مجلس کے حق مین موجب حسرت ہے اس سے معلوم ہوا کہ گو یہ امور موکد نہون مگر انکی کمی موجب حسرت و حرمان ہے اور یہ [illegible]

کمی سے حرمان ہوتا ہے اسی طرح اسکے اہتمام والتزام سے گونان گون برکت وفیضان ہوتا ہے دنیا مین بھی اور آخرت مین بھی پھر دنیا مین دنیوی بھی اور اخروی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی کو جبکہ اُنہون نے کئی بار سوال جواب کے بعد یہ عرض کیا کہ بس اب مین تمام وظائف کی جگہہ درود ہی ٹھیرالون گا یہ ارشاد فرمانا کہ تو پھر تمھارے سب گناہ معاف ہوتے رہینگے اور سب فکرونکی کفایت ہوتی رہیگی اسکی کافی دلیل ہے اسوقت ایک عجیب الشان عظیم المکان فیضان کی حکایت یاد آتی ہے اسی پر اپنے مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہون جس سے ثابت ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق بڑھانے سے خود آپ کی عنایتین کیسی مبذول ہوتی ہین - اس حکایت کو امام جلال الدین سیوطی رح نے اپنے رسالہ شرف محتم مین سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہین شیخ کمال الدین سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عز الدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عز الدین عمر سے رحمہم اللہ تعالی کہ مین ۵۵۵ھ ہجری مین حضرت سید احمد رفاعی رح کے ساتھ سفر حج مین تھا جب وہ مدینہ طیبہ پہونچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انھون نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا السلام علیکم یا جدی وہان سے جواب عطا ہوا وعلیک السلام یا ولدی کہ اسکو تمام اہل مسجد نے سُنا حضرت سید احمد رفاعی رح پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رویا کیے اور شدت شوق مین عرض کیا یا جداہ ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا ۔ تقبل الارض عنی وہی نائبتی ۔ وہذہ دولۃ الاشباح قد حضرت ۔ فامدد یمینک کی تحظی بہا شفتی

یعنی اے نانا جان حالت بُعد مین اپنی روح کو حضور مین بھیجا کرتا تھا وہ نائب بنکر زمین بوس ہو جاتی تھی اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایان دست مبارک بڑھا دیجئے تاکہ میرا لب اُسکے بوسہ سے مشرف ہو جاے بس فوراً آپکا دست مبارک چمک اور مہک کے ساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزارون آدمیون نے زیارت کی اور سید رفاعی رح نے اُس کا بوسہ لیا اور اسکے بعد بلا سند دوسرا قصہ انہی کا لکھا ہے کہ جب سال آئندہ پھر حاضر ہوئے تو نہایت انکسار و مسکنت کے ساتھ عرض کیا ؎ ان قیل زرتم بما رجعتم ۔ یا اکرم الرسل ما نقول ۔ یعنی اگر لوگ ہمسے پوچھین کہ تم زیارت کرکے آئے تو کیا لیکر آئے تو ہم جواب مین کیا کہین قبر شریف سے آواز آئی جسکو تمام حاضرین مسجد نے سُنا ؎ قولوا رجعنا بکل خیر ۔ واجتمع الفرع والاصول ۔ یعنی تم یون کہنا کہ ہم ہر طرح کی خیر لیکر آئے اور فروع و اصول جمع ہو گئے کیا یہ فضائل قابل رشک نہین سو یہ بھی تو سوچنا چاہیے کہ بجز کمال اتباع وکمال محبت وکمال اعظام واجلال کے اس دولت کا سبب اور بھی کوئی امر ہے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون ولمثل ہذا فلیعمل العاملون یہ معاملات تو براہ راست آپکے ساتھ عمل مین لائے گئے ہین باقی آپکے اہل تعلق اہل صحبت اہل قرابت اہل ملت (یعنی خواص و عوام امت) کے ساتھ

بھی ادب و محبت شفقت و رحمت و خدمت کرنا علی حسب تفاوت مراتبہم یہ سب بھی متمم ہین آپکے ساتھ معاملہ رکھنے کے جن مین سے بعض واجب ہین کہ انُ مین خلل اندازی سے خسران و معصیت ہوتی ہے اور بعض مستحب ہین جن سے اعراض کرنا مفلسی و محرومی کا باعث ہے - یہ بیان تھا انُ لوگون کا جو شوق مین کمی اور ادب مین خلل کرنیوالے ہین پس محقق وہ ہے کہ سب مراتب حسیہ و معنویہ واجبہ و مستحبہ کا جامع ہو کما قیل ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

گاہ در دل سازو گہ در دیدہ جا
ہر دو جائے تست یا بدر الدجے

مگر بمقتضائے آیۃ لا تغلوا فی دینکم و آیت تلک حدود اللہ فلا تعتدوہا یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ ان مین جو لوگ مندوبات (مستحبات) مین کمی کرنیوالے ہین اُنپر ملامت یا اُنکی تحقیر یا اُنپر تشدد یا اُن سے نفرت رکھنا یہ خود بوجہ تجاوز عن الشرع النبوی کے احداث فی الدین اور موجب ناخوشی سرکار نبوی و علامت ترک اتباع و خلاف ادب و منافی تعظیم دربار مصطفوی ہے مسند احمد مین ایک حدیث اس باب مین صریح ہے کہ ایک صحابی نوافل کو چھوڑے ہوئے تھے نماز مین بھی روزے مین بھی صدقہ خیرات مین بھی دوسرے صحابی اُن سے نفرت رکھتے تھے حضور پرنور مین یہ مقدمہ پیش ہوا آپنے اُن نفرت کرنیوالے صحابی کے انکار کو ناپسند فرمایا احقر نے اپنے رسالہ حقیقۃ الطریقہ مین یہ حدیث پوری نقل کی ہے و لنعم ما قیل ؎ بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ۔ و لیکن میفزائی بر مصطفےٰ ۔ البتہ ایسے لوگونکو اگر نرمی و ترغیب سے تکمیل مراتب مستحبہ کیطرف متوجہ کیا جاوے عین خیر خواہی و مطلوب فی الدین ہے اور ایک ضروری امر قابل تنبیہ یہ ہے کہ بعض اوقات شوق و محبت نبویہ کی کمی کا غلط شبہ ہو جاتا ہے اور یہ شبہ توقیر و توجہ الی الذات کے غلبہ کے محل مین غیر عارف کو ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع وہ بھی محبت نبویہ ہی کا ایک لون ہے شرح اسکی رسالہ نشر الطیب مین بضمن حکمت درود شریف کی ہے بس شرح ضروری سب حالات کی ختم ہوئی اور طریق اصلاح سب کا بقدر کافی اصل مضمون مین مذکور ہو چکا ہے اسمین شرح کی حاجت نہ سمجھی اصل مضمون کو دیکھکر سب اپنی اصلاح کر سکتے ہین ان ارید الا الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب ان ربی قریب مجیب

اصلاح معاملہ بہ نماز

بعد ایمان اعمال مین نماز کا جو درجہ ہے وہ کسی عمل کو حاصل نہین اور اسکا مقتضا یہ تھا کہ مسلمانونکو اس کا ایسا خاص اہتمام ہوتا کہ اُس مین کوئی نقص نہ رہتا مگر ہماری کم توجہی و غفلت نے اُسکو بھی کوتاہیون سے خالی نہ چھوڑا جن مین

سے بعض کا بیان اس موقع پر کیا جاتا ہے اور اسکے قبل یہ امر بھی قابل عرض کر دینے کے ہے کہ نماز مین اختلال کا جو وبال ہے وہ اس خاص حیثیت کے اعتبار سے بہ نسبت دوسرے اعمال کے اختلال کے زیادہ ہے کہ نماز فرض ہے اور ہر دن رات مین پانچ بار فرض ہے اسمین کوتاہی کرنا حق تعالی کو دن بھر مین پانچ بار ناخوش کرنا ہے بخلاف دوسرے اعمال کے کہ بعض فرض نہین اور یا فرض ہین تو روزانہ فرض نہین جیسے روزہ کہ سال بھر مین فرض ہوتا ہے اور زکوۃ کہ وہ بھی سال بھر مین فرض ہوتی ہے اور حج کہ عمر بھر مین ایک بار فرض ہوتا ہے اور زکوۃ اور حج تو سب پر فرض بھی نہین ہوتا یہ تفاوت تو نماز کو اور افعال سے ہے اب رہگئے تروک جو فرض ہین یعنی معاصی کا ترک کرنا کہ وہ بھی روزانہ بلکہ ہر وقت فرض ہین مثلاً زنا غیبت کا ترک کرنا ہر وقت فرض ہے اور اس امر مین یہ تروک بھی مثل نماز کے فرض دائمی ہین مگر اسپر بھی انکا اختلال نماز کے اختلال سے دو وجہ سے کم ہے ایک یہ کہ یہ تروک ارکان اسلام سے نہین کیونکہ فرائض سب ارکان نہین تو اس اختلال سے ارکان کی تفویت لازم نہین آئی گو معصیت اس سے بھی ہوئی اور نماز رکن اسلام سے ہے تو اسکے اختلال سے ایک رکن کی تفویت لازم آئی اور رکن کو نظر شارع علیہ السلام مین ایک خاص مقصودیت و اہمیت ہے اسلیئے رکن کا فوت ہونا شارع کو زیادہ ناگوار ہوگا دوسری وجہ یہ کہ بشہادت حس ترک سہل ہوتا ہے فعل سے کیونکہ ترک مین اکثر احتیاج اہتمام نہین اور فعل مین اہتمام کی حاجت ہے اور جو چیز سہل ہوتی ہے اُس کا وقوع اکثر ہوتا ہے اس لیئے جو تروک فرض ہین ان کا وقوع اکثر ہوگا اور اختلال کم اور جو افعال فرض ہین اگر پورا اہتمام نہ کیا جاوے تو اُن کا اختلال اکثر ہوگا اور وقوع کم پس نماز مین اختلال کا احتمال زیادہ ہوا اور ان تروک مفروضہ مین کم اور یہی مدعا تھا پس ثابت ہوگیا کہ تمام اعمال مین خواہ وہ وجوبی ہون یا عادی ہون نماز مین کوتاہی کرنیکا ضرر اکثر و اشد ہوگا اسلیئے اسکی اصلاح نہایت مہتم بالشان ہوئی اسکے بعد بطور نمونہ کے بعض اُن کوتاہیون کا ذکر ہوتا ہے جو کثیر الوقوع ہین تاکہ اُنپر تنبہ اور اُنکی اصلاح کیطرف توجہ ہو سو ایک کوتاہی جسکے کوتاہی ہونے مین کوئی خفا ہی نہین یہ ہے کہ بہت لوگ خود نماز ہی کے مطلقاً پابند نہین ہین اسکے معصیت ہونے مین تو کلام کرنیکی اسلیئے ضرورت نہین کہ متفق علیہ ہے البتہ یہ حضرات جو اسمین عذر پیش کیا کرتے ہین اُنکی نسبت مختصراً کچھ لکھا جاتا ہے بعضے یہ عذر کرتے ہین کہ ہمکو دنیا کی ضروریات سے اتنی فرصت ہی نہین ہوتی مگر غور کرنیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض بہانہ بازی و سخن سازی ہے سبب اصلی بے پروائی و لاابالی پن ہے کم فرصتی مانع نہین کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ جسروز یا جسوقت انکو فرصت ہوتی ہے تب بھی انکو نماز کیطرف توجہ نہین ہوتی اگر یہ امر مانع تھا تو اس حالت مین تو یہ مانع مرتفع تھا پھر ترک کی کیا وجہ اس سے معلوم ہوا کہ اصلی مانع بے پروائی ہے جو اس حالت مین بھی مشترک ہے دوسرے اگر یہ مانع ہوتا تو اگر وقت پر فرصت نہ تھی اور اسلیئے ادا نہ پڑھ سکے تھے تو قضا کے لیئے تو کوئی وقت

خاص نہین اور کسی نہ کسی وقت تو فرصت ہوتی ہی اسوقت مین قضا پڑھ لیتی جیسے نماز کی پابندی والون کی عادت ہے
کہ اگر کسی روز وقت نکلجاتا ہی تو اہتمام کرکے قضا پڑھتے ہین غیرہ اگر بے پروائی سبب نہوتا تو اس کوتاہی پر قلق ہوتا
جیسا مطالبات دنیویہ کے فوت ہونے پر مدتون حسرت ہوتی ہے اسکی فکر لگجاتی ہی اسکی تلافی کی کوشش کرتے ہین تدبیرین
پوچھتے پھرتے ہین کیا ان بے نمازون کو اس فکر و کوشش اور اس قلق و سوزش مین دیکھا جاتا ہے ان قرائن سے سبب
اصلی کی اچھی طرح تشخیص ہوگئی اسکے علاج کے لیے دو امر کی ضرورت ہی ایک یہ کہ تارک نماز کے وعیدات مین غور کیا کرین
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو کافر فرمایا ہے خواہ تاویل ہی سے فرمایا ہو اور ایسے شخص کا دوزخ مین جانا
پھر فرعون - ہامان - قارون کے ساتھ جانا ارشاد فرمایا ہی اور قیامت مین سب سے اول پرسش نماز ہی کی ہوگی
اور ان وعیدون کی تقویت کے لئے دوزخ کے حالات پڑھا اور سنا کرین انشاءاللہ تعالیٰ بے پروائی جاتی رہیگی دوسرا
امر یہ کہ اپنے نفس پر جبر کرے کہ بدون ہمت کے کیسا ہی آسان کام ہو دشوار ہو جاتا ہے اور جبر کی دو صورتین ہین ایک
یہ کہ کسی کو اپنے اوپر مسلط کردے کہ وہ زبردستی اسکو وقت پر اُٹھاکر کھینچ کر نماز پڑھوا دیا کرے دوسری صورت یہ کہ نماز کے
ترک ہونے پر کچھ ہی جرمانہ اپنے نفس پر مقرر کرے جسکی مقدار اتنی ہو کہ نہ بہت قلیل ہو کہ نفس کو کچھ ناگوار ہی نہو
نہ بہت کثیر ہو کہ اُس کا ادا کرنا مشکل ہو جاوے جب نماز ترک ہو وہ جرمانہ مساکین کو دیدیا کرے اور یہ صورت جرمانہ کی
سنت کے موافق ہی کہ نسائی کی روایات مین ترک جمعہ و جماع فی الحیض پر تصدق کا امر آیا ہی دوسرون سے جرمانہ لینا
بوجہ حدیث الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ علماء کے نزدیک منسوخ ہی اور جائز نہین یا کوئی بدنی جرمانہ مقرر
کرے اُسکے بھی دو طریقے ہین ایک طریقہ یہ کہ اسپر عبادت کی مشقت ڈالی یعنی مثلاً ایک نماز فوت ہو تو اُس کو
قضا کرے اور بیس رکعت نفل مثلاً پڑھے نفس دو تین چار مرتبہ مین ٹھیک ہو جاویگا دوسرا طریقہ یہ کہ اسپر عادت
کی مشقت ڈالی یعنی مثلاً ایک نماز قضا ہو تو ایک وقت کھانا نہ کھاوے اگر دو نمازین قضا ہون دو وقت کھانا
نہ کھاوے چونکہ نفس پر یہ بہت شاق ہوگا بہت جلدی اس سے صلح کرلیگا بعضے بزرگون نے یہ معمول کر رکھا تھا کہ جسشب
تہجد قضا ہوتا تھا اپنے بدن پر کئی کئی قمچیان توڑ ڈالتے تھے اور فرماتے کہ اگر تو پھر ایسا کریگا مین پھر ایسا ہی کرونگا
بعض معاصی پر شریعت مین روزے کے ساتھ کفارہ مشروع ہونا اور خود ترک صلوۃ پر فقہا کا تعزیر کو جائز کہنا
اس مشقت عادیہ کا ماخذ ہو سکتا ہی بعض لوگ حالت صحت و حضر و فراغ مین تو پابند ہوتے ہین مگر مرض و سفر و شغل
مین پابند نہین رہتے اس کا سبب بھی بجز ضعف ہمت و بیفکری کے کچھ نہین اگر آدمی کسی کام کا ارادہ و فکر کرتا ہے
کچھ نہ کچھ صورت اسکی بن ہی جاتی ہی ادنی بات ہی کہ اگر ان حالات مین پیشاب پاخانہ کا دباؤ ہو تو کیا اسکی ضرورت ہے

تھوڑی دیر کیلیے سفر یا شغل کو منقطع کرنا نہین پڑتا یا مرض کی حالت مین اُٹھنا نہین پڑتا اور کیا اُٹھتا نہین پھر فرق
بجز اسکے کیا ہی کہ اُسکو ضروری سمجھکر اُس کا ارادہ کرتا ہی اور یہ احوال مانع نہین ہوتے اور نماز کو غیر ضروری سمجھکر اُس کا
ارادہ نہین کرتا اور وہ مانع ہو جاتا ہی اور اس سے زیادہ کونسی حالت افسوسناک ہوگی کہ پیشاب پاخانہ کی ضرورت سے
تو عین موانع مین وقت نکل آتا ہی اور نماز کی ضرورت سے وقت نہین نکلتا پھر خاصکر سفر و مرض مین تو رعایتین و
تخفیفین بھی بہت سی دیگئی ہین مثلاً پانی پر قدرت نہو تو تیمم جائز ہے اور قیام پر قدرت نہو تو قعود جائز ہی
ارکان پر قدرت نہو اشارہ جائز ہی قبلہ معلوم نہو تحری جائز ہے جن کے احکام کی تفصیل کتب فقہ مین مذکور ہے
یہان سے ریل مین سوار ہو کر نماز بن چھوڑنیوالون کے عذر کا اور گھر کے کاروبار مین مشغول ہونیوالیون کے عذر کا
بار دو لچر ہونا معلوم ہوگیا ہوگا بالخصوص بیماری مین نماز چھوڑنا اور بھی محل افسوس ہی کیونکہ ہر بیماری پیغام
موت ہی گو اُس درجہ سخت ہی ہو جاوی مگر وہ حالت تو اُسکی محتمل ہی کہ شاید موت کا سبب ہو جاوی سو اس حالت مین
تو نماز و انابت الی اللہ کا اور زیادہ اہتمام چاہیے تاکہ اگر مری تو خاتمہ بالخیر ہو اسمین غفلت سخت تعجب انگیز ہے بعضے بیمار
اسلیئے نماز چھوڑ دیتی ہین کہ اُن کا کپڑا اور بدن پاک نہین ہوتا خواہ بیماری چند روزہ ہو یا ممتد مثل سلسل البول
وغیرہ کے ہو مگر یہ عجیب ہے اسلیئے کہ دو حال سے خالی نہین یا تو وہ اُن کے پاک کرنے پر بلا ضرر قادر ہین یا نہین اگر
قادر ہین تو عذر کیسا اور اگر قادر نہین تو وہ معذور ہین اُن کو اسی حالت مین نماز کا حکم ہے اور وہ نماز اُنکی صحیح
اور کامل ہی پھر اُن کو اپنی رائے اور طبیعت سے اُس کو ناجائز یا بیکار اور ناقص سمجھنے کا کیا منصب ہے ایک حالت
خاص عورتون کو علی الدوام پیش آتی ہی جس کے احکام نہ جاننے سے یا جانکر بے پروائی کرنیسے بڑی بڑی پابند
اور دیندار عورتون کی نمازین کھنڈت پڑ جاتی ہے اور وہ حالت انقطاع حیض کی ہی حکم تو یہ ہی اگر انقطاع
حیض کا وقت نماز کا اخیر وقت ہو اور اتنا ہی باقی ہو کہ جلدی جلدی بدون سر مین سرسون یا کھلی ڈالکر دھوے
یا بدن کا میل اُتارے تمام بدن پر پانی بہا کر کپڑے پہنکر ایکبار اللہ اکبر کہہ سکے تو اُس وقت کی نماز اُسکے ذمہ فرض
ہو جاتی ہی اور گو اُس وقت تکمیل کی گنجائش نہین مگر ثمرہ اُس فرض ہونیکا قضا مین ظاہر ہوگا یعنی اسکو تمام دوسرے
وقت قضا کرنا پڑیگا اور جن نمازون کا پورا وقت انقطاع کے بعد ملا ہی اُن نمازون کا تو ادا پڑھنا فرض ہوگا اب
عموماً عورتون مین بے پروائی دیکھی جاتی ہی کہ اول تو وہ اس کا خیال نہین رکھتین کہ حیض کس وقت منقطع ہوا ہی ممکن ہے
کہ وہ کسی نماز کے اتنے اخیر وقت مین منقطع ہوا ہو جسمین غسل ضروری و تکبیر تحریمہ کی گنجائش ہو اور اسلیئے وہ نماز اُنپر
فرض ہوگئی ہو لہذا اُنکے ذمہ یہ ضرور ہی کہ ہر نماز کے اخیر وقت مین ضرور پاکی ناپاکی کو دیکھ لیا کرین تاکہ اُنکو معلوم

ہوسکوکہ فلان وقت کی نماز بھی ہمارے ذمہ فرض ہوگئی دوسرے بعد علم انقطاع کے بھی پورے پورے کئی کئی وقت غسل مین دیر کرکے ٹال دیتی ہین اور پھر غضب یہ ہو کہ ادا نہ کرنیکا گناہ تو اپنے سر لیا ہی تھا ان اوقات کی نمازون کو قضا بھی نہین پڑھتین اور اسطرح سے ہر مہینہ انکے ذمہ کئی کئی نمازین چڑھتی چلی جاتی ہین جن کا مجموعہ عمر بھر مین ایک بڑی مقدار کو پہونچتا ہو اگر ہر مہینہ مین ہی تین نمازین جمع ہوتی رہین تو سال بھر مین چھتیس اور تیس برس مین ایکہزار سے زیادہ ہوتی ہین پھر انکی نہ حیات مین قضا ہے نہ مرنیکے وقت انکے فدیہ کی وصیت ہے آخر انھون نے قیامت کے لیے کیا جواب تیار کر رکھا ہو اور پھر اسپر یہ گمان کہ ہم نماز کے پابند ہین جب قیامت مین یہ غلطی خلاف توقع ظاہر ہوگی اس وقت کیا حال ہوگا ان سب کا علاج بھی وہی دو امر ہین جو اوپر مذکور ہوے یعنی وعیدون مین غور کرنا اور نفس پر جبر کرنا اور جو غلطی احکام نہ جاننے سے ہو اُسکے لیے احکام کا سیکھنا پوچھنا اور چونکہ عورتون کو غالب احوال مین پوچھنے کا سامان کم میسر ہوتا ہو اسلیے مردون پر واجب ہے کہ اپنے متعلقین کو احکام شرعیہ بتلاتے رہین جو نہ معلوم ہون علماء سے تحقیق کرکے بتلاوین اور عورتون پر واجب ہے کہ جو صورت پیش آوے گھر کے مردون کو فرمایش کرین کہ وہ علماء سے پوچھکر اُن کو بتلاوین اور اگر گھر کے مرد غفلت کرین دوسرے شخص کے واسطہ سے تحقیق کرین اگر کوئی توجہ نکرے تو خود علماء کے گھر جاکر اُنکے محارم یا بیبیون کے ذریعہ سے دریافت کرین ورنہ گناہگار ہونگی اور ضروری احکام پوچھنے کے لیے جب جانیکی ضرورت ہو اگر شوہر جانے سے منع کرے تو اُسکی اطاعت واجب بلکہ جائز بھی نہین اور اگر لکھنا آتا ہو تو جانیکی ضرورت نہین بذریعہ خط کے دریافت کرتی رہین اور یہ جب ہے جبکہ کوئی مرد خاندان کا اُنکے کہنے سے علماء سے مسئلہ پوچھکر ان کو نہ بتلاوے ورنہ کسی کو خط لکھنا یا کہین جانا اپنے شوہر کے خلاف مرضی جائز نہین

بعضی عورتون کے پابند نہونیکا ایک سبب اور ہو وہ یہ کہ ایسی طبائع کم ہین جو محض خدا کی خوف سے بجا آوری احکام کا اہتمام کرتی ہون زیادہ سبب مداومت کا عادت ہے سو چونکہ عورتون کو ہر ماہ مین بوجہ ایام معمولی کے کئی کئی روز تک نماز پڑھنے کا اتفاق نہین ہوتا اسکا اثر بعد پاک ہونیکے بھی یہ رہتا ہے کہ بعض اوقات نماز مین سستی ہوجاتی ہے گو اس کا اصلی علاج تو یہی ہو کہ خدا تعالیٰ کا خوف دلمین پیدا کیا جاوے مگر سبب ظاہری کا علاج کہ وہ بھی ایک درجہ مین کافی ہو وہ ہو جسکو فقہاء نے ذکر فرمایا ہو کہ عورت کو حالت حیض مین بھی مستحسن ہے کہ نمازون کے اوقات مین وضو کرکے مصلے پر جا بیٹھے اور تھوڑی دیر تسبیح و تہلیل مین مشغول رہے اس سے وہ عادت محفوظ رہتی ہو اور جو سستی ترک عادت کے سبب ہوسکتی ہو وہ نہین ہوتی۔

بعضے بے نمازون کا عذر شرعی پیرایہ لیے ہوئے ہے۔ کہتے ہین کہ نماز بدون خضوع قلب کے ہوتی نہین اور حضور قلب ہم سے

ہو نہین سکتا اس لئے نماز ہی چھوڑ دی درحقیقت اس استدلال مین انھون نے خلط و تلبیس سے کام لیا ہی کیونکہ جس حضور
قلب پر نماز کی صحت یا کمال موقوف ہے وہ اور ہی اور جو ہمارے امکان سے خارج ہی وہ اور ہی تو دونون مقدمون مین
حد اوسط مکرر نہین لہذا یہ استدلال غلط ہی تفصیل اسکی یہ ہی کہ حضور قلب کے مراتب مختلف ہین ایک مرتبہ وہ ہے
جسکو فقہا نیت کہتے ہین اور وہ موقوف علیہ ہے صحت صلوٰۃ کا یعنی بدون اسکے نماز ادا ہی نہین ہوتی
اور دوسرا مرتبہ وہ ہی جسکو خشوع کہتے ہین جسکی حقیقت انشاءاللہ تعالی عنقریب مذکور ہوگی اور وہ موقوف
علیہ ہے کمال صلوٰۃ کا یعنی اسکے نہونے سے نماز صحیح تو ہو جاتی ہی مگر کامل نہین ہوتی تیسرا مرتبہ وہ ہی جسکو قطع وساوس
سے تعبیر کرنا مناسب ہے یعنی اصلا کسی قسم کا خطرہ نہ آوے اور یہ ایک قسم کا استغراق اور حال ہے اسپر نہ صحت صلوٰۃ
کی موقوف ہی اور نہ کمال صلوٰۃ کا البتہ فی نفسہ ایک محمود حالت ہے گو مقصود نہین اور اول اور دوسرا مرتبہ
اختیاری اور مقدور اور شرعاً مامور بہ ہے اور اول مقدمہ مین یہی مراد ہی اور تیسرا مرتبہ غیر اختیاری اور غیر مقدور
اور شرعاً غیر مامور بہ ہے اور دوسرے مقدمہ مین یہی مراد ہی جب حد اوسط مشترک نہین تو نتیجہ کیسے نکلیگا اور اگر دونون
مقدمون مین ایک ہی مراد ہو تو پھر ایک مقدمہ باعتبار مادہ کے غلط ہوگا مثلاً اگر دونون جگہہ مرتبہ اول یا ثانیہ مراد
ہو تو اول مقدمہ صحیح ہوگا مگر دوسرا مقدمہ غلط ہوگا کیونکہ مرتبہ اول و ثانیہ مقدور ہے جیسا ابھی بیان ہوا اور مقدور کو غیر مقدور کہنا
غلط ہوگا اور اگر دونون جگہہ مرتبہ ثالثہ مراد لیا جاوے تو دوسرا مقدمہ صحیح ہوگا مگر پہلا مقدمہ غلط ہوگا کیونکہ مرتبہ ثالثہ
شرعاً غیر مامور بہ ہے جیسا ابھی بیان ہوا اور غیر مامور بہ کو مامور بہ کہنا غلط ہوگا جیسا مقدمہ اولی مین لازم آتا ہے
کیونکہ کسی امر کا صلوٰۃ کیلیے صحۃً یا کمالاً موقوف علیہ ہونا مستلزم ہی اس امر کے مامور بہ ہونیکو جیسا کہ ظاہر ہے جب
ایک مقدمہ غلط ہوا تب بھی انتاج صحیح نہوا غرض خواہ ہیئت قیاس کی غلط ہو یا مادہ نتیجہ دونون حال مین غلط ہوگا
پھر علاوہ فی نفسہ غلط ہونیکے ان لوگون کو یہ خبر نہین کہ انکے اس استدلال سے نص قطعی لا یکلف اللہ نفسا
الا وسعہا کی تکذیب لازم آتی ہی کیونکہ جو مرتبہ حضور کا ایسا ہے کہ بدون اسکے نماز نہین ہوتی خواہ مرتبہ صحت مین
یا مرتبہ کمال مین لامحالہ شریعت مین اسکے حاصل کرنیکا حکم ہوگا اور جس امر کا حکم ہو اُس کا داخل وسعت ہونا بھی
بالالازم ہے پھر اسکو وسعت سے خارج کہنا نص کی تکذیب ہے یا نہین پھر ان عقل کے پتلون سے کوئی پوچھے کہ نماز مین جتنے
فرائض موقوف علیہ صلوٰۃ کے ہین اگر وہ کبھی وسعت سے خارج ہو جاتے ہین تو ہم دیکھتے ہین کہ شریعت اُن کا کوئی بدل
اُسکے قائم مقام کر کے اسکی اجازت دیتی ہی مثلاً قیام فرض ہی اگر قدرت نہ رہی قعود اسکے قائم مقام ہوتا ہے
علی ہذا پس اگر اسکو تسلیم بھی کر لیا جاوے کہ حضور قلب کا مرتبہ ضروریہ وسعت سے خارج ہے تو ضرور ہی کہ شریعت

کوئی اس کا بدل ہوگا سو اُس بدل کے ساتھ نماز پڑھنا ضرور ہوا پھر ترک کی گنجایش نکلی یہ اسوقت ہی جبکہ حضور قلب اُسکا رکن ہوا اور اگر رکن نہو تو اس صورت میں سوچنا چاہیے کہ نماز بلا حضور پڑھنے میں تو نماز کے ایک تابع متعلق کا فوت ہے اور نماز نہ پڑھنے میں خود اصل متبوع ہی کا فوت ہے تو متبوع کا فوت کردینا اشد ہی یا تابع کا۔ پھر چونکہ تابع کا وجود بدون متبوع کے نہیں پایا جاتا اور متبوع کو فوت کردیا ہی تو لا محالہ تابع بھی فوت ہوگا تو نماز پڑھنے میں تو صرف حضور قلب ہی فوت ہوتا اور نہ پڑھنے میں وہ حضور بھی گیا اور نماز بھی گئی تو صرف تابع کا فوت ہونا اہون ہی یا متبوع و تابع ہر دو کا خوب سمجھ لو چونکہ سبب اُنکی غلطی کا جہل ہی ہماری اس تقریر میں غور کرنا اس جہل کا علاج ہے۔

بعضے لوگوں کے نماز نہ پڑھنے کا یہ مبنی ہی کہ وہ باوجود دعوی اسلام کے نماز کو فرض نہیں سمجھتے پھر انمیں دو قسم کے لوگ ہیں بعض فلسفیت کے رنگ میں ہیں اور بعض تصوف کے رنگ میں قسم اول کی تقریر یہ ہی کہ اصل مقصود شارع کو تہذیب اخلاق ہی زمانہ نزول احکام صلوۃ میں لوگوں میں صفات ذمیمہ کبر و ظلم وغیرہ کا غلبہ تھا نماز کی ہیأت و اوضاع و اذکار تواضع و لین کی تعلیم دیتی ہیں اسلئے اُنکو نماز کا حکم کیا گیا ہم چونکہ مہذب ہو چکے ہیں لہذا ہمکو نماز کی ضرورت نہیں جواب اسکا یہ ہی کہ یہ سب اسپر مبنی ہی کہ احکام شرعیہ کو مقصود بالذات نہ کہا جاوے مقصود بالغیر کہا جاوے اور پھر وہ غیر بھی وہی امور ہوں جو تم دعوی کرتے ہو سو اسمیں دو دعوی تمہاری طرف سے ہوئے ہیں جن کا ثابت کرنا تمہارے ذمہ ہی جسپر تم قیامت تک بھی قادر نہو گے بلکہ یہ احکام خود بھی مقصود بالذات معلوم ہوتے ہیں پس ایسی بے سروپن شبہات سے یہ قطع و یقین زائل نہیں ہوسکتا غرض عقلاً و سمعاً ایسا اعتقاد یقیناً الحاد و زندقہ ہی اور ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں اُسکو نماز کے ساتھ تجدید ایمان کا خطاب کرنا ضروری ہی یہ جواب عجیب ہی کہ ہم اسکو مان لیں کہ واقعی یہ لوگ اپنی تہذیب نفس سے فارغ ہو چکے ہیں حالانکہ یہ تو اسمیں کلام ہے ترفع و تجبر و تعلی و تکبر و ظلم و نخوت و قساوت و غفلت جس درجہ اُن مدعیوں میں بڑھی ہوئی ہی اُس زمانہ میں اسکا عشر عشیر بھی نہ تھا اگر مشروعیت صلوۃ کی ان ہی مصالح کیلئے ہوتی تب بھی یہ لوگ بہ نسبت اُس زمانہ والوں کے نماز کے زیادہ محتاج ہوتے اس مرض کا کہ جہل ہی نیز علاج ہماری اس تقریر میں غور کرنا اور یہ کافی نہو تو محققین سے اپنے شبہات کو دفع کرلینا ہی قسم ثانی کی یعنی جو تصوف کے رنگ میں ہیں اُنکی تقریر یہ ہی کہ اصل مقصود قرب الہی ہی اور نماز و دیگر طاعات بھی اُس کا واسطہ ہیں اور واسطہ بھی بالصورۃ نہیں بلکہ بالحقیقت اور وہ حقیقت ذکر ہی پس اگر کسی کو ذکر دائم میسر ہو جاوے اُسکو نماز کی حاجت نہیں یا نماز ہی پڑھ پڑھ کر مقام قرب میسر ہو گیا تو پھر بھی نماز کی

حاجت نہیں اگر پڑھتا بھی ہی تو اسپر فرض نہیں رہی فرائض اُسکی حق میں نوافل ہو گئے اسکی جواب میں بھی وہی تقریر بالا جو فلاسفہ کے مقابلہ میں لکھی گئی کافی ہی اور اسپر بھی وہی فتویٰ اور وہی علاج عرض کیا جاویگا اور دونوں کے خطاب میں اس مثال کا پیش کرنا مفید اور معین رفع شبہ معلوم ہوتا ہی کہ جسطرح بعض ادویہ طبیہ میں باوجود بعض کے فاعل بالکیفیۃ ہونیکی بعض فاعل بالخاصیۃ ہوتے ہیں اور اسکی تعیین اطبا، ماہرین کی حکم سے ہوتی ہی اسیطرح اگر ان سب عبادات شرعیہ کو محض اپنی صورت نوعیۃ وخاصیۃ کے اعتبار سے خاص ثمرات مثل اخلاق مرضیۂ حق ونجات وقرب ورضا میں فاعل اور موثر کہا جاوے اسکی نفی کی کیا دلیل ہی اور اسباب کی دلیل النصوص کا سیاق و اطلاق ہی کہ کہیں اُن کا فاعل بواسطہ ہونا نہیں بتلایا گیا اور جو کہیں بعض طاعات کی حکمت بتلائی گئی ہی تو نقایت مافی الباب اُس حکمت کا مرتب علی الاحکام ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ مرتب علیہ الاحکام ہونا اور دعوی الخصم کا موقوف ہی ثبوت امر ثانی پر یہ سب صورتیں تھیں ایک کوتاہی کی یعنی نماز نہ پڑھنے کی۔

ایک کوتاہی نماز کے متعلق یہ ہی کہ بعضے آدمی حتی الامکان نماز تو فوت نہیں ہونے دیتے مگر وقت کا اہتمام نہیں کرتے اکثر تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں بعض دفعہ قضا بھی ہو جاتی ہی گو کم ہی سہی اور گو پھر فوراً قضا پڑھ بھی لیتے ہیں پھر بعض کو تو کوئی مجبوری ظاہری ہوتی ہی گو وہ مجبوری اسلئے معتبر نہیں کہ اگر اسمیں سعی و توجہ کرتے تو ضرور کوئی صورت انتظام کی نکل آتی مگر بعض تو محض بیکار گپوں میں مشغول رہکر وقت کو اخیر کر دیتے ہیں اور نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہی کہ بعضے اُن میں مشایخ ہیں اور محض تدلیل شیطانی یا تسویل نفسانی سی تاخیر صلوۃ کے خوگر ہو گئے ہیں چنانچہ ہر ایک کے متعلق مختصر مختصر کلام کیا جاتا ہی جو لوگ ظاہر اً کوئی مجبوری بتلاتے ہیں اُنمیں بعض کو تو کسی درجہ میں بھی مجبوری نہیں جیسے تاجر و مزدور و حاکم اجلاس و اہل حرفہ و امثالہم کہ یہ لوگ بالکل آزاد ہیں تھوڑی دیر کیلئے کام چھوڑ سکتے ہیں سو ان کے عذر کے متعلق تو کسی جواب کی ضرورت نہیں اور بعض کو البتہ کسی درجہ میں مجبوری ہی جیسے نوکر ایسے افسر کا جسکے سامنے اپنی رائے سی کچھ نہیں کر سکتا سو اُسکے متعلق یہ ہے کہ اول تو اوقات نماز میں اجازت حاصل کرنیکی کوشش کرے اور دیکھا سنا اکثر یہی ہی کہ باستثناء شاذ و نادر کوئی افسر نماز سے منع نہیں کرتا اور اگر کسی طرح اجازت حاصل نہو نہ خود اُس سے نہ اُسکی بالا افسر سے تو اس صورت میں ایسی نوکری ہی جائز نہیں خدا تعالیٰ دوسرا سامان رزق کا کر دیگا۔ ایسی نوکری چھوڑ دینا چاہئے البتہ جس شخص کے پاس بظاہر سر دست کوئی سبیل ضروری معاش کی بھی نہو نہ نوکری میں نہ سرمایہ ہو کہ تجارت کرے نہ مزدوری کی عادت ہو اور بدون عادت چلنا دشوار ہوتا ہی تو ایسی حالتمیں نوکری چھوڑنیمیں تعجیل نکرے

اس فکر مین لگا رہے دوسرے خیرخواہون سے بھی سعی کراوے اور تا حصول کسی سبیل کے ہمیشہ اس بلائے اختلال وقت صلوٰۃ سے استغفار اور دعائے استخلاص اور دوسری سبیل کے استحصال کی کرتا رہے۔

اور جنکو برائے نام بھی مجبوری نہین محض بیکار وقت ضایع کرتے ہین اُن کو اپنی حالت پر خاص طور سے نظر کرنا چاہیئے اور نفس سے محاسبہ کرنا چاہیئے کہ جب پانچون وقت نماز پڑھنا پڑی تو تاخیر اوقات سے کونسی آسانی و تخفیف نکلی اور جبکہ مجبوری کچھ ہے نہین تو نہ کوئی مصلحت تھی کہ تاخیر کے اختیار کرنیکا مرجح ہو نہ کوئی مجبوری تھی کہ تاخیر بالاضطرار کا سبب ہو پھر وبال لینے سے کیا حاصل ہوا اگر نفس یہ کہے کہ تاخیر کرنے سے مشغلہ تفریح کا وقت زیادہ ملسکتا ہے تو اُس کو جواب دینا چاہیئے کہ اگر دو نمازین اول وقت مین پڑھی جاوین تب بھی اُنکے مابین اُتنی ہی گنجایش ہوگی جتنی ان دونون نمازون کو اخیر وقت پر پڑھنے سے ملتی ہے مثلاً اگر کسی نے ظہر چار بجے پڑھی اور عصر سات بجے تو درمیان مین تین گھنٹے ملے سو اگر ظہر دو بجے پڑھتا اور عصر پانچ بجے تب بھی درمیان مین تین گھنٹے ملتے تو جتنا کام درمیان مین تاخیر کی صورت مین کرسکتا ہے اُتنا ہی تعجیل کی صورت مین کرسکتا ہے پھر تاخیر مین بجز مضرت کے کونسی مصلحت ہوئی۔

اور ایسے مشایخ کو اولاً تو تضلیل شیطانی اور کبھی تسویل نفسانی اس تاخیر کا سبب ہوتی ہے تضلیل شیطانی اسطرح کہ انھون نے اپنی تجویز سے یا اپنے شیخ کی تعلیم سے کوئی معمول یا ورد ایک خاص مقدار سے مقرر و ملتزم کرلیا اور اُس مین وقت کی تعیین محض کسی مصلحت زائدہ غیر ضروریہ کے سبب سے تھی مگر بروئے غلو اس عالم ملتزم نے اُس کو ایسا ضروری سمجھا کہ اُسکی حفاظت کے لیئے مہمات دینیہ کی بھی پروا نہ رہی مثلاً بعض اوراد مابین سنت و فرض فجر کے پڑھی جاتی ہین مین نے بعض متشددین مُصرین کو دیکھا ہے جماعت کھڑی ہوگئی مگر وہ اپنے ورد مین مشغول ہین حتی کہ جماعت فوت کردی اور بعض اوقات خود وقت بھی تنگ ہوگیا مگر اُس ورد کی ترتیب مین تغیر و تبدیل کو ہرگز جائز نہ رکھین گے حالانکہ یہ تغیر فی نفسہ جائز تھا اور جب عدم تغیر سے جماعت فوت ہوگی کلاً یا بعضاً یا وقت تنگ ہوجاوے اُسوقت تغیر واجب تھا مگر ان کو ترک واجب کی ذرا پروا نہین پھر اپنے اس التزام پر اسقدر شاداں و نازاں ہین کہ اپنے کو صاحب استقامت سمجھتے ہین کہ کبھی کوئی معمول مین تغیر نہین ہوتا مینے ایک شخص کو یہ فخر کرتے ہوئے سُنا ہے کہ صاحب میری فرض نماز تو ناغہ ہوجاتی ہے مگر پیر صاحب نے جو کچھ بتلا دیا ہے وہ کبھی قضا نہین ہوتا غلو فی الدین اور اتخاذ احبار و رہبان کی یہ اقبح افراد مین سے ہے سبب اس کا جہل ہے علوم شرعیہ سے کہ حدود احکام کی معلوم نہین خواہ یہ بے علمی بسیط ہو یا مرکب ہو علی اختلاف الاقوال یہ تو تضلیل شیطانی تھی اور تسویل نفسانی

اسطرح سے ہے کہ افراط فی الشفقہ علی الخلق کے سبب یہ خیال ہوتا ہے کہ جلدی پڑھ لینے سے بہت لوگ جماعت سے رہجاوینگے
خوب انتظار کرنا چاہیے تاکہ سب جماعت مین ملجاوین اور کوئی محروم نہ رہے اسکا نام تسویل اس لیے رکھا گیا کہ صورۃً
یہ خیال نہایت محمود ہے اور نفسانی اسلیئے کہا گیا کہ منشا اس کا ایک صفت ہے صفات نفسانیہ سے کہ وہ شفقت ہے اور
گو وہ فی نفسہ صفت محمودہ ہے اور اسلیئے جو خیال اس سے ناشی ہے کہ وہ خیر خواہی ہے آنیوالے نمازیونکی کہ کوئی محروم
نہ رہ جاوے وہ بھی نیک ہے مگر ہر محمود اسی وقت تک محمود ہے جبتک وہ کسی امر مذموم کو متضمن نہو اور یہان یہ شفقت
اور یہ خیر خواہی سبب ہوگئی تضییق وقت کی حد غیر مشروع تک اور یہ مذموم ہے اسلیئے وہ منشا اور ناشی سب
مذموم ہوگیا اور ان سب نمازون مین سب سے زیادہ قابل نظر ایسے حضرات کے لیے جمعہ کی نماز ہے کیونکہ اور نمازون کا اگر وقت
نکلگیا اور علم نہوا تو وہ فرد قضا کی تو بن سکتی ہین گو بعض فقہاء کے نزدیک ہی سہی اور جمعہ کا وقت اگر نکلگیا تو اسکی
قضا ظہر سے ہوسکتی تھی نہ کہ جمعہ سے پس جب جمعہ پڑھا تو وہ نہ ادا ہوا کیونکہ وقت نہ تھا اور نہ قضا کیونکہ قضا مین
جمعہ نہین پڑھا جاتا تو بس یہ نماز ان سب کے ذمہ پر واجب ہی اور رہی وہ مصلحت کہ کوئی رہ نہ جاوے اول تو جب
اسمین اتنا بڑا مفسدہ لازم ہے تو اس مصلحت کا کیا اعتبار پھر وہ مصلحت بھی کچھ تاخیر کے ساتھ خاص نہین تجربہ
سے یہ امر یقینی ہے کہ اس باب مین جسجگہ جیسی عادت کا التزام کرلیا جاتا ہے تمام لوگ اُسی کے تابع ہوجاتے ہین جہان سویرے
نمازین ہوتی ہین سبکو تقاضہ سا رہتا ہے کہ جلدی چلو چنانچہ سب فوراً جمع ہوجاتے ہین اور کوئی بھی متخلف نہین رہتا
اور جو رہنے والے ہین وہ مشاہدہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس تاخیر مین بھی رہجاتے ہین بلکہ اکثر رہتے ہین اُنکو بیفکری
رہتی ہے کہ میان ابھی کیا جلدی ہے دہان تو بہت دیر مین جماعت ہوا کرتی ہے بس اسی مین رہجاتے ہین تو تاخیر
کی وہ غرض بھی حاصل نہین ہوئی اور اگر حاصل بھی ہوتی تب بھی وہ لاحاصل ہے جیسا اوپر مذکور ہوا بہرحال وقت کا اسقدر
موخر کرنا نماز کا بالکل تباہ کرنا ہے چنانچہ احادیث مین اسپر سخت زجر آیا ہے اور ایسی نماز کو منافقونکی نماز فرمایا ہے
اور گاہ گاہ اہل علم مین سے بھی بعض کو اسمین ابتلا ہوتا ہے جسکا اکثر موقع یہ ہوتا ہے کہ مدرس کو کوئی کتاب ختم کرانا ہے
یا سبق کسی خاص مقام تک پہونچانا ہے یا ممتحن کو کسی جماعت کو امتحان سے فارغ کرنا ہے یا مصنف کو کسی مضمون
کا پورا کرنا ہے تو ان مقاصد کو رعایت وقت پر بسا اوقات ترجیح دیدیجاتی ہے اس کا وقوع علماء سے بہ نسبت
مشائخ کے اور بھی زیادہ عجیب ہے کیونکہ یہ اصل وضع مین مقتدائے دین ہین جب مقتدا ایسا کریگا پھر مقتدی کا کیا پوچھنا ہے
ایک کوتاہی (گو ایسا شاذ ہوتا ہے مگر ہوتا ہے) اس کوتاہی مذکور کے مقابل کوتاہی ہے یعنی نماز مین اسقدر
تعجیل کرنا کہ وقت بھی آنا یقینی نہو بعض لوگ فجر کی نماز صبح صادق سے پہلے شروع کرتے ہوئے دیکھے گئے

گئے بعض اہل افراط جمعہ کے روز دن بھی نہیں ڈھلنے دیتے اور کھڑی ہو جاتے ہیں بعض مریضوں کو دیکھا گیا کہ مغرب کے تھوڑی ہی دیر بعد آسانی کیلئے عشا پڑھ لیتے ہیں وقت بھی نہیں آتا اور جسکے مسلک میں مثلین کا قول بہت قوت رکھتا ہو اُسکو بھی عصر کی نماز مثلین کے قبل پڑھ لینا احتیاط کے خلاف ضرور ہے بہرحال قیمتیں افراط و تفریط کرنا دونوں واجب التحرز ہیں اگر اجلاس پر حاضری کا معین وقت پر حکم ہو تو قبل از وقت اگر اظہار دینا یا وقت ختم کرکے آنا دونوں بیکار ہیں تو شریعت کی تعیین کی وقعت و عظمت کیوں نہ کی جائے

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ شرائط و ارکان میں ذرا سے عذر موہوم سے اُسی رخصت پر عمل کرنے لگتے ہیں جو کہ عذر قوی کے متعلق ہے مثلاً ذرا حرارت کا شبہ ہوا یا ذرا ہوا میں خنکی ہوئی بجائے وضو و غسل کے تیمم کر لیا ذرا طبیعت میں کسل ہوا بیٹھکر نماز پڑھنے لگے ریل میں ذرا جگہ کی تنگی ہوئی جسکا آسانی سے انتظام ہو سکتا تھا بیٹھکر اور بعض دفعہ بے رُخ بعض دفعہ اشارہ سے نماز پڑھنا شروع کر دی بلکہ ریل میں تو بالکل نماز ہی اوڑا دی جاتی ہے بالخصوص عورتیں تو ریل میں شاذ و نادر ہی نماز پڑھتی ہونگی اپنے دلکو سمجھا لیتی ہیں کہ یہاں نہ پانی کا ٹھیک ہے نہ جگہہ گنجائش کی ہے نہ تختہ پاک ہے نہ رُخ معلوم ہے یا رُخ کیطرف پڑھنا دشوار ہے نہ پردہ کا پورا انتظام ہے اور اُن عذروں سے مستورات کی نماز ریل کے سفر میں بھی اکثر برباد ہوتی ہے اور اُن سے زیادہ اُن لوگوں کی حالت قابل حسرت ہے جو حج کو جاتے ہیں اور ریل یا جہاز میں بیہودہ وساوس سے یا کاہلی سے نماز نہیں پڑھتے ایک عبادت ادا کرنے چلے اور پانچ فرض روزانہ برباد کئے اگر جہاز ہی کی ضائع شدہ نمازیں شمار کیجاویں اور ایک پھیری میں پندرہ دن کی رفتار فرض کیجاوے تو پانچ نماز روز کے حساب سے پچھتر ۷۵ نمازیں ہوتی ہیں اور اسی طرح اگر واپسی کا پھیرا لیا جاوے تو اتنی ہی اُس میں ہو کر ڈیڑھ سو ہوئیں کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک فرض ادا کیا اور ڈیڑھ سو فرض برباد کئے گیا ایسے شخص کے حج کو کہا جا سکتا ہے کہ خدا کا فرض سمجھکر کیا گیا ہے اگر یہ تھا تو ڈیڑھ سو فرض بھی تو خدا ہی کے تھے اُن کو کس دل سے ضائع کرنا گوارا کیا سچ ہے کہ ہم لوگوں کو باعث عبادت کا بھی اکثر امور نفسانی امتیاز یا دفع ملامت وغیرہ ہوتا ہے یا اگر مجرد نہیں ہوتا تو آمیزش زیادہ ضرور ہوتی ہے بہرحال اگر ان بہانوں پر نماز ترک کر دی تب بھی اور اگر اُس میں بلا فتوی شرعی رخصت پر عمل کر لیا کہ وہ بھی ترک ہی کے حکم میں ہے تب بھی نہایت بددلی کی دلیل ہے ایسی نماز پر تو خاصہ شبہ ہوتا ہے کہ محض دکھلاوے کیلئے نام کرنیکو پڑھتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی شان میں فرمایا گیا ہے واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی یراءون الناس ولا یذکرون اللہ الا قلیلا بڑی وجہ اسکی دو امر ہیں ایک مسائل کی ناواقفی دوسرے نماز کی عظمت دلمیں نہونا اول کا علاج علم و واقفیت ہے

جسکا طریق سہل یہ ہی کہ نماز کے متعلق جو صورتیں پیش آجاویں یا جو جو احتمال ذہن میں آتے رہیں اُن سب کو حفظ میں یا کتابت میں مقید و محفوظ کر کے زبانی یا بذریعہ خط علماء ماہرین سے پوچھتے رہیں دوسرے کا علاج یہ ہی کہ دلمیں وعیدیں مخالفت احکام کی سوچیں تاکہ اُن احکام کی عظمت پیدا ہو جب عظمت پیدا ہو گی تو ضرور اسکی کوشش و ارادہ کریگا جب کوشش و ارادہ کریگا خود اُن عذروں کا لغو ہونا سمجھ میں آجاویگا کیا کسی تقریب میں جانیکے وقت یا کسی معزز مہمان کے آنیکے وقت جبکہ بدن اور کپڑے میلے ہوں یہی شخص جو ادنیٰ بہانہ سے تیمم کرتا ہی غسل کر کے کپڑے بدلتا ہوا نہیں دیکھا جاتا کیا ایسے ہی موقع پر اگر دیر تک کھڑا ہونا پڑے بلکہ چلنے کی ضرورت ہو تو کیا اُسکو آسان نہیں ہو جاتا مگر نماز میں کھڑا نہیں ہوا جاتا کیا ریل میں اپنی آسائش کی ضرورت سے یا اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کے آرام دینے کے لئے مسافروں سے جگہ دینے کی کبھی درخواست نہیں کی تو نماز کیلئے ہی سکوت منہ پر کیوں لگائی جاتی ہی بلکہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ نماز میں وہ اثر اور برکت ہے کہ جب نماز کیلئے جگہ دینے کی درخواست کیجاتی ہے تو شاذ و نادر تو ہر جگہ مستثنیٰ ہوتے ہیں اور شمار میں نہیں آیا کرتے باقی کہیں نہیں دیکھا اگر کسی نے ذرا بھی عذر کیا ہو بلکہ مذہب والے تک رعایت کرتے ہیں مگر خود ہی کوئی کچا اور کم ہمت ہو تو کیا علاج ورنہ ریل میں اچھی طرح کھڑے ہو کر رکوع و سجدہ کے ساتھ اور رخ کیطرف نماز ہوتی ہی اور اگر کبھی موقع پر واقعی عذر ہو تو وہاں شریعت نے تنگ نہیں کیا رخص پر عمل جائز ہی اور بعضے عذر بالخصوص مستورات کے جو عذر مذکور ہوئے مسائل جاننے سے رفع ہو جاتے ہیں اُن ہی میں سے ایک عذر پردہ کا ہی کہ بہلی سے اُتر کر نماز پڑھنے سے بے پردگی ہی تو اسکے متعلق حکم شرعی سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے وقت میں صرف برقع کا پردہ کافی ہی بہلی کے احاطہ میں رہنا ضرور نہیں اور حجاج کا نماز ترک کرنا اگر احکام کی عظمت نہونے سے ہی تو اُسکا علاج ابھی مذکور ہوا کہ وعیدیں مخالفت احکام کی سوچے اور اگر جہاز میں پانی کا انتظام نہونا اس کا سبب ہے تو اُسکے متعلق اول کی کوتاہی کے ضمن میں جہاں بیماروں کا نماز چھوڑ دینا بخیال نجاست بدن و پارچہ کے مذکور ہی بیان کیا گیا ہی اور اگر یہ حج نفل ہے اور کسی سبب سے اہتمام نماز کا نہ ہو سکے تو اُس شخص کو اُس حج کے لئے سفر کرنا ہی جائز نہیں وہ اپنے گھر رہکر کام میں لگے و علیٰ مثلہ نحمل ما قال العارف مسعود بک رح

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید — معشوق درینجاست بیائید بیائید

ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ تعدیل ارکان و اتیان سنن کا اہتمام نہیں کرتے نہ قومہ ہی نہ جلسہ ہی رکوع میں بھی ہیئت مسنونہ پر نہیں قیام بھی قدر قراۃ مسنونہ سے کم ہی قرأت میں بھی غلط صحیح کی خبر نہیں نماز کیا پڑھتے ہیں بیگار ٹالتے ہیں ایک حدیث میں ایسے شخص کو نماز کی چوری کرنیوالا فرمایا ہے اور ایک حدیث میں ایک

ایسے شخص کو نماز کے اعادہ کا حکم اس ارشاد کی بعد دیا کہ جا پھر نماز پڑہ تو نے نماز نہین پڑھی یعنی یہ نماز تیری نہین ہوئی
یہ مسئلہ فقہیہ تو الگ رہا کہ اسکی نماز ہوئی یا نہین لیکن اگر ہوئی بھی تو وہ بھی ایسی ہی ہوئی جیسے ایک کنیز لنگڑی لنجھی
اندھی بہری گونگی اپاہیج بیمار ہو اور وہ ایک درجہ مین آدمی تو ہے مگر قابل اسکے نہین کہ کسی صاحب کمال صاحب جمال صاحب جلال
بادشاہ کی نذر مین پیش کیجا سکے اور وہ اسکو قبول کر لے اسی طرح یہ نماز ایک درجہ مین نماز کہلائی جاویگی مگر جب اسکے ارکان جو بمنزلہ اعضا کے
ہین ناقص ہین تو وہ قابل اسکے نہین کہ حق تعالے کے حضور مین قبول ہوسکے یا اعضا درست ہین مگر ہیئت حسنہ پر نہو نیسے ایسی ہوگی جیسے تندرست
کنیز کہ خال و خط ناز و ادا سے خالی ہو جو بادشاہ کو مطبوع خاطر ہین درجہ کمال مین مقبول نہوگی یعنی محبوب نہوگی گو لیلی جاوے اسلیے اسکی
تعدیل اور تکمیل ضروری ہے رکوع و سجود وغیرہ کی درستی کیلیے تو خالی ارادہ کافی ہے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہین البتہ قیام بقدر مسنون
کے لیے کچھ سورتین خاص سیکھنا ضرور ہونگی جسکے لیے عم کا سیپارہ حفظ ہونا کافی ہے کہ اسمین سورۂ بروج
تک طوال مفصل ہین اور لم یکن تک اوساط اور اس سے سورۂ ناس تک قصار کہ ان کے یاد کرنے سے مختلف
نمازون مین سنت ادا ہوسکتی ہے اور تصحیح قرآن کے لیے کچھ توجہ کرنا پڑیگی جسکے متعلق اسکے قبل عنوان اصلاح
معاملہ بقرآن مجید کے ذیل مین عرض کرچکا ہون اُس کا ملاحظہ فرمانا اس باب مین کافی ہوگا اور جسطرح اپنا
قرآن صحیح کرنا ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے گھر والون کی نماز اور قرآن جسقدر نماز مین پڑھا جاتا ہے
اہتمام کرکے درست کرادین اگر دس منٹ روزانہ بھی اس کام مین چند روز صرف کرین تو بہت آسانی سے
اسمین کامیابی ہوسکتی ہے غرض اسطرح سے نماز کی تکمیل و تعدیل میسر ہوجاوے گی۔ اور بعض بارہ مہینے اچھی خاصی
نماز پڑہتے تراویح مین تعجیل کی مشق کرنے لگتے ہین انشاء اللہ تعالی آیندہ اسکے متعلق خصوصیت کی ساتھ عرض کیا جاویگا
ایک کوتاہی کہ وہ نمازی امراء مین بالخصوص کثرت سے ہے جماعت کا ترک کرنا ہے نصوص سے اُس کا حد درجہ اہتمام
ثابت ہوتا ہے حتی کہ اُسکے ترک پر جو وعیدین آئی ہین اُنپر نظر کرکے بہت علما نے اُسکو واجب کہا ہے اور بعض
محققین فقہا حنفیہ نے بھی اسکو اختیار کیا ہے اور واجب عمل مین اور ترک کے گناہ اور سزا مین برابر فرض کے ہے پس ایک
فرض کو ادا کرنا اور اُسکے مساوی کو ادا نکرنا یہ کس درجہ کی غلطی ہے اور تتبع سے جہان تک دیکھا گیا سبب ترک
جماعت کا اکثر دو امر ہین ایک سستی کہ اتنی دور کون جاوے دھوپ مین کون جائے دوسرے تکبر کہ ذلیل لوگون کے ساتھ
کھڑا ہونا پڑیگا یا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا پڑیگی اور کبھی اس کا سبب مسجد مین ان لوگونکی شان و عادت کے
موافق سامان آسایش کا مفقود ہونا ہوتا ہے چنانچہ مین نے ایک صاحب کو یہ عذر کرتے ہوے دیکھا کہ وہان
وضو کا موقع ایسا ہے کہ وہان بیٹھین تو کپڑون کو کائی لگجاتی ہے چٹائیان سڑی ہوئی جن مین گرد و غبار بھرا ہے

بچھی ہین جس سے کپڑے میلے ہوجاتے ہین ہوا کا گذر نہین دل پریشان ہوتا ہے۔
سستی کے متعلق تو اتنا عرض کرنا کافی ہے کہ اگر اُسی وقت مین کوئی دنیا کا کام جسمین مال و جاہ کا نفع ہو نکل آوے
یہی حضرات اس طرح اسکی طرف دوڑین کہ ذرا بھی کسل نہو نہ گرانی ہو افسوس کیا آخرت کی ضرورت اسدرجہ پر بھی
نہ رہی ہین نے ایک صاحب کو دیکھا ہے کہ اُنکے دروازہ پر مسجد تھی مگر کبھی وہان تشریف نہ لاتے تھے ایکبار اُنکے یہان
لڑکے کی تقریب بسم اللہ کی تھی اور اُنکے ایک غریب بھائی کسی بات پر اینٹھ گئے تھے عین جلسہ بیٹھا کر
دوپہر مین ایک بچہ کی چھتری کہ وہ پورا سایہ بھی کر سکتی تھی لگا کر اُنکے پاس ایک دور محلہ مین گئے اور اُن کو منا کر لائے
یا اللہ دنیا کی مصلحت کے وقت وہ سستی کہان چلی جاتی ہے علاج اسکا وہی عیدون کا یاد کرنا ہے اور تکبر کے باب
مین یہ معروض ہے کہ اول تو آپکی شان ہی کیا ہے شاید وہ مساکین خدا تعالیٰ کے نزدیک تم سے زائد محبوب و مقبول
و ذی جاہ ہون اسکے سامنے دنیوی عزت گرد ہے بلکہ عجب نہین کہ قیامت مین تم کو ان ہی مساکین کی التجا کرنی پڑے
اور اُنکی استدعا سے تمھاری رہائی ہو تو باوجود قیام احتمال کے تم کو اُنکے حقیر سمجھنے کا کیا حق حاصل ہے دوسرے اگر
تمھاری شان اُن مساکین سے زائد بھی مان لیجاوے تو تم مساجد مین اُن مساکین کی تعظیم کے لیئے تو نہین بھیجے جاتے
کہ خلاف شان ہو بلکہ تم اور وہ ایک ایسے عظیم الشان کی تعظیم کے لیے جمع ہوئے ہو جسکی تعظیم سے تمھاری شان
بڑھتی ہے کیا کبھی بادشاہ کو دربار عام کے موقع پر کوئی شخص محض اس بنا پر حاضر ہو کر سلام کرنے سے اعراض
یا اغماض کرنے کی ہمت کر سکتا ہے کہ وہان تو غربا بھی جا کر سلام کرتے ہین اور اُنکے سلام کے لیئے جانا اہانت ہے
کیا سچ مچ ایسے دربار کے موقع پر سلام کرنا اہانت ہے ہرگز نہین ہرگز نہین کیا اگر کوئی ایسا سمجھکر نہ جاوے تو وہ سرکش
اور گستاخ نہ سمجھا جائیگا ضرور ضرور تو تعجب ہے کہ دربار شاہی کے ساتھ تو یہ برتاؤ اور دربار الٰہی کے ساتھ یہ برتاؤ
صدق اللہ تعالیٰ۔ ما قدروا اللہ حق قدرہ ان اللہ لقوی عزیز۔
اور اگر کسی مسکین کے امام ہونے سے عار آتی ہے تو اول تو وہ عار کی بات نہین کیا حکام کے دربار مین حاضر ہونے
کے وقت اردلی خاص کہ رتبہ اور ریاست مین تمھاری برابر نہین پیشی کرنے کے وقت تمھارا پیشرو نہین ہوتا
پھر اُسوقت عار کیون نہین آتی۔ یہ ساری عار خدا ہی کے معاملہ مین کیون ہے اصل یہ ہے کہ وہان تو خوشنودی مقصود
ہے وہ جس طریق سے بھی حاصل ہو اور یہان یہ ہی مقصود نہین ورنہ کسی طریق سے بھی عار نہ آتی وللہ در العارف
الرومی حیث یقول ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما ۞ اے طبیب جملہ علتہائے ما ۞ اے دوائے نخوت و ناموس ما ۞ اے تو افلاطون و جالینوس ما

دوسرے اگر پھر بھی عار ہو تو آپ لیاقت علمی وعملی اُن مساکین سے زیادہ حاصل کیجئے پھر آپکے ہوتے ہوئے وہ غریب خود ہی
امام نہ بنیگا آپ امام بنئے اُس مسکین کو عار نہ آویگی وہ اقتدا کریگا اور جماعت ہو جاویگی افسوس خود تو الحمد اور قل
ہو اللہ بھی صحیح نہ جانتے ہوں اس تک کی خبر نہو کہ سجدۂ سہو کن کن صورتوں مین واجب ہو جاتا ہے اس لئے تو
خود امامت کے قابل نہوں اور جو دوسرا اس قابل ہو اُس سے عار کرین یہ عار نہین نار ہے ۔ ع

زنہیار از چنین تکبر وعار ۔ وقنا ربنا عذاب النار

رہگیا عذر مسجد مین سامان آسائش نہونیکا تو اس عذر کو تو زبان پر لاتے ہوئے بھی ان حضرات کو شرمانا چاہیے
کیونکہ اس عذر کے معنی تو غور کرنیسے یہ نکلتے ہین کہ مسجد غربا کا گھر ہے وہ اگر ہم کو بلاتے ہین تو ہماری شان کے
لائق اُسکو سامان سے درست کرنا چاہیے ورنہ ہم نہین جاتے کیون صاحب کیا وہ سچ مچ غربا کا گھر ہے اگر اُن کا گھر نہین
تو پھر اس عذر کے کیا معنی اگر یہ معنی ہین کہ خدا کا گھر ہے خدا کو ایسا کرنا چاہیے تو کیا اس کہنے کی جرات کر سکتے ہو اگر
نہین کر سکتے تو اسکے جواب کی کیا ضرورت ہے ، اور اگر کر سکتے ہو تو جواب سنو خدا تعالے نے آپ کو اور غربا کو سبکو غلام بنایا ہے
اور منجملہ دوسری خدمتوں کے یہ خدمت بھی سپرد کی ہے کہ اس دربار مین آسائش وضروریات کا سامان جمع کرو اور
اُسکے انتظام کے لیئے سبکو رقم بھی دی ہے کیونکہ سب اموال مملوک خدا تعالی کی ہین پس غربا سے زیادہ تمہارے ذمہ
واجب ہے کہ اُس دربار یعنی مسجد کا انتظام کرو اور جب سامان نہونیسے آپ وہان نہین جاتے اُسکو خود درست کرو اور
وہان جاؤ تو یہ عذر کرنا حقیقت مین اپنی کوتاہی کا اظہار واقرار ہے کہ ہم نے خدمت دربار کے متعلق جو احکام تھے
اُنکی بجا آوری نہین کی تو یہ غربا کے الزام کی بات ہوئی یا تمہاری شرم کی بات ہوئی یہ تو دنیا دار امرا کے متعلق
مضمون تھا ۔ بعض لوگ دیندارون مین شمار ہوتے ہین اور امام مین شرعی عیب نکال کر جماعت ترک کرتے ہین
کبھی تو اصلی سبب اس کا کوئی دنیوی رنج ہوتا ہے بہانہ کے لیئے کوئی عیب ڈھونڈھ کر اُسکی آڑ لیتے ہین کہ وہ تو فلان
معصیت مین مبتلا ہے فلان بدعت مین مبتلا ہے بعض متکبرون کو اصل مانع تکبر وغربا کی تحقیر ہوتی ہے مگر چونکہ دیندار
کہلاتے ہین اسلیئے شرعی عنوان نکالکر اپنی غرض حاصل کرتے ہین مثلاً مفتی سے پوچھتے ہین کہ جناب جسکی بیوی بے پردہ
پھرتی ہو وہ دیوث ہے یا نہین اور اُسکی امامت جائز ہے یا نہین وعلی ہذا اور کبھی اصلی سبب تدین بھی ہوتا ہے مگر احکام
کے نہ جاننے سے یا اہتمام نہ کرنے سے غلطی مین مبتلا ہو جاتے ہین مثلاً دل سے بدعت سے نفور ہین اس لیئے امام سے بغض
للدین ہے اور کوئی رنج دنیوی نہین ہے مگر اس مسئلہ کی اُن کو خبر نہین کہ انفراد سے ہر حالت مین جماعت کی نماز افضل
ہے اگرچہ امام مبتدع ہو بشرطیکہ بدعت اُسکی حد کفر تک نہ پہونچ گئی ہو اگر اصلی سبب دنیوی رنج ہے تو سمجھنا چاہیے کہ

دین کو اپنی اغراض دنیویہ کا ذریعہ بنانا سخت نازیبا و ناپسندیدہ اور بے ادبی و گستاخی ہی جس کا قبیح ہونا محتاج بیان نہین اگر خلق سے اپنا عیب چھپا لیا تو حق تعالی پر تو ظاہر ہی اُس کو کیا جواب دوگے اور اگر اصلی سبب تکبر ہی تب بھی جواب ہے اور اس سے کچھ اوپر بھی مفصل بیان تکبر کا ہو چکا ہے اور یہ بے پردگی کا بہانہ جو تراشا گیا ہی سو اس کا کلی جواب تو یہی ہے نفسانی غرض کو دین کی آڑ کیون بناتے ہو اور جزئی جواب یہ ہے کہ خود معترض بھی اس اعتراض سے کم محفوظ ہون گے کیونکہ پورا پردہ شریعت کے موافق بڑے لوگون مین بہت کم ہوتا ہے اکثر اُنکے متعلقات دور و نزدیک کے اعزہ کے روبرو بیحجاب آتے ہین اتنا فرق ہی کہ بعضے غریبونکی عورتین خود گھر سے نکلکر نامحرمون کا سامنا کرتی ہین اور امیرونکی عورتین گھرون کے اندر بیٹھکر نامحرمون کا سامنا کرتی ہین تو دونون برابر ہوئین بلکہ غریبونکی بیبیونمین اتنی ترجیح ہے کہ وہ میلی کچیلی ہوکر نامحرمون کے سامنے آتی ہین اور امرا کی عورتین زیب و زینت کے ساتھ آتی ہین تو اب خود دیکھ لیجیے کہ یہ اقبح ہی یا وہ اقبح ہے تو اس حیثیت سے بھی اکثر غربا اولے بالامامت ہوئے اکثر امرا سے ۔

اور اگر تدین ہی سبب ہے تو اسمین جو غلطی ہی وہ مسئلہ کے جاننے سے جاتی رہیگی جیسا اوپر بیان کیا گیا کہ انفراد سے جماعت افضل ہی رہی کراہت سو اول تو کراہت اقتدا اُسکے لیئے ہے جو اُس امام کے معزول کرنے پر قادر ہو پھر کہ کراہت اخف ہے ترک جماعت کی کراہت یا حرمت سے البتہ اگر ایسے مقام پر شریک جماعت ہونیسے احتمال فتنہ کا ہو تو یکسوئی بہتر ہی اور ان تارکان جماعت مین بعض مشائخ دیکھے جاتے ہین اُن کو یہ دھوکہ ہوا ہے کہ جماعت مین اختلاط خلق ہوتا ہے اور اختلاط خلق ذاکر و سالک کو مضر ہے اور بعض نے بیان کیا کہ تنہا نماز پڑھنے مین وساوس و خطرات کم آتے ہین اور جو نماز حضور قلب کے ساتھ ہو وہ افضل ہوتی ہی عدم حضور والی نماز سے اور جماعت مین یہ حضور میسر نہین ہوتا اس دھوکہ کا منشا یہ ہی کہ یہ حضرات مواجید و کیفیات ذوقیہ کو مقصود بالذات سمجھ بیٹھے اور وہ بعض اوقات خلوت مین زیادہ ہوتے ہین بہ نسبت جلوت کے لیکن واقع مین مقصود بالذات رضاء حق ہی جس کا ذریعہ بجا آوری احکام ہی کہ منجملہ اُن کے جماعت کی نماز ہی اگرچہ اسمین ذوقیات و وجدانیات کی قلت ہو پھر تجربہ ہوا ہی کہ بعض افعال شرعیہ گو سردست کسی کیفیت خاصہ کی قلت کا سبب معلوم ہوتے ہین مگر اُنکی مداومت سے دوسری کوئی کیفیت بتدریج ایسی حاصل ہوتی ہی کہ اس کیفیت فائتہ سے اعلی و اقوی و ابقی ہو اس وقت اُسکی قدر معلوم ہوتی ہے

ایک کوتاہی جسکو عوام تو عوام بعضے خواص بھی کوتاہی شمار نہین کرتے اور اس حیثیت سے وہ خاص طور پر اہتمام کے قابل ہے نماز مین خشوع و حضور قلب کا نہونا ہی جسکے مطلوب ہونیکے لیئے آیۃ قد افلح المومنون الذین ہم فی صلوتہم خاشعون اور اسمین تقصیر کرنے کی مذمت کے لیئے آیت الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبہم الخ کافی ہی اور سبب اس کا بالاستقرار

دو امر ہین بعض کو تو اہتمام ہی نہین انکے لئے تو بے اعتنائی اور بعض کو اہتمام ہی مگر اُسکی حقیقت نہ جاننے سے اُسکو اختیار اور قدرت سے باہر سمجھتے ہین اس لیے اُسکی تحصیل کا ارادہ ہی نہین کرتے پہلے سبب کا علاج تو آیات بالا کے مضمون مین غور کرنا ہے اور دوسرے سبب کا علاج اُسکی حقیقت سمجھنا ہی جسکو مختصراً بیان کرتا ہون جس کا اس کوتاہی کے ضمن مین کیا گیا ہی کہ بعضے ترک نماز کا یہ عذر کرتے ہین کہ ہم سے حضور قلب نہین ہو سکتا اور نماز بدون اُسکے ہوتی نہین سو حقیقت لغویہ خشوع کی سکون ہی اور حقیقت شرعیہ اُسکی سکون ارادی ہی قلب اور جوارح کا اور سکون مقابل ہوتا ہے حرکت کے سو جیسی حرکت ویسا سکون تو جوارح کی حرکت تو اینیہ یعنی مکانیہ ہوتی ہے اُن کا سکون یہی ہی کہ جس حرکت کا شرعاً امر نہین وہ حرکت نکرے یعنی ارادہ سے ہاتھ پاؤن عبث نہ ہلاوے اِدھر اُدھر گردن یا نظر سے التفات نہ کرے سر اوپر کو نہ اُٹھاوے بالون کو کپڑون کو بار بار نہ سنوارے بدون ضرورت نہ کھجلاوے نہ کھنکارے ونحو ذلک اور قلب کی حرکت فکریہ ہی اُس کا سکون عدم التفکر ہی یعنی اپنے ارادہ سے کسی بات کو نہ سوچے سو جیسی حرکت جوارح کی اگر بلا قصد ہو مثلاً رعشہ سے کسی کی گردن ہلتی ہو تو وہ منافی خشوع کے نہین کیونکہ اختیار سے خارج ہی اور اضطراریات امر و نہی کے تحت مین نہین ہین اسی طرح اگر حرکت قلب کی بلا قصد ہو یعنی کوئی خیال خود بخود آجاوے تو وہ بھی اسی دلیل سے منافی خشوع کے نہین پس غلطی لوگونکی یہ ہی کہ خشوع کے معنی یہ ہین کہ بالکل خیال نہ آوے اور اسی بنا پر اس کو محال عادی سمجھتے ہین مگر اس بنا کا فاسد ہونا ہماری تقریر سے معلوم ہو چکا ہے جس سے محرر ہو گیا کہ خشوع اختیاری فعل ہی اور ہر شخص اُسپر قادر ہی اور بہت آسان ہی البتہ ارادہ و توجہ کی ضرورت ہے پس جیسے سب افعال ارادیہ کی شان ہی کہ ارادہ کرو تو آسان ارادہ نہ کرو تو دشوار حتی کہ اگر منہ مین لقمہ لیکر بیٹھ جاوے اور نگلنے کا ارادہ نکرے تو وہ بھی آسان نہین پس اگر لقمہ نگلنا آسان ہے تو خشوع بھی اتنا ہی آسان ہی اور اگر خشوع محال ہی تو لقمہ نگلنا بھی اتنا ہی محال ہی دونون کے یسر اور عسر مین کچھ فرق نہین اور سہل طریقہ اُس کا یہ ہی کہ نماز مین جو کچھ بھی منہ سے نکلے محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ ہر ہر لفظ پر مستقل ارادہ کرکے اسکو منہ سے نکالے کہ اب سبحانک اللہم کہونگا اب وبحمدک کہہ رہا ہون اب وتبارک اسمک منہ سے نکل رہا ہی وعلی ہذا پس جب ہر لفظ پر خاص توجہ رہیگی لامحالہ حسب قاعدہ عقلیہ کہ النفس لا تتوجہ الی شیئین فی ان واحد دوسرے خیالات بند ہو جاوینگے۔

اس مراقبہ کو اول سے آخر تک بالالتزام کرے انشاء اللہ تعالی اول تو بلا قصد بھی کوئی خیال نہ آویگا اور اگر فرضاً آجاوے تو پھر اس سوچ مین نہ پڑے کہ ارے یہ تو پھر خطرات آنے لگے یہ سوچ بھی خیال غیر ہی بلکہ اسی عمل تجدید تعلق ارادہ و توجہ کو بطریق مذکور آیندہ کے لیے پھر تازہ کردے پھر وہ خطرات دفع ہو جاوینگے وہذا من افادات استاذی استاذ الکل حضرت

مولانا محمد یعقوب علیہ رحمۃ اللہ علام الغیوب اور اس احقر کا ایک وعظ خشوع کے ہر پہلو پر مفصل بحث میں شایع ہو چکا ہی جس کا نام مواعظ اشرفیہ ہی اُسکے ملاحظہ سے انشاء اللہ تعالیٰ اس باب مین کسی قسم کا خفا باقی نہ رہے گا ایک کوتاہی کہ ذی شعب مختلفہ ہی اور اسی پر اپنی اس تحریر کو ختم کرنا چاہتا ہوں یہ ہی کہ نماز اتنی بڑی ضروری چیز اور پھر روزانہ پانچ بار واقع ہونیوالی اور اُسکے شرائط وارکان کے ہر جزو اور ہر موقع پر بیشمار صورتین پیش آتی ہین جن کے احکام بہت لوگون کو معلوم نہین مگر باوجود اسکے بہت کم دیکھا جاتا ہے کہ اُن احکام و مسایل کو لوگ دریافت کرتے ہون بہت لوگ ناواقفی سے بلا اضطرار اسطرح جمائی لیتے ہین یا بلا عذر کھنکارتے ہین کہ حروف ظاہر ہوکر نماز جاتی رہتی ہی بہت لوگ ایسے لباس غیر مشروع سے نماز پڑھتے ہین کہ نماز اُنکی قبول نہین ہوتی بالخصوص بعض اقسام ریشم اور مخمل کے استعمال مین تو خواص تک بے احتیاطی کرتے ہین بعض لوگ ہجوم مین امام سے پہلے نیت باندھ لیتے ہین کہ وہ نماز ہی نہین ہوتی بعض لوگ امام کے ساتھ رکوع مین اسطرح شامل ہوتے ہین کہ اللہ اکبر کہتے ہی رکوع مین پہونچ جاتے ہین اور اول قیام نہین کرتے اُنکی نماز بھی نہین ہوتی بعضے لوگ قعدۂ اخیرہ مین امام کے ساتھ شریک ہونا چاہتے ہین مگر اُنکی تکبیر تحریمہ ختم کرنے سے پہلے امام سلام پھیر دیتا ہی تو وہ اقتدا صحیح نہین ہوا اور نیت اقتدا کی موضع انفراد مین مفسدہ صلوٰۃ ہی اُنکی نماز بھی نہین ہوتی از سر نو نماز شروع کرنا چاہیے اسی طرح بعض اوقات امام سہواً بعد قعدۂ اخیرہ کے کھڑا ہو جاتا ہے تو مسبوق بھی اقتدا کی حیثیت سے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوتا ہے حالانکہ اسوقت مسبوق کو اقتدا جائز نہین تو اسکی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہی علیٰ ہذا اگر امام مسافر بعد دو رکعت کے سہواً کھڑا ہو جاوے مقتدی مقیم کو اُسکے ساتھ مقتدی رہنا بھی مفسد صلوٰۃ فرض ہی اس مقام پر مسائل کا استیعاب مقصود نہین اور نہ ممکن ہی محض بعض مثالین پیش کرنا ہی کہ ایسی صورتین کس کثرت سے واقع ہوتی ہین جنمین نماز نہین ہوتی اور لوگ اس سے بیخبر ہین اسطرح شرائط مین بھی بے پروائیان کیجاتی ہین بعضے آدمیونکو دیکھا گیا ہے کہ کپڑے پر تکیہ پر اگر غبار نہو تیمم کر لیتے ہین بعض کو دیکھا ہی کہ اگر وضو و غسل مین کہین پاؤن وغیرہ خشک رہجاتا ہی ویسے ہی تر ہاتھ پھیر لیتے ہین جو کہ مسح ہی پانی ڈال کر نہین دھوتے بعض آدمی باوجود اندیشہ قطرہ کے فوراً صرف پانی سے استنجا کر لیتے ہین اور پھر قطرہ آجاتا ہے اگر خبر بھی ہوگئی اور وضو بھی دھر الیا مگر پائجامہ پاک نہین کرتے اور اسیطرح کئی بار مین مقدار عفو سے بڑھجاتا ہے اور اسی کپڑے سے نماز پڑھتے رہتے ہین اور اگر علم نہوا تو بے وضو ہی نماز پڑھی جاویگی اور اگر شبہ ہو کہ بیخبری مین معذور ہے جواب یہ ہی کہ معذور اسوقت ہی کہ جبکہ نقض وضو کا احتمال غالب نہو ورنہ اُس احتمال کا انسداد واجب ہوگا اور جب قوی کا ضعف مشاہدہ ہو تو قطرہ کا قطع کرنا ضروری ہوگا اور تجربہ سے اس باب مین کلوخ سے بہتر کوئی چیز ثابت نہین ہوئی

اسی طرح بہت جگہ امام ایسے ہین کہ نماز لوگونکی فاسد یا مکروہ ہوتی ہی پھر بعض جگہ تو مقتدی ہی اس خرابی کا سبب ہوتے ہین یعنی امام مقرر کرنے کے وقت اُسکی صلاحیت و اہلیت کو نہین دیکھتے بلکہ اکثر دیکھا جاتا ہی کہ محلہ بھر مین جو شخص سب سے نکما ہوتا ہی اُسکو ارزان سمجھکر امامت کیلیے تجویز کیا جاتا ہے چاہے اسکو قرآن پڑہنا بھی نہ آتا ہو خواہ اُس کو مسائل بھی یاد نہون اور بعض جگہ مقتدیون کا کچھ دخل ہی نہین ہوتا خود ہی براہ تکبر بعضے اہل وجاہت امام بن بیٹھتے ہین اور قصبات مین جمعہ و عیدین کے اکثر ائمہ اسی شان کے ہین اور اس خرابی کی ابتدا امامت کا موروث ہونا ہے جسکی بنا بعض سلاطین کے وقت سے پڑی ہی اُسوقت گو اسمین کوئی مصلحت ہو مگر اب تو اسمین اسقدر مفاسد ہو گئے ہین کہ اس کا توڑنا اور ایسے امام کو چھوڑنا واجب ہے اگر اُس کو معزول کرنے پر قدرت نہو تو خود تو عزلت کرنا ممکن ہی یعنی سب ملکر کسی دوسری جگہ جماعت کا انتظام کرین اور کسی اہل کو امام تجویز کرین البتہ جہان امام سے ضرر رسانی کا اندیشہ ہو تو یہ بیچاری معذور ہونگے صبر کرنا چاہیے یہ تھے شعبے اس لاحق الذکر کوتاہی کے اور ان سبکا علاج علم دین ہے جو پڑھنے سے یا علماء کے پاس آنے جانے سے اور پوچھتے رہنے سے نہایت سہولت سے ممکن الحصول ہے۔

یہ تھا مختصر ضروری بیان اُن کوتاہیوں کا جو کثیر الوقوع ہین اور جن کا وقوع قلیل ہی اُن کا ذکر مطوی کیا گیا اول بوجہ قلت وقوع کے دوسرے اسلیے کہ اُن کا مذموم ہونا کسی پر مخفی نہین سو تنبہ کے لیے یہ علم ہی کافی ہی جیسے شرم سے بیوضو نماز پڑہ لینا یا پڑھا دینا یا وضو کر کے سو رہنا اور کسی کے جگاتے کے بعد سبکو جھٹلا دینا کہ مین تو نہین سویا تھا اور اسی طرح نماز پڑہ لینا یا نماز مین اخلاص نہونا یعنی صرف اسی لیے نماز پڑہنا کہ لوگ مجھکو نمازی سمجھین جسکو ریا کہتے ہین ونحو ذلک۔ گو یہ امور واقع ہوتے ہین مگر کثرت نہین ہے اور گو ریا کثیر الوقوع ہی مگر استقرا سے معلوم ہوا کہ صرف نفل عبادات مین کثیر الوقوع ہی اور یہان زیادہ بیان کرنا غیر نفل کا مقصود ہی اور نفل عبادات و ذکر وغیرہ مین بھی ریا وہین ہین جسجگہ اسکا قصد ہو اور جو شخص اُسکو برا سمجھے دفع کرے وہان اس کا شبہ کرنا اور اس غم مین مبتلا ہو جانا جیسے بعض سالکین کو پیش آتا ہی مضر ہی جس خطرہ پر اُن کو یہ گمان ہو جاتا ہی وہ وسوسہ ہے ریا نہین ہی۔ سو وسوسہ پر مواخذہ نہین اسکی موٹی اور تسلی بخش مثال یہ ہے کہ بالاجماع وسوسہ کفر نہین اور اسپر مواخذہ نہین اسی طرح اسکو سمجھے یہ نکتہ اگرچہ بہت چھوٹا ہی مگر نفع مین اگر اس کو علم عظیم کہا جاوے تو بجا ہے۔ والحمد للہ علی ما علمنیہ و فہمنیہ اور بھی بعض کوتاہیان ہوتی ہین جس کی عدم ذکر کی وجہ ذکر کیگئی۔

اصلاح معاملہ بصیام و متعلقات آن

ارکان اسلام مین سے ایک روزہ رمضان شریف کا ہی جو مثل نماز کے عبادت بدنیہ ہی اسمین جو انقلاب ہوا ہی

نماز کی بعد اُس کا بیان بقدر ضرورت مع اصلاح ضروری معلوم ہوتا ہے اور بعض اعمال رمضان المبارک کے متعلق اور بھی ہین روزے کے ساتھ اُن کا بیان بھی مناسب ہے۔

مجموعہ اُن اعمال کا یہ ہی رویت[۱] ہلال صوم[۲] سحر[۳] افطار[۴] قیام[۵] رمضان یعنی تراویح اور دو عمل جو عید کے متعلق ہین اُن کو بھی اسکے ملحقات سے کہہ سکتے ہین یعنی صدقہ[۶] فطر و نماز عید[۷] یہ کل سات ہوئے ان سبکی متعلق مختصر مختصر مضامین مذکور ہوتے ہین۔

رویت ہلال

آجکل (جہان اسلامی ریاست نہین ہی) ایک بے احتیاطی عظیم ہوگئی ہی وہ یہ کہ قریب قریب ہر شخص گو وہ علم دین بھی نہ رکھتا ہو آجکل بلا مراجعت علماء کے اپنی تحقیق پر گو کہ وہ کسی اصل شرعی پر مبنی نہو اعتماد کرتا ہے جس روایت کو چاہا قبول کر لیا اگرچہ وہ قابل قبول نہو اور جسکو چاہا رد کر دیا اگرچہ وہ قابل رد نہ ہو اور ظاہرا رمضان کے چاند کی نسبت قبول کرنے مین زیادہ احتیاط معلوم ہوتی ہی اور لوگون کو اکثر یہی دھوکہ ہو جاتا ہے کہ روزہ ہی تو رکھواتے ہین آجکل کیا برائی ہی لیکن ایک بے احتیاطی تو فی الحال ہو جاتی ہے کہ بدون ثبوت رمضانیت باعتقاد رمضان یعنی بہ نیت فرض روزہ رکھا جاتا ہے اور غیر رمضان بہ نیت رمضان روزہ رکھنا ممنوع آیا ہی چنانچہ حدیث نہی عن صوم یوم الشک کا یہی حاصل ہی جسکی لم اور راز یہ ہے کہ حدود شرعیہ کی آجکل توہین اور ہتک لازم آتی ہی گویا شارع علیہ السلام کے نزدیک تو رمضان مثلاً ہفتہ کے دن سے شروع ہوگا مگر اس شخص کے نزدیک جمعہ ہی سے شروع ہوگیا حدود کی مزاحمت کے جرم ہونے مین کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

ایک اور بے احتیاطی جو اس سے اشد ہی بعض اوقات فی المآل ہو جاتی ہی وہ یہ کہ مثلاً اسی بنا غیر صحیح پر روزہ شروع کیا اور ختم رمضان پر اتفاق سے ابر وغیرہ ہوا تو یہ شخص اکمال ثلثین کے قاعدہ پر (یعنی تیس پورے کر کے) عید کر لیگا اور ممکن ہی کہ وہ عین تیس تاریخ رمضان کی ہو تو کسقدر سخت بات ہے اور اس شخص کے اثر سے جتنون نے عید کی اور ایک ایک فرض اُن کا برباد ہوا سب کا وبال اُسکی گردن پر رہا اور چونکہ اپنے نزدیک رمضان پورا کر چکے ہین اس لیئے اس روزہ کا تدارک قضا سے بھی کوئی نہ کریگا تو سب کے ذمہ ایک ایک فرض روزہ چڑھا رہا اور اسی پر موت آگئی پس جب ایسی بے احتیاطیان اس قبول کرنے مین ہوئین تو اس قبول کرنے کو احتیاط نہین کہا جاسکتا اور بلا وجہ شرعی رد کرنے مین تو بے احتیاطی کا لزوم ظاہر ہی فرض روزہ کا ضائع کرنا لازم آتا ہی اور یہی خود رائی بعض اوقات ہلال عید مین ہوتی ہی تو وہان دونون شقون مین صریح خرابی ہی یعنی اگر قابل قبول کو رد کر دیا تو عید کا روزہ رکھوایا

جو حرام ہی اور قابل رد کو قبول کرلیا تو رمضان کا روزہ تڑوا دیا جو اس سے بڑھکر حرام ہی مین نے بے علمون کو دیکھا ہی کہ کبھی محض افواہی خبر سنکر قبول کر لیتے ہین اُن کو یہ خبر نہین کہ خبر کی حجیت ہونیکی کیا کیا شرائط ہین کبھی کہین سے تار آجاتا پر اعتبار کر لیتے ہین اور اُن کو اُسکے احکام فقہیہ کی اطلاع نہین جو کہ مخصوص ہی علمار محققین متقنین کے ساتھ بس بڑا مدار استدلال کا اسکے قبول پر اُنکے نزدیک یہ ہی کہ کہتے ہین کہ صاحب لاکھون روپیہ کی تجارت تار پر چلتی ہے پھر اس کا اعتبار نہ کرنے کا کیا سبب۔

لیکن اگر کوئی ان سے پوچھے کہ گواہ کے پاس سمن آنیکے بعد اگر تار پر شہادت ادا کردی تو قانوناً کیون معتبر نہین اور معاملات تجارت اور اس شہادت مین کیون فرق ہے اور اس شہادت مین اور رویت ہلال کی شہادت مین کیا فرق ہی تو اس کا کوئی معقول جواب نہین دیسکتے۔ اسی طرح مین نے بعض بے علمون کو محض اس بنار پر شہادت کو رد کرتے ہوئے دیکھا ہی کہ شہادت ادا کرنیوالا گنوار ہے کوئی معزز آدمی نہین اگرچہ وہ گنوار دین مین ان معززین سے ہزار درجہ افضل ہو مگر ان کے نزدیک وہ آدمی بھی نہین پھر اسی قسم کے لوگون کو یہانتک تنزل کرتے ہوئے دیکھا ہی کہ کہتے ہین میری چارپائی نے دیکھا ہی ہماری محلے کے فلان فلان (نابالغ) بچے نے دیکھا ہے پس یا تو ان شوراشوری یا باین بےنمکی اور اس تمام ترخرابی کا منشا صرف یہی ایک امر ہی کہ علمار سے اپنے کو مستغنی سمجھتے ہین بلکہ افسوس ہی کہ بعض اوقات ان کا فتوی سنکر اُنسے مزاحمت کرتے ہین اور اُس مین جرح نکالتے ہین انا للہ۔

سو اسکی اصلاح یہ ہی کہ ہر شخص اسمین دخل نہ دیا کرے دوسرے کی رویت پر حکم لگانا تو بڑی بات ہی مصلحت یہ ہے کہ خود اپنی رویت یعنی دیکھنے کو بھی ہر ایک کے روبرو بیان کرتا نہ پھرے کہ اور لوگ حکم لگا وینگے البتہ حاضرین مجلس رویت با عقلار کے روبرو ظاہر کرنا مضائقہ نہین بلکہ سب خبرون اور مشاہدات کو جمع کرکے کوئی عالم معتبر متدین قریب ہون تو اُنکے پاس جاکر اور اگر فاصلہ سے ہون اور خود نہ جاسکے تو دو تین عاقل دیندار آدمیون کو اُنکی خدمت مین حاضر کرکے پوری صورت حال واقعہ کی عرض کرکے وہ جو فتوی دین اُسپر عمل کرے اور اگر اُس فتوی مین کوئی شبہ خیال مین آوے تو عوام کے روبرو اُسکو ظاہر نہ کرین کہ انتظام دین مین خلل پڑیگا بلکہ بواسطہ یا بلا واسطہ اُسکو بھی اُن ہی عالم سے یا اور کوئی صحبت یافتہ علمار کا قریب ہو اُس سے پیش کرکے حل کرے۔

بلکہ مین تو بروئے تجربہ واقعات یہانتک ضروری سمجھتا ہون کہ جسجگہ متعدد علمار ہون وہان ایک عالم بھی بدون مشورہ دوسرے علمار کے اس باب مین اپنی تحقیق و رائے عوام کے روبرو ظاہر نکرے کیونکہ ممکن ہی کہ دوسرے عالم کی رائے مین کچھ اختلاف ہو اور اقوال مختلفہ کے شیوع سے عوام مین تشویش پھیلجاے بلکہ سب مشورہ کرکے

اور اگر اختلاف ہو تو باہم طے کر کے ایک قول متفق کر کے وہی قول متفق عوام تک پہونچے اور جس عالم سے استفسار کیا جاوے ایک ہی جواب
سب جگہ سے ملے اور اگر رائے میں اتفاق نہو تو جو شخص زیادہ مرجع خلائق و کبیر ہو فتوی اُسکے سپرد کر دین باقی سکوت کرین
اگر اُن سے کوئی پوچھے تو اُسی مرجع موصوف کیطرف حوالہ کرین خود خاموش رہین اس مین انشاء اللہ کبھی بد نظمی نہین ہو سکتی
مین نے تو ایسی تشویشات کو دیکھکر ایک مقام پر انتظام کیا تھا کہ سب علماء کو متفق کر کے خاص ایک عالم کو اس باب
خاص مین محط خبر و مدار حکم ٹھیرا لیا کہ جو خبر ہلال کے متعلق جس عالم کے پاس آوے وہ اُنکی خدمت مین پہونچائی جاوے اور
جو شخص جس سے فتوی پوچھنے آوے وہ سائل کو اُن ہی کے پاس بھیجدے اور جسکو کوئی اختلاف کرنا ہو انھین سے ظاہر
کرے غرض عوام کو اختلاف کی اطلاع نہو اور حکم حاصل کرنے مین اُن کو تشویش نہو اور اس قرارداد کے بعد عام لوگون مین
اس کا اشتہار دیدیا گیا پس سب خلجانون سے نجات ہو گئی تھی اگر سب جگہ ایسا انتظام کر لیا جاوے تو اقرب الی الاتفاق
وابعد من الافتراق ہے اور ایک انتظام یہ ضروری ہے کہ چاند دیکھنے پر یا اُس کی خبر سُننے پر بلا ضرورت دوسرے مقامات پر
تار نہ دوڑا دیا کرین بلکہ کسی عامی کے پوچھنے پر بھی جواب نہ دیا کرین کہ دوسری جگہ عوام کے ہاتھ مین ایسی خبرین پہونچ
جانے کے بعد چونکہ اس وقت خود رائی کا غلبہ ہے ضرور مفاسد پیش آتے ہین کہ اُن کا انسداد قابو سے باہر ہے اور
شرعاً کوئی ضروری امر ہی نہین کہ از خود دوسری جگہ خبر بھیجا کرو البتہ کوئی عالم دریافت کرے تو جواب دیدو پھر وہ خود
ہی حکم شرعی کے موافق عمل کرینگے اور کسی مفسدہ کا احتمال نہوگا اور جب ایسے استدلالات کہ کسی درجہ مین صلاحیت استدلال
ہونیکی رکھتے ہین بدون حکم علماء کے قابل اطمینان نہین تو جو استدلال اپنی ذات مین بھی صلاحیت استدلال ہونے
کی نہین رکھتے اُن سے دلیل پکڑنا تو کسقدر مذموم اور اختراع فی الدین ہوگا مثلاً رجب کی چوتھی کا لامحالہ غرہ رمضان
کے موافق ہونا چاند کا بڑا ہونا یا دیر تک ٹھیرنا۔ اونچا ہونا۔ یا بدر کامل ہو نا بیٹھکر اُٹھنا دو شب تک غائب رہنا۔
فلان جنتری مین ۲۹ یا ۳۰ کا لکھا رہنا و مثل ذلک یہ سب شرع مین غیر معتبر ہین اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اکثر ایسے امور
حسابی اور مطابق واقع کے ہین تو شرع نے امور واقعیہ کی نفی کیسے کی ہے جبین تو اسکی طرف نسبت کذب کی لازم
آتی ہے وجہ اس شبہ کے وارد نہونیکی یہ ہے کہ شرع نے اِن امور کے وقوع کی نفی نہین کی کہ یہ محذور لازم آوے بلکہ ان امور
کے اعتبار کی نفی کی ہے یعنی ہم ان امور کے وقوع پر اپنے احکام کا مدار نہین رکھتے تو یہ حق ہر صاحب قانون کو حاصل ہے
مثلاً کوئی نوکری مشروط ہوئی۔ اے کے ساتھ تو وہ انٹرینس والے کو نہ ملیگی تو اسکے یہ معنی نہین کہ اُس شخص کے انٹرینس
ہونے کی نفی کیگئی ہے بلکہ معنی یہ ہین کہ انٹرینس ہونا معتبر اور مدار استحقاق نوکری کا اس موقع پر نہین ہے تو اگر غرہ شرعی غرہ
حسابی نہو تو اُسکو یکم کہنے کے یہ معنی نہین کہ وہ واقع مین یکم ہے بلکہ معنی یہ ہین کہ خواہ وہ واقع مین کسی دوسرے

حساب سے دوم ہو مگر بروئے قواعد فلان فلان روزہ اُسی سے شروع کرنیکا حکم دیا جاتا ہے اور روزہ شروع کرنیکی تاریخ کو ہماری اصطلاح مین یکم کہا جاویگا اور لغت و اصطلاح کا تطابق ضروری نہین۔ جیسا اہل حساب تاریخ کو طلوع سے شروع کرتے ہین اور اُس کو کوئی محل اعتراض نہین سمجھتا یہان تک رویت ہلال کے متعلق کلام ہو چکا۔

صوم

اسمین چند کوتاہیان کیجاتی ہین ایک یہ کہ بعض تو بلا کسی وجہ قوی یا ضعیف کے روزہ نہین رکھتے ہین مین نے ایک شخص کو دیکھا تھا جس نے عمر بھر کبھی روزہ نہین رکھا پھر ان مین بعض تو کم ہمت ہین وہ سمجھتے ہین کہ ہم سے روزہ پورا نہ ہو سکیگا چنانچہ وہ شخص اسی بلا مین مبتلا تھا مین نے کہا کہ تم بطور امتحان ہی رکھکر دیکھو چنانچہ رکھا اور پورا ہو گیا اور پھر اسکی ہمت بندھ گئی اور رکھنے لگا۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ رکھکر بھی نہ دیکھا تھا اور پختہ یقین کر بیٹھا تھا کہ کبھی رکھا ہی نہ جاویگا یہ لوگ سوچکر دیکھین کہ اگر طبیب کہدے کہ آج دن بھر نہ کچھ کھاؤ نہ کچھ پیو ورنہ فلان مرض مہلک پڑ جاویگا تو اُس نے تو ایک ہی دن کیلیے کہا ہے یہ شخص دو دن تک کہ احتیاطاً اسی مین ہے افسوس ہے کہ خدا تعالیٰ دن دن کا کھانا پینا چھڑا دین اور کھانے پینے سے عذاب مہلک کے وعید فرما دین اور قول طبیب کے برابر بھی اسکی وقعت نہو انا للہ

اور بعض ان سے بھی بدتر بد عقیدت ہین کہ روزہ کی ضرورت ہی مین اُن کو کلام ہے پھر بعضے تو ان مین مہذب ہین کہتے ہین کہ روزہ جس غرض سے مشروع ہوا تھا کہ قوت بہیمہ منکسر ہو جاوے وہ غرض ہم کو بدولت علم و تہذیب کے حاصل ہے اس لیے اب روزہ کی ضرورت نہین ان کا جواب یہ ہے کہ اول تو تم کو اس غرض کا حاصل ہونا مشاہدہ کے خلاف ہے قوت بہیمہ کے آثار فخر و تعلی و ظلم و قساوت جسقدر تم مین ہین دوسروں مین اس کا عشر عشیر بھی نہین۔ دوسرے اگر غرض حاصل بھی ہو جاوے تب بھی یہ مسلّم نہین کہ روزہ بس اسی غرض کے لیے مشروع ہے بلکہ خود اسکی صورت نوعیہ بھی مطلوب ہے تفصیل اس جواب کی نماز کے مضمون مین تحریر ہو چکی ہے وہان ملاحظہ فرمایئے۔ اور بعضے تہذیب سے بھی گذر کر گستاخی اور تمسخر کے کلمات کہتے ہین مثلاً روزہ وہ رکھے جسکے گھر اناج نہو۔ یا یہ کہ بھائی ہم سے بھوکا نہین مرا جاتا یا ایک اعلی التعلیم یافتہ صاحب کو علانیہ رمضان مین کھاتے ہوے جو ایک بیندار نے ٹوکا کہ رمضان مین دن کو کھاتے ہو تو وہ فرماتے ہین کہ رمضان کیا چیز؟ اُس بیندار نے کہا کہ صاحب رمضان مہینہ ہے تو ہی تو کہتے ہین کہ جنوری فروری الخ اسمین رمضان تو کہین نہین آیا اور امثال ان اقوال کے۔ سو یہ دونون فریق بوجہ انکار فرضیت روزہ کے زمرۂ کفار مین داخل ہین اور پہلے فریق کا قول محض ایمان شکن ہے

اور بعض اہل اصطلاح لغت سے کوئی غرض نہین رکھتے

اور دوسرے کا ایمان ممکن بھی مشکل بھی اور فریق اول اس تاویل سے کفر سے نہیں بچ سکتا کیونکہ تاویل ہی ضروریات دین میں اور ایسی تاویل دافع کفر نہیں ہوتی کما تقرر فی محلہ اور یہ مہذب فریق ظاہراً اس غیر مہذب سے اہون ہی مگر عند التامل ضرر میں اس سے اشد ہی کیونکہ غیر مہذب عنوان خود اپنے بطلان پر دلیل ہی اور مہذب عنوان میں تلبیس زیادہ محتمل ہی اور جس طرح بد عقیدت لوگوں میں دو فریق ہیں مہذب اور غیر مہذب جیسا ابھی بیان ہوا اسی طرح کم ہمت لوگوں میں بھی دو فریق ہیں ایک مہذب جو باوجود روزہ نہ رکھنے کے علانیہ نہیں کھاتے پیتے بلکہ اپنے اس عیب کا اخفا کرتے ہیں اور ظاہر ہونے پر شرماتے ہیں اور دوسرے غیر مہذب جو ذرا شرم نہیں کرتے علانیہ کھاتے پیتے ہیں اور روکنے پر کہتے ہیں کہ جب خدا کی چوری نہیں تو بندہ کی کیا چوری حالانکہ یہ مضمون محض تلبیس ہے کیونکہ خدا تعالی سے تو کسی معصیت کا اخفا ہو ہی نہیں سکتا اور خلق سے اخفا ہو سکتا ہی تو ممکن کا قیاس محال پر یہ خود سفسطہ ہی دوسرے مخلوق سے معصیت کے اخفا کا خود خدا تعالی نے حکم دیا ہی تو اسکے ترک سے اور بھی معصیت اشد ہو جاتی ہے تو ملا وہ اشد ہیں کیوں مبتلا ہو اور بعض بلا عذر تو روزہ ترک نہیں کرتے مگر اسکی تمیز نہیں کرتے کہ عذر قوی ہی اور شرعاً معتبر ہی یا نہیں ادنی بہانہ سے روزہ افطار کر دیتے ہیں خواہ ابتدا ہی سے نہیں رکھتے یا رکھکر توڑ ڈالتے ہیں ذرا پیاس لگی اور روزہ افطار کر دیا خواہ ایک ہی منزل کا سفر ہوا روزہ افطار کر دیا کچھ محنت مزدوری کا کام ہوا اور روزہ افطار کر دیا اور ایک طرح سے تو یہ لوگ بلا عذر روزہ توڑنے والوں سے بھی زیادہ قابل مذمت ہیں وہ یہ کہ بلا عذر نہ رکھنے والے خود بھی اپنے کو صاحب عذر نہیں سمجھتے اپنے کو فعل قبیح کا مرتکب سمجھتے ہیں اور یہ لوگ اپنے کو معذور جان کر بیگناہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ شرعاً وہ معذور نہیں اسلیئے گنہگار ہونگے ان لوگونکو چاہیئے کہ ایسے لوگوں پر نظر کریں جو سخت سے سخت حالتوں میں بھی روزہ نہیں چھوڑتے میں نے ریلوے کے ایک ڈرائیور کو دیکھا ہی کہ ہر وقت انجن میں رہتا تھا اور سخت گرمی کی فصل تھی اور روزہ رکھتا تھا بہت سے کھیتی کاٹنے والے دیکھے گئے ہیں کہ جیٹھ بیساکھ کے دنوں میں دھوپ میں بیٹھکر کھیتی کاٹتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں تجربہ سے معلوم ہوا ہی کہ قدری عادت اور زیادہ ہمت یعنی پختہ ارادہ ان دونوں کے جمع ہونے سے مشکل سے مشکل کام بھی سہل ہو جاتا ہی اور ذوق وجدان سے کام لیا جائے تو روزہ میں تسہیل و تائید خداوندی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا ہی پھر اسپر بھی ہمت توڑ دینا اور بہانہ ڈھونڈنا سخت محرومی ہے۔

بعضے لوگ عذر کی حد کو تو سمجھتے ہیں لیکن عذر اپنے اختیار سے قصداً پیدا کر لیتے ہیں مثلاً شرعی واقع میں عذر ہے مگر اس شخص کو در حقیقت سفر کی ضرورت نہ تھی صرف اسی نیت سے بلا ضرورت سفر کیا ہی کہ روزہ نہ رکھنا پڑے اور قضا کر لے تو وہ چونکہ شرعاً موسع ہی اسلیئے اُسکے واسطے خاص فرصت کو انتخاب کر لیا جاتا ہی اور نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا

کہ تھوڑے ہی دنون سے ایک نئے اجتہاد کی بدولت قضا کے عوض فدیہ کے کافی ہونیکے اعتقاد سے نفع اُٹھایا جا رہا ہی جسپر مین نے مجمل کلام اپنے بعض رسائل مین بزبان اردو اور اسی رسالہ کے حاشیہ ملحقہ بالاخیر مین بعبارت عربیہ کیا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس باب مین نہ رای محض معتبر ہے اور نہ کسی آیت یا حدیث کے ظاہری مفہوم پر غیر مجتہد کو عمل درست ہے اور نہ عامی کو محض مطالعہ فقہ کا کافی ہی بعد انقراض زمانہ اجتہاد کے عالم کو کتب فقہیہ کا اتباع اور عامی کو علماء سے استفسار کر کے عمل کرنا واجب ہے اور یہی معیار ہی عذر کے معتبر ہونے یا نہونیکا۔ بے علمی مین بعض اوقات قصد ہوتا ہے قرآن و حدیث و فقہ کے اتباع کا اور لازم آجاتا ہی اتباع اپنی رای اور ہوی کا کیا یہ بات ظاہر نہین ہی کہ جو شخص طبیب نہو وہ اگر کتاب دیکھکر کسی مریض کے لیے نسخہ لکھدے تو کچھ تعجب نہین کہ وہ نسخہ قواعد طب کے بھی خلاف ہو اور جسجگہ اتباع کتاب و سنت و فقہ کا قصد بھی نہو اُس کا ذکر ہی کیا۔

بعضے لوگون کا افطار تو عذر شرعی سے ہوتا ہی مگر اُن سے یہ کوتاہی ہوتی ہی کہ بعض اوقات اُس عذر کے دفع ہونے کے وقت کسی قدر دن باقی ہوتا ہی اور شرعاً بقیہ دن مین امساک یعنی کھانے پینے سے بند رہنا واجب ہوتا ہی مگر وہ اسکی پرواہ نہین کرتے مثلاً سفر شرعی سے ظہر کے وقت واپس آگیا یا عورت حیض سے ظہر کے وقت پاک ہوگئی تو اُن کو شام تک کھانا پینا نہ چاہیے علاج اس کوتاہی کا مسائل و احکام کی تعلیم و تعلم ہی بعض لوگ خود تو روزہ رکھتے ہین لیکن بچون سے (باوجود اُنکے روزہ رکھنے کے قابل ہونیکے) روزہ رکھوانے کی پرواہ نہین کرتے بلکہ بعض اُنکے نابالغ ہونیکو دلیل بناکر اپنی رائے و عمل کو صواب سمجھتے ہین اور روزہ رکھانیکو سختی سمجھتے ہین خوب سمجھ لیا جاوے کہ عدم بلوغ سے اُن بچون پر واجب نہونا تو لازم آتا ہی لیکن اس سے یہ لازم نہین آتا کہ اُنکے اولیاء پر بھی اُنسے روزہ رکھوانا واجب نہو جس طرح نماز کیلئے باوجود عدم بلوغ کے اُنکو تاکید کرنا بلکہ مارنا ضروری ہی اسیطرح روزہ کیلئے بھی اتنا فرق ہی کہ نماز مین عمر کی قید ہی اور روزہ مین تحمل پر مدار ہی (یعنی جب روزہ کی تکلیف کو برداشت کرنے کی قابلیت و طاقت آجائے رکھوانا واجب ہے) اور راز اسمین یہ ہے کہ کسی کام کا دفعتہً پابند ہونا دشوار ہوتا ہے تو اگر بالغ ہونے کے بعد ہی تمام احکام شروع ہون تو اس ہم ایکبار گران پڑجاویگا اس لئے شریعت کی رحمت ہے کہ پہلے ہی سے شدہ شدہ سب اعمال کا خوگر بنانیکا قانون مقرر کیا تا کہ مکلف ہونیکے وقت دشواری نہو پس اس قانون کی تنفیذ سرپرستون کے ذمہ مقرر کیگئی سو اگر سرپرستون پر یہ واجب نہو تو اس قانون کا کوئی فائدہ ہی نہوگا کیونکہ واجب نہونیکی صورت مین ان کو ترک بھی جائز ہوگا تو اگر اس جائز سے یہ منتفع ہوئے تو بلوغ کے بعد اُس نئے مکلف کو اُسی مصیبت کا سامنا ہوگا تو قانون کا عدم و وجود برابر ہوا تو لامحالہ اولیاء پر اس کا وجوب ہوگا تو ان لوگون کی دو غلطیان ہین ایک اسکو ضروری نہ سمجھنا دوسرے اس ضروری کو سختی سمجھنا

جسمین شرع پر دھبہ لگتا ہے کیونکہ نصوص مین بتلایا گیا ہے کہ شرع مین سختی نہین ہے قال اللہ تعالیٰ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔ وفی الحدیث الدین یسر اور اس سے یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جو مسلم بالغ ہو دفعۃً جمیع احکام کا مکلف ہو جاتا ہے کیونکہ شرع نے تو اُسکے لیے بھی ہی قانون تسہیل مقرر کیا تھا مگر یہ خود اُسکی اور اُسکے خاندان والونکی غلطی ہے کہ اسلام مین دیر لگائی جس سے وہ سہولت ضائع کر دی اسی لیے مراہق قبل بلوغ جبکہ وہ عاقل ہو ایک درجہ مین مخاطب بالایمان ہے جیسا اصولیون نے تصریح کی ہے پس مخاطب ہونے کے بعد توقف کرنا اپنے ہاتھون سے اس سہولت مین کمی کرنا ہے اور کمی اسلیے کہا کہ دفعۃً واحدۃً بھی جمیع احکام کا بجا لانا بوجہ اسکے کہ وہ احکام قلیل اور فی نفسہ سہل ہین چندان دشوار نہین لیکن شرع نے اور زیادہ سہولت کر دی تھی اور جسطرح یہان تک روزہ مین تفریط کرنیوالون کا ذکر تھا اسی طرح بعض لوگ اسمین افراط کرنے والے بھی پائے جاتے ہین اور ظاہر بین تو یہ لوگ اقرب الی الدین ہین لیکن چونکہ شریعت مین افراط بھی پسند نہین اس لیے انکی حالت کو بھی دین کے موافق نہ کہا جاویگا مثلاً بعضے لوگ سفر یا مرض مین جان کو آجاتے ہین مگر دینداری جتلانیکو یا افطار پر صوم کی ترجیح دینے کو افطار نہین کرتے اور یہ سخت غلطی ہے اگر اول نیت ہے تو بہت ہی بُرا ہے اور اگر ثانی ہے تو اسلیے جہل ہے کہ صوم کو مطلقاً افطار پر ترجیح نہین ہے بلکہ ایسی شدت کی حالت مین امر بالعکس ہے ورنہ حدیث لیس من البر الصیام فی السفر کے کوئی معنے نہ ہونگے بلکہ یہ جہل بوجہ اسکے کہ اس کا اثر عقیدہ تک پہونچتا ہے اول سے بھی اشد ہے کیونکہ علمی غلطی عملی غلطی سے اقبح و اشنع ہے اور عقیدہ تک اثر اسطرح ہے کہ شرع نے جسکو راجح قرار دیا یہ شخص اسکو مرجوح سمجھتا ہے اور جسکو مرجوح قرار دیا اُس کو راجح اعتقاد کر رہا ہے اور رخصت شرعیہ مین اس کا دل تنگ ہے تو گویا اُس کو ناقص سمجھتا ہے اور شرع کیطرف تجویز نقص کو نسبت کرنا کتنا بُرا عقیدہ ہے حدیث اولئک العصاۃ اور حدیث ما بال اقوام یتنزہون الخ ایسے ہی موقع مین ہے یہ ہی حکم ہے اُن عورتون کا کہ باوجود تیقن اس امر کے کہ روزہ رکھنا دودھ پینے والے بچے کو ضرر کریگا اپنی ہٹ دھرمی اور ہیکڑی سے باز نہین آتین بلکہ اُنکی حالت پہلے شخص سے بھی زیادہ منکر ہے کیونکہ اُس نے تو صرف اپنا ہی نقصان کیا تھا اسنے ایک بیگناہ بچہ کو بھی ضرر پہونچایا سو کسی کو ضرر پہونچانا پھر وہ بھی بچہ یہ حقوق العباد کی کسدرجہ کی فرد ہے اور ان سب صورتون سے بڑھکر افراط یہ ہے کہ بعضون کو بہت چھوٹے کم سمجھ ناتوان بچہ کو روزہ رکھانیکا شوق ہوتا ہے کچھ تو خود اس روزہ رکھانیکا فخر ہوتا ہے اور کچھ روزہ کشائی مین حوصلہ نکالنے کا ارمان ہوتا ہے سو اول تو بنی ہی اس کا فاسد ہے پھر لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا کی مخالفت پھر اُسپر بعض عوارض ایسے مرتب ہو جاتے ہین کہ معصیت مین تضاعف ہو جاتا ہے مجھکو ایک جگہ کا قصہ معلوم ہے کہ اسی طرح کے ایک بچہ کو روزہ رکھوایا اور اپنی امارت اُچھالنے

کے لئے روزہ کشائی کا بہت زیادہ اہتمام کیا گرمی کے بڑے اور کڑے دن عصر کے وقت تک جون تون کرکے اُسنے کھینچا آخر طاقت طاق ہوگئی اور صبر و توان نے جواب دیدیا ٹھنڈے پانی کے مٹکے بھرے رکھے تھے اُنپر تر کپڑا لپٹا تھا برف گھولنے کا سامان ہو رہا تھا اس ساری سامان نے آگ بھڑکا دی ایک ایک کی خوشامد پانی کے لیے کرتا تھا لیکن اگر پانی دیتے ہیں تو روزہ کشائی کا سامان اکارت جاتا ہے اپنا سامان بچانیکے لیے پانی کو جواب دیدیا آخر سخت بیتاب ہو کر دوڑ کر ایک مٹکے کو جا لپٹا اور محبوب سے وصل ہوتے ہی روح نے قالب کو چھوڑ دیا اُسکی نعش بزبانِ حال سے سرایان تھی کہ لو بھائی تم کو تمھارا سامان مبارک رہے ہم اپنی جان تمھاری سامان پر فدا کرتے ہیں" کسقدر حسرتناک ماجرا ہے یہ نتیجہ ہے غلو اور افراط کا آخر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بے معنی تو نہیں ہے لا تغلوا فی دینکم کیا اس ہلاک اور قتل کی نسبت گو تسبباً سہی ان ظالموں کی طرف نہوگی غرض تفریط اور افراط دونوں مذموم ہیں شرع نے دونوں سے روکا ہے اور ان حدود کا علم بدون صحبت و استفسار و صحبت علماء کے نہیں ہوتا پس اس سب کا علاج یہی ہے۔

بعض لوگ نفس روزہ میں افراط و تفریط نہیں کرتے لیکن روزہ محض صورت کا نام سمجھکر صبح سے شام تک اجوفین (یعنی فم و فرج) کو بند رکھنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اسمیں علاوہ مقصود بہ صورت نوعیہ کے کہ وہ بھی ثابت ہے اور حکمتیں موجود ہیں جنکی طرف قرآن مجید میں اشارہ بلکہ صراحت ہے لعلکم تتقون اُن سب کو نظرانداز کرکے اپنے صوم کو جسد بلا روح بنا لیتے ہیں خلاصہ اُن حکمتوں کا معاصی و منہیات سے بچنا ہے سو ظاہر ہے کہ اکثر لوگ روزہ میں بھی اکثر معاصی سے نہیں بچتے جو حالت اُنکی معصیت میں قبل رمضان ہوتی ہے رمضان کے آنے سے اُنمیں کوئی تفاوت نہیں ہوتا اگر غیبت کی عادت تھی وہ بدستور رہتی ہے اگر نگاہ بد کے خوگر تھے وہ نہیں چھوڑتے اگر حقوق العباد میں مبتلا تھے اُنکی صفائی نہیں کی بلکہ بعض کے معاصی تو غالباً بڑھ جاتے ہیں کیونکہ پہلے تو کسی کاروبار میں لگے رہتے تھے اب روزہ میں چلنے پھرنے محنت مشقت کا کام تو ہوتا نہیں دوستوں میں جا بیٹھے کہ روزہ بہلیگا پھر دوستوں میں کوئی شغل بجز گپ کا بھی ضروری ہے باتیں کرنا شروع کیں جنمیں زیادہ حصہ غیبت کا ہوگا اور یا چوسر گنجفہ تاش یا ہارمونیم باجا یا گراموفون لے بیٹھے اور دن پورا کر دیا بھلا اس روزہ کا کوئی معتد بہ حاصل کیا اتنی بات عقل سے سمجھ میں نہیں آتی کہ کھانا پینا جو کہ فی نفسہ مباح ہے جب روزہ میں وہ حرام ہو گیا تو غیبت اور دوسرے معاصی جو فی نفسہ بھی حرام ہیں وہ روزہ میں کسقدر سخت حرام ہو جائیں گے تو مباح اصلی سے بچنا اور غیر مباح میں مبتلا ہونا یہ روزہ کس قسم کا ہے حدیث میں ہے کہ جو شخص بد گفتاری اور بدکرداری نہ چھوڑے خدا تعالیٰ کو اسکی کچھ پرواہ نہیں کہ وہ شخص اپنا کھانا

پینا چھوڑی اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ بالکل روزہ ہی نہ ہوگا کبھی یہ سمجھکر کہ جب روزہ نہوگا تو پھر رکھنے سے کیا فائدہ سو روزہ تو ہو جاویگا مگر نہایت ادنی درجہ کا جیسا اندھا لنگڑا۔ کانا گنجا۔ اپاہج آدمی ہوتا ہے مگر ناقص درجہ کا۔ اور بالکل روزہ نہ رکھنا تو اس سے بھی اشد ہے کیونکہ ذات کا سلب صفت کے سلب سے سخت تر ہے۔

اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب غیبت چونکہ مباح فی نفسہ نہیں لہذا زیادہ شدید ہے اور اکل و شرب چونکہ فی نفسہ مباح ہیں وہ اس سے خفیف ہیں پس غیبت سے روزہ افطار ہونا خورد و نوش سے افطار ہو جانا کیا معنی؟ جواب یہ ہے کہ روزہ جن خصوصیات کے لیے شروع کیا گیا ہے اُنکے اعتبار سے اُسکی ایک خاص ماہیت مشخصہ ہے یعنی امساک عن المفطرات بالنیۃ" (نیت کر کے افطار کرنیوالی چیزوں سے رُکنا) سو اکل و شرب وغیرہ گو ادنی ہوں مگر اُس ماہیت کے منافی ہیں اور دوسری معاصی گو اغلظ ہوں مگر اُس ماہیت کے منافی نہیں گو اُس ماہیت کی اغراض کی منافی ہوں سو غایت ما فی الباب ان معاصی سے وہ اغراض فوت ہو جاوینگے سو اسکو ہم بھی مانتے ہیں چنانچہ اوپر کہا گیا ہے کہ بھلا اس روزہ کا کوئی معتدبہ حاصل اور اصل حقیقت صوم کے متعلق ہو جانے سے یہ اثر ہوگا کہ قیامت میں بازپرس نہوگی کہ روزہ کیوں نہیں رکھا بلکہ یہ پوچھا جاویگا کہ روزہ کو خراب کیوں کیا سو بڑا فرق ہے ایسا ہی کہ حاکم کے حکم کے بعد سالانہ کاغذ ہی نہ بنایا اور ایسا ہی کہ بنایا مگر کہیں کہیں غلطیاں رہ گئیں اور یہ جو کہا گیا کہ ایسے روزہ سے معتدبہ فائدہ نہیں۔ یہ قید اسلیے لگائی کہ بالکل بے سود بھی نہیں اور وہ فائدہ ایک تو ظاہر ہے کہ کسی قدر تو تعمیل ارشاد ہی ہے اور دوسرے ہر عمل میں ایک خاص برکت ہے جب صبح سے شام تک لذات مخصوصہ سے نفس کو روکا تو اس سے نفس ضرور منفعل و منصبغ (اثر قبول کنندہ و رنگ پذیرندہ) ہو گیا جس کا اثر یا تو آئندہ ظاہر ہو کہ کسی معصیت سے رکنے کی توفیق ہو جائے یا اُسی روز یہ اثر ہوا ہو کہ اگر یہ صورت صوم بھی نہوتی تو کوئی خاص معصیت سرزد ہوتی اور روزہ کی برکت سے سرزد نہوئی ہو تو اس وجہ سے بالکل بے سود اور لاحاصل نہیں کہہ سکتے

اور تدبیران معاصی سے بچنے کی تین امر کا مجموعہ ہے خلق سے بلا ضرورت تنہا اور یکسو رہنا کسی اچھے شغل میں لگے رہنا مثل تلاوت قرآن مجید وغیرہ نفس کو سمجھانا اور وقتاً فوقتاً دھیان کرتے رہنا کہ ذراسی لذت کے واسطے صبح سے شام تک کی مشقت کو کیوں ضائع کیا اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ نفس پھسلانے سے بہت کام کرتا ہے سو نفس کو یوں پھسلاوے کہ ایک مہینہ کے لئے تو اس دستور العمل کی کہ مجموعہ ہے امور مذکورہ کا ہی پابندی کر لے پھر دیکھا جاویگا یہ ایک مہینہ تو وہ پھسلانے میں آکر مرضی موافق پورا کر لیگا پھر یہ بھی تجربہ ہے کہ جس طرز پر آدمی ایک مدت تک رہ چکا ہو وہ آسان ہو جاتا ہے بالخصوص اہل باطن کو رمضان میں یہ حالت زیادہ مدرک (معلوم) ہوتی ہے

کہ اس مہینہ مین جو اعمال صالحہ کیئے ہوتے ہین سال بھر تک اُنکی توفیق رہتی ہی پس اس طریق سے بعد رمضان بھی وہی عادت ترک معاصی کی تھوڑی توجہ سے انشاء اللہ محفوظ رہیگی اور مین یہ نہین کہتا کہ پھر معصیت کی طرف میلان ہی نہوگا بلکہ دعویٰ یہ ہی کہ اس میلان کا جسقدر پہلے تقاضا ہوتا تھا اب اُسقدر تقاضا نہوگا کہ بہت تھوڑی توجہ اور ضبط سے وہ میلان دفع یا مغلوب ہوجاویگا اور میرے نزدیک یہی اثر ہی شیاطین کے مقید ہوجانیکا رمضان مین کہ قبل رمضان جو نفسانی خواہشین طبعًا پیدا ہوتی تھین اُنکی اعانت شیاطین بھی کرتے تھے اس لیئے تقاضا شدید ہوتا تھا کہ ضبط مین زیادہ مشقت ہوتی تھی رمضان مین گو ایسی خواہشین پیدا تو ہوتی ہین کیونکہ نفس اور طبیعت قید نہین ہوتے مگر شیاطین چونکہ قید ہوگئے اس لیئے اُنکی جانب سے اعانت نہین ہوتی تو تقاضا اسقدر نہوگا اور رُکنا اتنا دشوار نہوگا چنانچہ یہ امر تجربہ اور مشاہدہ سے دیکھ لیا جاوے کہ صحیح ہے اور اس تقریر سے بعض اشکالات بھی حل ہوگئے اور اسی کا ضمیمہ یہ بھی ہی کہ حتی الوسع رمضان مین غذائے حلال کا زیادہ اہتمام رکھے شرم کی بات ہے کہ حلال سے تو دن بھر رُکا رہے اور حرام پر افطار ہو۔

سحور یعنی سحری

اسمین غالبًا دو کوتاہیان ہوتی ہین ایک تعجیل کے متعلق دوسرے تاخیر کے متعلق اول کا بیان یہ ہی کہ اکثر لوگ آدھی رات سے سحری کھاکر بیٹھ رہتے ہین سو اول تو خود اسقدر تعجیل ہی امر شارع و غرض مشروعیت سحر کے خلاف ہی اور وہ غرض یہ ہی کہ مسلمین و اہل کتاب مین فرق رہے اور روزہ مین قوت و طاقت رہی اور دوسرے اکثر عوام کا اسکے ساتھ یہ اعتقاد منضم ہوجاتا ہی کہ جب سحر کھاکر روزہ کی نیت کرلی یا سوگئے تو اسکے بعد گو رات باقی ہی ہو مگر اب کھانا پینا جائز نہین سو یہ اعتقاد ایک اختراع فی الدین ہے جس سے توبہ واجب ہے۔

اور ثانی کا بیان یہ ہے کہ بعضے لوگ خصوص جنکے پاس نقشے اور گھڑیان بھی ہین اسقدر تاخیر کرتے ہین کہ بعض اوقات یہ اشتباہ قوی ہوجاتا ہی کہ کہین صبح صادق کے بعد تو نہین کھایا گیا اسقدر مبالغہ ضرور خلاف احتیاط ہی حدیث متفق علیہ کالراعی یرعی حول الحمی یوشک ان یرتع فیہ اس سے صاف روک رہی ہی۔ اسی طرح گھڑیون پر اتنا اعتماد کہ اُسکی بناء پر اتنے بڑے فرض الٰہی کو خطرہ مین ڈالنے پر اقدام کر بیٹھے جسارت عظیمہ ہی اور تجربہ کے بھی خلاف کیونکہ ہزارون واقعات بڑی بڑی قیمتی گھڑیونکی غلطی نکلنے پر شاہد ہین اسی طرح اسکے مقابل بعض کا تشدد کہ گھڑی ہی کو بدعت کہتے ہین اور نماز روزہ مین اُسکے حساب کو کسی درجہ مین معتبر رکھنے کو بھی حرام سمجھتے ہین یہ بھی تعدی حدود ہی اسمین

قول فیصل یہ ہی کہ اصل مدار معرفت اوقات مین علامات خاصہ مین اوران علامات کی تحقق مین جیسا مشاہدہ اور حس معتبر ہے اسی طرح اس مشاہدہ وحس کی مطابقت پر کوئی اصطلاح یا آلہ جبکا کثرت تکرار مشاہدہ سے صحیح ومطابق ہونا معلوم ہوا ہو مقرر کرلین یا اور کوئی قدرتی چیز مطابق معلوم ہو تو اُس کا اعتبار بھی جائز ہے نہ من حیث الخصوصیت بلکہ من حیث المطابقۃ لتلک العلامات المعتبرۃ شرعًا (یعنی یہ کوئی خصوصیت اس آلہ اور اصطلاح کی نہین بلکہ یہ آلہ چونکہ ایسی علامتون کے مطابق ہوگیا ہی جو شرعًا معتبر ہین اس کا بھی اعتبار ہوگیا) بس گھڑی اسی قبیل سے ہی نظیر اسکی طبل سحور ہی جسکے جواز اعتبار کو فقہا رمتاخرین نے تنصیصًا فرمایا ہی (یعنی صبح صادق کے لیئے جو نقارہ بجایا جاے اُسپر اعتبار کر لینے کی فقہا نے تصریح فرمائی ہے) لیکن بدل کسی طرح اصل کی برابر نہین ہوسکتا کیونکہ اصل مین تو غلطی کا احتمال ہی نہین (مثلاً غروب کا آنکھون سے دیکھ لینا ہان شاید کبھی حس مین غلطی ہوجائے) اور بدل مین احتمال ہے (جیسے گھڑی) اور یہان سے سحر مین مرغ کی اذان کا اور افطار کے وقت شپرک کے نکلنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ بدون تجربہ کامل کے اُس پر اعتماد نہ چاہیئے۔

بعض لوگ سحر مناسب وقت کھاتے ہین مگر فضول حقہ وپان مین اسقدر دیر لگادیتے ہین کہ روزہ خطرہ مین پڑجاتا ہی بعضے پان منھ مین دباکر سورہتے ہین یہ سب بے عنوانیان ہین ایک بے عنوانی سحور کے متعلق بعض مقامات پر یہ دیکھی جاتی ہی کہ صبح کی اذان قبل الوقت کہتے ہین تاکہ سحر کھانے والے سحر چھوڑدین مگر جنکے نزدیک اذان فجر قبل الوقت کافی نہین (جیسے امام ابوحنیفہ رح وغیرہ) اُنکے نزدیک اس اذان کا اعادہ ضروری ہے اور اعادہ نہین کیا جاتا تو صبح کی نماز بدون اذان ہوتی ہی دوسرے اگر لوگون کو اسکی عادت ہوگئی اور ظاہر ہی کہ نون نہ ایسے دیانتدار نہ ایسے واقف کار اوقات ہین تو اگر کسی روز غلطی سے خلاف معمول بعد صبح صادق اذان ہوئی تو تمام لوگون کے روزے اس اذان کے بھروسہ برباد ہون گے اس لیئے مصلحت یہ ہی کہ اذان ایسے وقت کہی جایا کری کہ اس اذان کے اعتماد پر کوئی شخص سحری نہ کھاوے پھر خود ہی ہر شخص اپنے طور پر تحقیق کرکے اُسپر عمل درآمد کرے گا۔

افطار

اسوقت ذہن مین اسکے متعلق بڑی کوتاہی ایک ہی آتی ہی وہ یہ کہ اکثر جگہہ دیکھا جاتا ہی کہ افطار کے سامان مین جسکو عرف مین افطاری کہتے ہین اسقدر اہتمام کرتے ہین کہ اُسکے کھاتے کھاتے مغرب کی جماعت بالکل یا کسیقدر فوت ہوجاتی ہی اور یہ بات قصدًا اور اکثر ہوتی ہے جسمین شرعًا معذور بھی نہین ہوسکتا جماعت کی

جو کچھ تاکید آئی ہے اُسکے اعتبار سے یہ عادت نہایت منکر ہے اول تو اسقدر اہتمام ہی کیا ضرور ہے دوسرے یہ بھی تو ممکن ہے کہ نماز کے بعد یہ شغل ہو اور افطار کسی مختصر چیز پر ہو کر نماز میں حاضری ہو جائے اسکے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ افطار خواہ مطول ہو خواہ مختصر ہو مسجد میں ہونا چاہیے مکان پر روزہ کھولنے سے اکثر جماعت برباد ہوتی ہے پھر جب جماعت ملنے سے مایوسی ہو جاتی ہے اکثر لوگ گھر ہی پر نماز پڑھ لیتے ہیں تو روز روز مسجد کی برکات سے بھی محروم رہتے ہیں اگر دو چار کی دعوت ہو تو وہ سب بھی مسجد میں جا سکتے ہیں کیا بندہ کے گھر جانا فخر اور خدا کے در پر حاضر ہونا عار ہے اگر یہی خیال ہے تو یہ تمام افطار بیکار ہی بیکار ہے۔

تراویح

اس عمل میں دو جزو ہیں قرآن پڑھنا اور نماز اور ایک ان دونوں کا مجموعہ ہے اور دونوں جزو میں جو جو کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں اس سے پہلے مفصل بیان کر چکا ہوں اُس سے ایک بڑی فہرست تراویح کی کوتاہیوں کی بھی معلوم ہو سکتی ہے اس وقت صرف اُن بعض کوتاہیوں کا مختصراً ذکر کرتا ہوں جو مجموعہ میں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) اکثر لوگ فارغ ہونیکی جلدی میں وقت کے آنیسے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں (۲) اگر گھڑی بھی وقت پر ہوتے ہیں تو اذان ہی وقت سے پہلے کہدیتے ہیں (۳) قرآن مجید اسقدر تیز پڑھتے ہیں کہ تجوید تو کیا تصحیح حروف بھی نہیں ہوتی۔ بعض دفعہ سامعین کو سمجھنا کجا سنائی بھی نہیں دیتا کہ یہ کیا پڑھا جا رہا ہے (۴) اکثر ثنا و تسبیحات رکوع و سجود و تشہد مقتدی پورا نہیں پڑھنے پاتا کہ امام صاحب قراۃ یا قومہ یا جلسہ یا قیام یا سلام کیطرف چل دیتے ہیں (۵) ترویحہ میں بھی بعض جگہہ نہیں ٹھیرتے (۶) بعضے لوگ ایک ہی رات میں دو دو جگہہ پوری تراویح پڑھا دیتے ہیں (۷) بہت لوگ اُجرت پر قرآن سُناتے ہیں (۸) بعضے حفاظ اپنا پڑھکر یا کسی روز ناغہ کرکے دوسرے حفاظ کا اس نیت سے سُننے جاتے ہیں کہ اُنکی غلطیاں پکڑینگے یا اُسکو غلطی میں ڈالینگے خواہ غلط بتلا کر یا اُسکے قلب کو مختلف نالایق حرکات سے پریشان کرکے کہیں لاٹھی کھڑکھڑاتے ہیں کہیں پاؤں زور زور سے زمین پر مارتے ہیں کہیں کھنکارتے ہیں کہیں لالٹین کو اُلٹ پلٹ کرکے دکھاتے ہیں کہیں کھڑے ہوکر زور زور سے باتیں کرتے ہیں غلط گیری کا یہ تجسس اور غلط اندازی شیطنت ہے یہ اُنہی کا خاصہ ہے عبادت میں دوسری طرف مشغول کرکے خلل ڈالنا (۹) بعض ایسے بچوں کو امام بنا دینا جنکو طہارت و نماز کے مسائل ضروری بھی معلوم نہیں بلکہ اُنپر یہ بھی اطمینان نہیں کہ اُنکے کپڑے بھی پاک ہونگے یا اُن کو وضو بھی ہوگا اور نابالغ کے پیچھے تراویح کے جائز ہونے میں جو اختلاف ہے وہ اس سبب سے علاوہ ہے اول تو نماز کے بارہ میں احوط پر عمل مطلوب ہے، پھر جواز کی صورت میں بھی ان عوارض بالا کا کیسے انکار ہو سکتا ہے۔ ایسے بچہ نوافل میں پڑھ دیا کریں کافی ہے

(۱۰) بعض دفعہ شبینہ اسطرح پڑھنا کہ نماز اور قرآن دونون کے احترام و تعظیم کا بالکل ضایع ہونا لازم آتا ہی یہان تک کہ ایک مقام پر ایک حافظ صاحب چار پائی پر لیٹے ہوئے مست حفاظ کا سُنا گئے اور سہو و متشابہ بھی تبلاتے رہے اور سبکی نماز ین شب بھر کی برباد کرتے رہے اور بہت سی خرابیان اُسکے متعلق بندہ نے اصلاح الرسوم مین لکھدی ہین اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جاوے چونکہ ان مذکورہ دس امور کا حکم کچھ خفی نہین نیز مراجعت علمار سے بآسانی ہوسکتا ہی اس لیے بخیال تطویل مختصر کردیا (۱۱) بعض امور متفرقہ منکرات مین سے ہین جیسے منجھلے روزہ کیلئے خاص طور پر اہتمام کرنا (۱۲) آخری جمعہ کو خطبۃ الوداع کا التزام (۱۳) ختم قرآن کے وقت شیرینی کو لازم و ضروری کرنا (۱۴) بعض جگہہ انیسوین شبکو بھی ختم تراویح پر تقسیم شیرینی کا انتظام (۱۵) نامحرم حافظون کو گھر مین بُلا کر عورتون کا قرآن سننے کے لیے جمع ہونا و نحو ذلک ان مین بعض کا حکم اصلاح الرسوم مین ہے بعض کا اہل علم سے معلوم کرلیا جاوے یہ سب رمضان المبارک کے متعلق بیان ہوا اب دو امر اسکے متعلقات سے رہے جو عید کے متعلق ہین انکے بارہ مین سُنئے مگر مختصر ا ہی ہے

صدقۂ فطر

بہت لوگون کو اسکے مامور بہ ہونے ہی کی خبر نہین (یعنی یہ بھی نہین جانتے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا اور واجب کیا ہی) بہت لوگون کا یہ خیال ہو کہ یہ اُن ہی کیطرف سے دیا جاتا ہی جنھون نے روزے رکھے ہین سو وہ بچون کی طرف سے ادا نہین کرتے بہت لوگ خاصکر دیہات والے صدقہ فطر جمع کرکے مسجد کے مؤذن یا امام کو یا کچھ مسجد کے سقہ کو دیدیتے ہین اور یہ نہین کہ انکی حق المحنت و اُجرت کے علاوہ مسکین سمجھکر دیدیتے ہون بلکہ اُن لوگون کو ایسی ہی شرائط مقرر کرتے ہین کہ تم یہ یہ کام کرو تم کو یہ یہ ملیگا منجملہ اُن کے صدقہ فطر بھی شمار کیا جاتا ہے تو اسطور پر وہ اُنکے عمل کا عوض ہوا جو کہ اجرت ہے اور اُجرت مین دینے سے وہ ادا نہین ہوا اس لئے ان دینے والون کے ذمہ مکرر ادا کرنا ضروری ہوگا البتہ اگر مقرر کرتے وقت تصریح کردین کہ صدقہ فطر سے تمہارا کچھ واسطہ نہوگا اور پھر مسکین سمجھکر دیدین وہ جائز ہی بشرطیکہ واقع مین مسکین بھی ہو ورنہ اگر وہ غنی ہو جیسا کہ بعض جگہہ نہ معطی کو اسکی پرواہ ہی نہ آخذ کو۔ (نہ دینے والیکو نہ لینے والیکو) تو اس دینے سے صدقہ فطر ادا نہوگا مکرر دینا پڑیگا لیکن اُس غنی سے جبراً واپس بھی نہین لے سکیگا۔ رہا یہ کہ اُس غنی کیلئے بھی وہ حلال ہوگا یا نہین اور اگر حلال نہین تو آیا دینے والیکو واپس کردینا واجب ہے یا صدقہ کرنا ان مسئلون مین کسیقدر اختلاف ہی کما فی رد المختار باب المصرف تحت قولہ ولو دفع بلا تحر (چنانچہ شامی مین مستحقین صدقہ و زکوۃ کے بیان مین لو دفع بلا تحر کے ذیل مین ذکر کیا ہے۔)

تنبیہ - اگر ناواقفیت مسائل یا بے پروائی سے گذشتہ زمانہ مین بچون کا صدقۂ فطر نہ دیا ہو یا موذن وغیرہ کو اجرت مین دیدیا ہو یا غنی کو دیدیا ہو تو یاد کرکے اور حساب لگا کر اب مساکین کو اُس مقدار کے موافق دیدین تاکہ ذمہ فارغ ہو جاوے اور صدقۃ الفطر کے مسائل علماء سے دریافت کرکے یا بہشتی زیور مین مطالعہ کرکے خود بھی عمل کرنا اور دوسرون کو آگاہ کرنا چاہیئے۔

نماز عید

اسمین بھی چند کوتاہیان ہوتی ہین (۱) ایک یہ کہ بعض لوگ اس نماز کا طریقہ ہی نہین جانتے اور غضب یہ کہ اتنی توفیق بھی نہین ہوتی کہ آٹھ دس دن پہلے یاد ہی کر لین اس سے زیادہ کیا بے پروائی ہوگی۔
(۲) ایک یہ کہ اکثر جگہہ یہ نماز بہت ہی دیر مین پڑہتے ہین حالانکہ صریح سنت اسکے خلاف آئی ہے (۳) ایک یہ کہ بہت جگہہ امام اور خطیب جاہل ہین جو بنا بر دعوی استحقاق آبائی نماز پڑھاتے آتے ہین جنمین اکثر تو ایسے جاہل ہین کہ خطبہ اور سورۃ تک صحیح نہین پڑھ سکتے اور اگر نماز مین کوئی سانحہ پیش آجاوے جسمین مسائل جاننے کی ضرورت ہو تو کچھ نہین کر سکتے یہ تقدم انھون نے اختیار تو کیا تھا ترفع کے لیئے لیکن اس جہل کی بدولت انکی اسقدر فضیحتی اور رسوائی ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ اور اگر اس درجہ کے جاہل نہوں تب بھی مدعی مرائی متفاخر متصنع کے پیچھے نماز پڑہنے کو فقہاء نے خود مکروہ کہا ہے اس کا انسداد سہل بجز اسکے کچھ نہین ہے کہ اہل حل و عقد یعنی بستی کے عمائد اس امام کو معزول کرکے کسی اہل کو مقرر کرین اور آیندہ اس رسم کو موقوف کرین کہ امام کا بیٹا ہی امام ہو بلکہ اُسکی وفات کے بعد پھر جو سب مین زیادہ اہل ہو اُسکو مقرر کرین۔ وھلم جرًا اسیطرح آگے تک۔
(۴) ایک کوتاہی یہ کہ بعضے جو بزعم خود مقتدا ہین متبوع مستقل بننے کی غرض سے عیدگاہ کو چھوڑ کر اپنے محلہ کی مسجد مین عید کی نماز پڑہتے ہین جس مسجد کی یہ فضیلت ہو کہ وہان ایک نماز برابر پچاس ہزار نماز کے ہو (یعنی مسجد نبوی) جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اُسکو تو چھوڑ کر عمر بھر عیدگاہ مین تشریف لیجا دین جس سے یہ بھی مستنبط ہو کہ وہ تضاعف مکتوبات کے ساتھ خاص ہے اور یہ حضرت چند مدعی اپنی مسجد کو عیدگاہ پر ترجیح دین البتہ معذورین کیلیئے اگر کسی شخص کو شہر مین نماز پڑھانے کے لیئے چھوڑ دین مضائقہ نہین مگر مقتدا لوگ خود نہ رہین اپنے کسی متعلق قابل امامت کو چھوڑ دین یا یہ کہ اتفاقاً کوئی عذر خود مقتدا کو یا عام لوگون کو پیش آجاوے تو دوسری بات ہے چنانچہ ایکبار خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعذر مطر (بارش) مسجد مین نماز ادا فرمائی
(۵) ایک کوتاہی یہ ہے کہ بہت لوگ عید مین غیر مشروع لباس پہنکر یا اپنے بچون کو پہنا کر جاتے ہین اور لیجاتے ہین

حالانکہ ایسے لباس سے علاوہ فی نفسہ حرام ہونے کے نماز کا قبول نہونا بھی وارد ہی (۶) ایک کوتاہی یہ ہے
کہ صفین نہایت بے ترتیب ہوتی ہین صفوف کے استواء (یعنی برابر کرنے) کی سخت تاکید آئی ہے (۷) ایک
کوتاہی یہ ہو کہ خطبہ سُننے کو بالکل امر فضول سمجھتے ہین اگر سب حاضرین ایسا ہی کرین تو خطیب خطبہ کسکے سامنے پڑھے
اور بعضے بیٹھے ہین مگر باتین کرتے رہتے ہین یہ اور بھی گناہ ہے اور بعضے منکرات عید کے متعلق اصلاح الرسوم مین
مذکور ہوئے ہین اب اس مضمون کو ختم کرتا ہون وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

اصلاح معاملہ زکوۃ

جسطرح عبادات بدنیہ مین نماز سب سے اہم ہو اسی طرح عبادات مالیہ مین زکوۃ سب سے اہم ہی قرآن مجید مین
جگہ جگہ اقیموا الصلوۃ کے ساتھ اٰتوا الزکوۃ آنا اس اہمیت مین شریک ہونیکی تائید کرتا ہو اسلیے اسکے متعلق کوتاہیون
پر مطلع ہونا بھی نہایت اہم ہوگا پس مختصراً اُن کو لکھا جاتا ہے۔

ایک کوتاہی تو جو سب سے بڑی ہی یہ ہے کہ بہت سے لوگ زکوۃ ہی نہین دیتے اسکی اصلاح یہ ہو کہ وہ لوگ زکوۃ کی تاکید
وفرضیت کے نصوص اور اُسکے ترک پر جو وعیدین آئی ہین اُن کو دیکھین سُنین غور کرین اور اُسکا جو اصلی سبب بخل ہے
اُس کا علاج کرین اس علاج کا حاصل مال کی محبت کا گھٹانا ہی جسکی سب سے اچھی تدبیر موت کا بکثرت یاد کرنا اور یاد
رکھنا ہی اور اگر اس کوتاہی کا سبب فرضیت کا اعتقاد نہونا ہی گو آج کل ایسا شخص سُنا نہین گیا لیکن اگر نادرًا
ایسا ہو تو اُسکی اصلاح اپنے شبہات کا کسی محقق عالم سے رفع کرنا ہے اور اگر رفع نہکیا اور منکر فرضیت رہا تو وہ کافر ہے
ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے زکوۃ دیتے ہین مگر حساب سے نہین دیتے جو کچھ جی چاہا دیدی سو یہ بھی نہ دینے ہی مین
داخل ہے کیونکہ جب ایکہزار کے مال مین پچیس روپیہ واجب تھے اور اُسنے دس روپیہ دیئے تو چار سو کی زکوۃ ادا ہوگئی
اور چھ سو کی رہگئی تو ایسا ہو گیا جیسے کسی کے پاس چھ ہی سو روپیہ ہون اور وہ بالکل زکوۃ نہ دے پس اسمین بھی
وہی معروض ہے جو اوپر مذکور ہوا۔
ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ بعض اموال کی زکوۃ دیتے ہین اور بعض اموال کی نہین دیتے اُس کا زیادہ سبب
یہ ہے کہ اُن کو یہ خبر نہین کہ کس کس مال مین زکوۃ ہوا کرتی ہی اسلیے اُن اموال کو بتلایا جاتا ہی۔
ایک چاندی سونا خواہ سکہ کی صورت مین ہو خواہ زیور کی صورت مین ہو خواہ گوٹہ ٹھپہ ہو خواہ ویسے ہی ٹکڑے
رکھے ہون اور خواہ پاس موجود ہو اور خواہ موجود نہو مگر اُس کا وصول کرنا یا اُس سے منتفع ہونا ممکن ہو جیسے نوٹ

لے لیئے ہون یا بنک مین جمع ہو یا کسی کے ذمہ قرض آتا ہو خواہ نقد دیا ہو یا کوئی چیز فروخت کی ہو اور وصول سے نا امیدی نہو لیکن قرض مین یہ اختیار ہی کہ خواہ اور اموال کے زکوۃ کے ساتھ دیدی خواہ جب وصول ہونا رہی دیتا رہے لیکن اگر وصول کیوقت دیگا تو تمام ایام گذشتہ کی دینی پڑیگی مثلاً دو سال مین سو روپیہ وصول ہوئے تو انکی زکوۃ ڈھائی روپیہ سال کے حساب سے دو سال کی پانچ روپیہ دینا پڑیگی دوسرا مال تجارت اور مال تجارت وہ ہی جسکے خریدنے کے وقت یہ نیت ہو کہ ہم اس کو بیچینگے خواہ وہ منقولات مین سے ہو خواہ غیر منقولات مین سے مثلاً ایک شخص کی یہ عادت ہے کہ مکانات و اراضی موقع کی خرید لیتا ہی اور پھر موقع پر بیچ ڈالتا ہے یہ بھی مال تجارت ہو جاویگا اور زکوۃ اسمین واجب ہوگی اور جسکے خریدنیکے وقت بیچنے کی نیت نہو گو بعد خرید چکنے کے نیت ہو جاوے وہ مال تجارت نہین اسمین زکوۃ واجب نہین اور اسی طرح اگر خریدنے کے وقت تجارت کی نیت تھی مگر حولان حول سے پہلے (یعنی جسوقت ختم سال پر اسپر زکوۃ واجب ہوا کرتی ہی اُس ختم سال سی پہلے) وہ نیت تجارت کی فسخ ہوگئی ہو وہ بھی مال تجارت نہین ہا اسمین بھی زکوۃ واجب نہین اسی طرح اگر وہ مال خریدا ہوا نہین بلکہ میراث مین پہونچا ہے اور مالک ہوتے ہی تجارت کی نیت کرلی یا گھر کا غلہ پیدا ہوا ہی اور تیاری کے وقت نیت تجارت کی کرلی وہ بھی مال تجارت نہین اور اسمین زکوۃ واجب نہین تیسرا مال وہ مواشی ہین جنکو نسل بڑھانیکے لیئے پالا ہو جیسے بعضے لوگ بکریان یا گائین یا گھوڑیان پلتے ہین انکے احکام و شرائط مین بہت تفصیل ہی فقہ کی اردو کتابون مین دیکھ لیا جاوی چوتھا مال عشری زمین کی حقیقت کا حاصل یہ ہے کہ جو زمین اُس وقت مسلمان کی ملک مین ہو اور اُسکے قبل اُس کا کسی کافر کی ملک مین آنا معلوم نہو خواہ واقع مین وہ جب سے اہل اسلام کی مفتوحات مین داخل ہوئی ہے کسی کافر کے ہاتھ مین نہ پہونچی ہو خواہ درمیان مین کوئی کافر بھی برای چندے اُس کا مالک ہو گیا ہو مگر کسی کو معلوم نہو بس ایسی زمین عشری ہے اسمین جو کچھ پیدا ہو خواہ غلہ نیشکر وجری وغیرہ خواہ خشخاش یا خواہ تمباکو یا اور ادویہ یا پھول جو بغرض نفع بوئے گئے ہون یا اسمین باغ کسی قسم کے پھل کا ہو ان سب مین بھی زکوۃ واجب ہے اس زکوۃ کو عشر کہتے ہین اور ہندوستان مین اس سے بڑی غفلت ہے انکی دو قسمون کے مال مین چالیسوان حصہ واجب ہوتا ہی اور تیسری قسم مین بہت تفصیل ہے جو فقہ کی اردو کتابون مین ملیگی اور چوتھی قسم مین بارانی زمین مین دسوان حصہ کل پیداوار کا ہی اور چاہی و نہری مین بیسوان حصہ کل پیداوار کا ہی۔

ایک کوتاہی یہ ہی کہ اپنے نزدیک حساب سے دیتے ہین مگر واقع مین وہ حساب غلط ہوتا ہی مثلاً مال تجارت مین اپنی خرید یا لاگت کا حساب لگا لیتے ہین فرض کیجئے کہ ایک شخص نے کچھ کتابین تاجرانہ نرخ سے خریدین یا اپنے

پریس مین چھاپین اور ہزار روپیہ مین اُس کو ڈپگیین مگر بازار مین وہ دو ہزار کی ہین تو زکوۃ دو ہزار کی دینا چاہیے
اور اگر دو ہزار کی زکوۃ پچاس روپیہ دیتے ہوے دل دُکھے تو سہل یہ ہے کہ خود کتنا بون کا چالیسوان حصہ دیدے مثلاً
چالیس ہدایہ مین سے ایک ہدایہ دیدی یا ایسی کتاب دیدی جسکی ہدایہ کی برابر قیمت پڑتی ہو اور اس حساب
غلط لگانیکی ایک اور باریک مثال ہے وہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کے پاس سو روپیہ کی برابر وزن مین چاندی
کا زیور ہے اور قیمت اتنی چاندی کی بوجہ ارزانی کے اسی روپیہ ہے تو اکثر لوگ اس اسی روپیہ کا چالیسوان حصہ یعنی دو روپیہ
دیدیتے ہین حالانکہ ہمجنس سے زکوۃ ادا کرین مین صنعت اور سکہ کی قیمت کا اعتبار نہین ہوتا پس اسکے ذمہ اڑھائی روپیہ
بھر چاندی واجب ہے اگر روپیہ دیا تو وہ چاندی کے حساب مین شمار ہوگا اسلیئے اڑھائی روپیہ دینے سے زکوۃ
ادا ہوگی دو روپیہ دینے سے آٹھ آنہ بھر چاندی اُسکے ذمہ اور رہی اور اگر اڑھائی روپیہ دینے مین خسارہ سمجھے تو اسکی
دو صورتین اور ہین ایک یہ کہ روپیہ دی خود چاندی اڑھائی روپیہ بھر دیدے اور وہ مسکین اُسکو بیچکر کارروائی کر لیگا
دوسرا اس سے بھی سہل یہ ہے کہ دو روپیہ کے بالکل پیسے ہی پیسے کہ جس مین چاندی کی دونی تک ہو مساکین کو
دیدے کیونکہ ان پیسونکی چاندی اڑھائی روپیہ بھر آسکتی ہے اور خلاف جنس اس لیئے ان پیسونکی قیمت اڑھائی روپیہ
بھر چاندی کی برابر سمجھی جاویگی اور زکوۃ ادا ہو جاویگی ایک مثال حساب غلط ہونے کی بہت ہی باریک ہے وہ یہ کہ
اکثر لوگونکی عادت ہے کہ بوجہ اسکے کہ رمضان ہی تک مین ایک خیرہ ثواب برابر ستر فرض کے ہے رمضان المبارک مین
زکوۃ نکالتے ہین اور پھر رمضان ہی سے سلسلہ حساب کا رکھتے ہین پھر کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نصاب کے مالک ہونیکی
تاریخ سے جو سال شروع ہوا ہے وہ رمضان کے تین چار ماہ پہلے مثلاً ختم ہو گیا تھا تو اُس شخص نے رمضان شریف سے
حساب رکھنے کے لیئے ان تین چار ماہ کی زکوۃ بھی دیدی پھر آیندہ کے لیئے رمضان سے رمضان تک حساب جاری رکھا
اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ رمضان سے تین چار ماہ بعد سال ختم ہوتا ہے تو یہ رمضان مین زکوۃ ادا کر کے اپنے کو جلدی
سبکدوش سمجھ لیتا ہے مگر غلطی اسمین یہ ہوتی ہے کہ جب رمضان مین یہ شخص زکوۃ نکالتا ہے تو جتنا مال رمضان شریف
[illegible] اسکی ملک مین ہے یہ اُسی کی زکوۃ نکالتا ہے حالانکہ احتمال ہے کہ جو ختم سال اس کا واقعی ہے اُسمین نصاب اسوقت سے
[illegible] اور زکوۃ واقع مین اُسی زیادہ کے حساب سے واجب ہوگی تو اسطور پر حساب سے کچھ زیادہ زکوۃ اسکے ذمہ رہجاویگی
[illegible] سے یہ حساب غلط ہو جاویگا مثلاً اس کا سال رجب مین ختم ہوتا تھا اور اُسوقت اسکے پاس ایکہزار روپیہ تھا
[illegible] زکوۃ پچیس ۲۵ روپیہ ہوتی ہے اور رمضان شریف مین اُسکے پاس آٹھ سو روپیہ رہگئے جسکی زکوۃ بیس روپیہ
ہے تو اب اگر اس شخص نے اسی وقت کا نصاب دیکھکر بیس ۲۰ روپیہ ادا کیئے تو پانچ روپیہ اسکے ذمہ رہگئے اسی طرح اگر اسکا

سالِ ذی الحجہ مین ختم ہوتا ہی اور رمضان مین اُسکے پاس آٹھ سو روپیہ تھے مگر ذی الحجہ مین ہزار ہوگئی تب بھی تعینۂ
یہی غلطی ہوئی اسی طرح ہر ختم سال پر یہی احتمال ہی سو فرض کیجیے اگر اتفاق سے پانچ سال تک یہی قصہ رہا کہ ختم سال
پر تو ہزار روپیہ ہوتے ہین اور رمضان مین آٹھ سو روپیہ تو پانچروپیہ سال جمع ہو کر پانچ سال مین پچیس روپیہ
اُسکے ذمہ واجب الادا رہا تو ایسا ہو گیا جیسے پانچ سال مین چار سال کی زکوۃ دی اور ایکسال کی نہ دی اس لیے
یہ ضرور ہے کہ ختم سال پر کے نصاب کو ضرور دیکھا جاوے اور اُس کی زکوۃ کی مقدار یاد رکھے پھر اگر سال رمضان
سے پہلے ختم ہوا ہی تو رمضان شریف مین اُس مقدار کی برابر خیال کر کے زکوۃ دی اور اگر رمضان کے بعد سال
ختم ہوتا ہی تو رمضان مین جتنا انداز سے دیا ہی اُسکو یاد رکھین پھر ختم سال پر جتنی مقدار زکوۃ کی ہی اُس اداکی
ہوئی کو اس سی ملا دی اگر کچھ ادا کرنے سے رہگیا ہو تو پورا کرے اور اگر زیادہ دیدیا ہو تو اگلے سال مین لگا لینا جائز ہے
ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے آدمی زکوۃ نکال کر اُسکے مصرف شرعی مین صرف نہین کرتے مثلاً بعضے اپنے پیر کو
دیتی ہین گو وہ صاحبِ نصاب ہون بعضے مساجد کے ائمہ و موذنین کو اُنکی تنخواہ کے حساب مین دیدیتی ہین بعضے
چندہ مدارس مین دیتی ہین اور مہتمم کو اطلاع نہین کرتے اور وہ اُسکو تعمیر یا فرش یا تنخواہ مدرسین یا خرید کتب مین صرف
کر دیتا ہی بعضے مُردہ کے کفن مین خرچ کر دیتی ہین اور ان سب صورتون مین زکوۃ سر پر رہتی ہی ادا نہین ہوتی اسی طرح
سادات و بنی ہاشم بقول اصح اُسکے مصرف نہین ہین اور جنکو دینی سے زکوۃ ادا نہین ہوتی اُن کو اگر ملنے کے وقت
اطلاع ہو جاوے کہ یہ زکوۃ ہی تو شامی نے بعض فقہاء سے نقل کیا ہی کہ اُن کو لینا بھی حرام ہی اور اگر ان قرائن سی معلوم ہو
کہ دینے والیکو ہمارا غیر مصرف ہونا معلوم نہین تو اطلاع کرنا واجب ہے اور اخفا یا سکوت بالاتفاق حرام ہی اور اگر
لے لیا تو صاحب نصاب کو مکرر زکوۃ ادا کرنا ہوگی البتہ کفن میت مین اسطرح صرف ہو سکتا ہے کہ اُس میت کے
کسی غریب قریب کو دیدیا جاوی پھر وہ اپنے اختیار اور رای سے بلا اسکے کہ اُسکو کوئی کسی طرح مجبور کری اُس کا کفن
لا کر اپنی طرف سے ڈالدی اسی طرح امام و موذن کو اُنکے مقرر کئی ہوئی کے علاوہ اگر وہ مسکین ہون تو زکوۃ دیسکتے ہین
اسی طرح مدارس مین دینی کے لیے شرطین ہین کہ مہتمم کو اطلاع کری اور یہ کہ اُسپر قلب مطمئن ہو کہ یہ غیر مصرف مین صرف
نہ کریگا تاکہ وہ مصرف مین صرف کر سکے اور کر دے مثلاً مستحق طلباء کو دیدے کہ وہ اپنی خوراک پوشاک وغیرہ مین
صرف کرین اور اگر اطلاع نہوئی یا ہوئی مگر وہ مسائل نہین جانتا یا جانتا ہے مگر محتاط نہین تو ان صورتون مین جو نکہ
اطمینان نہین کہ وہ مصرف مین صرف کریگا اسلیے ایسے شخص کو دینا ہی جائز نہین غرض جسجگہ صرف کرنیسے کسی خاص
شخص کی ملک نہو اور ملک بھی واقعی جیسی عمارت یا فرش مسجد مین صرف کرنا یا کفن لیکر مردہ پر ڈالدینا یا ملک

تو ہو جاوی مگر وہ شخص مصرف نہو جیسی غنی یا بنی ہاشم یا اُس کی خدمت کی اُجرت مین دیا جاوی جیسا نوکرون کی
تنخواہ مین دینا یہ سب غیر مصرف مین زکوۃ ادا نہوگی اور دوبارہ دینا پڑیگی سُنا گیا ہی کہ بعض لوگون نے چندہ
حجاز ریلوی مین زکوۃ دیدی ہی سو اُن کو وہ زکوۃ دوبارہ دینا چاہیے اور ملک واقعی کے چندہ لگانیسے یہ بات
معلوم ہوگئی ہوگی کہ بعض لوگ جو مساجد یا مدارس کے مصارف عامہ مین صرف کرنے کے لیے ایک حیلہ کیا کرتے ہین
کہ اول کسی مسکین مصرف زکوۃ کو سمجھا دیا کہ ہم تمکو سو روپیہ دینگے پھر تم مسجد یا مدرسہ مین دیدینا اور پھر اُسکو دیتے ہین
اور وہ مسجد وغیرہ مین دیدیتا ہی اور اُسکو حیلہ تملیک کہا جاتا ہے چونکہ یقینی بات ہی اسمین دینے والا حقیقتہً اُس
مسکین کو مالک نہین بناتا محض صورت تملیک کی ہے اسلیئے اسطور سے زکوۃ ادا کرنیکا حکم مشکل ہی اور ایک خرابی
اسمین یہ ہے کہ وہ مجبور ہو کر پھر واپس کر دیتا ہی تو وہ دینا اُس کا بطیب خاطر نہین ہوتا جو کہ حلت مال کی شرط ہے
غرض یہ لینا دینا دونون قواعد کے خلاف مین بعضون کو شبہ ہو جاتا ہی کہ شرع تو ظاہر پر ہے تو خوب سمجھلو کہ اس کا
مطلب یہ ہی کہ باطن کی تفتیش مت کرو لیکن اگر بلا تفتیش باطن کی اطلاع ہو کہ یہان تملیک کی نیت نہین اور طیب
خاطر نہین تو شرع نے یہ کب کہا ہی کہ اب بھی باطن کا اعتبار مت کرو اگر یہ نہوتا تو نص حدیث جو حلت مال کے لیئے
طیب نفس شرط لگایا گیا ہی جو کہ امر مبطن ہے بے معنی ہوتا اگر کہین ایسے ہی موقع پر زکوۃ سے امداد کرنے کی ضرورت ہو
اُس کی ایک اور تدبیر جو بالکل قواعد کے مطابق ہی یہ ہی کہ کسی مسکین کو مشورہ دیا جاوی کہ تم دس روپیہ مثلاً کسی سے
قرض لیکر فلان مسجد کو دیدو یا فلان مسجد و مدرسہ مین دیدو ہم تمھاری اعانت ادائے قرض مین کرا دینگے جب وہ مسکین
وہان دیدی تم اُس مسکین کو دس روپیہ زکوۃ مین دیدو پھر اُس سے اُس کا قرضخواہ وصول کر لیگا اسمین مسکین کو دینا
بھی حقیقتہً ہوا اور اُس مسکین پر صدقہ دینی مین جبر بھی نہوا کیونکہ وہ آزاد ہی خواہ قبول کری یا نہ کری بخلاف حیلہ
تملیک کے کہ اگر وہ مسکین موافق تعلیم کے نہ دی تو کدورت بلکہ نزاع واقع ہو جاوے اور ہر چند کہ بعد ملجانی اُس روپیہ کے
قرضخواہ اس سے جبراً لی سکتا ہی مگر قرض تو حق واجب عہد کا ہی اور اُس مین جبر جائز ہی اور چونکہ وہ روپیہ حقیقتاً اُس
مسکین کا ہو گیا اسلیئے اُسکو جبراً اپنے قرضہ مین لے لینا سہل ہی جیسے اس مسکین کے پاس خاص اُسکا مملوک ہوتا اُسکو جبراً لینا جائز تھا
ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعض آدمی زکوۃ سے دنیوی اغراض نکالنا چاہتے ہین جو کہ خلوص کے خلاف ہی مثلاً اپنے
نوکرون کو زکوۃ اس خیال سے دیتے ہین کہ یہ ہم سے زیادہ دبینگے اور کام خوب کرینگے اور اسمین کمی ہونے سے
اُن کو شکایت ہوتی ہی کہ دیکھو یہ لوگ کیسے ہین کہ اُس کا اثر نہین مانا بلکہ بعضے تو زبان سے بھی جتلانے لگتے ہین کہ
نمکحرام تجھکو اپنی تنخواہ دیتے ہین اور زکوۃ سے بھی تیرا خیال رکھتے ہین مگر تو ایسا احسان فراموش ہی وغیرہ ذلک

گو ضابطہ سے یہ زکوٰۃ ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے لیکن حدیث لا یقبل اللہ الا الطیب کی رو سے یہ زکوٰۃ مقبول نہیں ہوتی پھر اوّل اور دوسری کوتاہی والے بعضے عذر بھی پیش کرتے ہیں مثلاً یہ عذر کہ اگر ہر سال زکوٰۃ دیتے رہیں تو بعضے مال تو قریباً ختم ہی ہو جاویں مثلاً جس روپیہ سے ہم تجارت نہیں کرتے ویسے ہی رکھا ہے یا زیور کہ تجارت کے کام کا ہی نہیں تو نشو و نما تو کچھ ہو گا نہیں اور ہر سال ایک جزو زکوٰۃ کا نکلا کرے گا تو یوں ہی فنا ہو جاوے گا جواب یہ ہے کہ روپیہ سے تجارت کرنے کو کس نے منع کیا ہے اب اگر خود نہ کرو تو شریعت اس کی ذمہ وار نہیں اسی طرح چاندی سونا زیور کے لئے اصل میں موضوع نہیں ہے بلکہ اصل خلقت میں وہ ثمن ہے جو تجارت کے لئے مخلوق ہوا ہے سو زیور تم نے خود اپنی خوشی سے بنایا ہے شریعت اس کی ذمہ وار نہیں ہے جب تم چاہو اُس سے سکہ بدل کر تجارت کر سکتے ہو اور بڑھا سکتے ہو جس سے وہ اپنی زکوٰۃ کا خود کفیل و متحمل ہو سکتا ہے اور مثلاً یہ عذر کہ دوکان میں جب مختلف اقسام کا مختلف قیمتوں کا مال موجود ہے اُس کا حساب کیسے ہو سکتا ہے اُس کا جواب یہ ہے کہ اگر تمہاری دوکان میں خرید و فروخت کا حساب لکھا جاتا ہے تو کاغذات سے حساب تیار ہو سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں تو نظری تخمینہ کافی ہے جو تخمینہ قرار پاوے احتیاط کے لئے کچھ اور بڑھا لو مثلاً آٹھ سو روپیہ کا تخمینہ ہوا تم ہزار سمجھ لو اتنے میں اتنا بڑھا لینے سے احتمال غلطی کا ہرگز نہ رہے گا اور زکوٰۃ میں کل پانچ روپیہ بڑھتے ہیں جو کچھ گراں نہیں ہے اسی طرح گوٹہ ٹھپہ کا اور اسی طرح زیور کا جس میں دوسری چیز بھی مرکب ہے تخمینہ کافی ہے اور مثلاً یہ عذر کہ صاحب ہمارا مال تو حلال نہیں ہے حرام مال میں زکوٰۃ ہی نہیں سو سمجھ لیا جاوے کہ یہ مسئلہ غلط ہے حرام مال جب اپنے مال میں مل گیا وہ ملک میں داخل ہو گیا گو ملک خبیث ہی ہو اور وجوب زکوٰۃ کے لئے ملک ہونا شرط ہے طیب ہونا شرط نہیں طیب ہونا مقبولیت کی شرط ہے سو زکوٰۃ واجب ہو گی گو قبول نہ ہو گی پھر دینے سے کیا فائدہ جواب یہ ہے کہ نہ دینے سے جو عذاب ہوتا اُس سے محفوظ رہے اور قبول نہ ہونے سے عذاب نہیں ہوتا بلکہ ثواب سے محرومی رہتی ہے تو کیا عذاب ہونا اور ثواب نہ ہونا دونوں ایک بات ہیں البتہ خود کسب حرام کا جو عذاب ہے وہ الگ ہے اُس کی نفی نہیں کی جاتی لیکن نہ دینے سے دو عذاب کا استحقاق ہوتا کسب حرام کا الگ اور زکوٰۃ نہ دینے کا الگ اور اب ایک ہی ہو گا تو کیا یہ دونوں بھی یکساں ہیں ہرگز نہیں۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ میں ایسی چیز دیتے ہیں جو ردی اور ناکارہ ہو مثلاً تاجر کتب ایسی کتاب دے جس کی نکاسی نہ ہوتی ہو اسی طرح تاجر پارچہ پُرانے تھان نکالے اور تاجر غلہ کرم خوردہ غلہ نکالے و علیٰ ہذا سو جس حساب میں اُس نے یہ چیزیں لگائی ہیں اگر بازار میں اتنے کو نہ نکل سکے تب تو زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوئی بقدر کمی قیمت اس کے ذمہ رہ گئی اور اگر اتنی قیمت کی

ہے تو زکوٰۃ تو ادا ہو گئی مگر بقدر کمی خلوص کے مقبولیت میں کمی رہی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ زکوٰۃ کے روپیہ یا غلہ کا کھانا پکوا کر مساکین کو دعوت میں کھلا دیتے ہیں سو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر کھانا پکا کر اُن کے ہاتھ میں دیدیا جائے کہ اُن کو اختیار ہو لے جانے کا یا بیٹھ کر کھا لینے کا اور اس کی اُن کو اطلاع کر دی جاوے اور وہ کھانا قیمت میں اس قدر ہو تب تو زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی اور اگر لے جانے کا اختیار نہ ہو بلکہ بٹھلا کر کھلایا جاوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہو گی اسی طرح اگر بچا ہوا کھانا اُس قیمت کا ہو جتنی زکوٰۃ اُس کے ذمہ واجب تھی تب بھی پوری زکوٰۃ ادا نہ ہو گی مثلاً ایک شخص کو بیس روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اس نے جنس خرید کر پکوائی کچھ خرید میں صرف ہوا کچھ باورچی کو مزدوری میں دیا غرض بیس روپیہ صرف ہو گئے مگر کسی وجہ سے خواہ تو جنس خریدنے میں یہ ٹھگا گیا یا مزدوری زیادہ دیدی یا کھانا بگڑ گیا۔ غرض کسی طور پر یہ تیار کھانا بیس روپیہ کا نہ ہوا بلکہ سترہ اٹھارہ کا ہوا تو یوں نہ کہیں گے کہ اس نے تو بیس ہی روپیہ خرچ کئے اس لئے زکوٰۃ ادا ہو جانا چاہئے بلکہ یوں کہیں گے کہ مساکین کو سترہ اٹھارہ ہی روپیہ کی چیز پہنچی اس لئے اتنی ہی زکوٰۃ ادا ہوئی دو یا تین روپیہ اور اُس کے ذمہ باقی رہے جس کا ادا کرنا واجب ہے اسی طرح زکوٰۃ کی رقم کا کپڑا خریدا اور سلوایا اگر وہ بعد تیاری اتنی رقم کا ہے تب تو اُس کے دینے سے زکوٰۃ ادا ہو گی اور اگر کسی وجہ سے قیمت اُس کی گھٹ گئی مثلاً کپڑا نا واقفی سے گراں ملا یا سلوانے میں بگڑ گیا تو بقدر گھٹنے کے اور زکوٰۃ دینا پڑے گی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی دیکھتے ہیں کہ ہم کو پانچ روپیہ زکوٰۃ کے دینا ہیں اور فلاں غریب آدمی کے ذمہ کسی سبب سے ہمارا قرضہ بھی پانچ روپیہ ہیں لاؤ اُس کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کر دیں سو یاد رکھا جاوے کہ اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ میں تملیک کامل شرط ہے اور ابراء من وجہ اسقاط اور من وجہ تملیک ہے اس لئے زکوٰۃ ادا نہ ہو گی البتہ ایک تدبیر اور جائز ہے وہ یہ کہ اوّل یہ پانچ روپیہ اُس شخص کو بہ نیت زکوٰۃ دیدے جب وہ اس روپیہ کا مالک و قابض ہو جاوے اُس سے اپنا قرضہ مانگے اور اگر وہ نہ دے تو جبراً چھین لینا بھی جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں۔

ایقاظ

(۱) اگر کوئی پہلے زکوٰۃ دینے کا خوگر نہ ہو اور اب توفیق ہو تو گزشتہ زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے البتہ اگر درمیان میں بدون تلف کئے ہوئے مال خود تلف ہو کر نصاب سے کم رہ گیا ہو تو اُس وقت کی زکوٰۃ ساقط ہو جاوے گی۔

(۲) اگر زکوٰۃ کی نیت سے مال نکال کر رکھا ہو اور وہ ضائع ہو جاوے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی جدا گانہ نکال کر رکھنے سے صرف اتنا فائدہ ہے کہ ہر جزو کے دینے کے وقت نیت ضرور نہیں ہوتی۔

الحاق

چونکہ صدقہ فطر کا ادا کرنا اور قیمت چرم قربانی کا بعد فروخت کر ڈالنے چرم قربانی کے تصدق کرنا بھی واجب ہے اس لیے وہ بھی اس حیثیت سے ملحق بالزکوٰۃ ہے اس لیے اُسکے متعلق بھی بعض کوتاہیاں زکوٰۃ کی ساتھ بیان کرنا مناسب معلوم ہوا ایک کوتاہی صدقہ فطر کی متعلق بعض دیہات مین یہ ہے کہ اس کو جانتے ہی نہین اس لیے ادا نہین کرتے اہل علم و واعظین کو چاہیے کہ جمعہ کے خطبہ مین یا کسی موقع پر خود دیہات مین جا کر اس حکم پر آگاہ کرین۔

ایک کوتاہی اسکے متعلق یہ ہے کہ غیر مصرف مین صرف کرتے ہین اس کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے جن مصارف مین صرف کرنے سے صدقہ فطر بھی ادا نہین ہوتا ایک غلطی بنا بر قواعد حنفیہ کے اسمین یہ ہے کہ یہ مشہور ہو گیا ہے کہ صدقہ فطر اگر بجز گیہون کے اور کسی غلہ سے ادا کرے تو گیہون کا مضاعف وزن مین دیدے اسمین دو غلطیان ہین ایک یہ کہ بہت چیزون مین گیہون کا مضاعف نہین ہے بلکہ اسمین تفصیل ہے وہ یہ کہ جو چیزین منصوص ہین جیسے جو و تمر مثلاً اس مین تو گیہون کا مضاعف ہے اور جو چیزین منصوص نہین جیسے چنا چاول اسمین یہ حکم ہے کہ کسی منصوص چیز کی برابر قیمت مین ہو مثلاً گیہون نمبری سیر سے احتیاطاً دو سیر دیئے جاتے ہین اور تیرہ سیر کے نرخ سے اڑھائی آنہ کے ہوئے تو اگر چنا دینا چاہے تو اڑھائی آنہ کے جسقدر چنے آتے ہون اُتنے چنے دینے چاہیئن اسی طرح چاول بھی اور مطلقاً مضاعف دینے مین تو کبھی تو واجب سے زیادہ دیئے جاوینگے تو مضائقہ نہین لیکن اگر کبھی کم دیئے گئے تو واجب کا ایک جزو اسکے ذمہ رہجاویگا مثلاً اگر کبھی گیہون آٹھ سیر ہوئے اور چنے چوبیس سیر تو مسئلہ مذکورہ کی بنا پر چھ سیر چنے واجب ہونگے اور مشہور خیال کے حساب سے یہ شخص چار سیر دیگا تو ایک ثلث واجب اسکے ذمہ رہا اور قیمت چرم قربانی کے متعلق بھی ایک عام غلطی وہی غیر مصرف مین صرف کرنا ہے۔

ایقاظ سابق یہان بھی ہے یعنی جسقدر صدقہ فطر یا قیمت چرم غلطی سے ادا نہین ہوئی اُس کا اعادہ ضروری ہے اور اگر نکال کر رکھنے کے بعد ضائع ہو جاوے پھر ادا کرنا ہوگا۔

[illegible]

اصلاح معاملہ بہ حج

منجملہ ارکان اسلام کے ایک فریضہ حج ہے جو بہ نسبت دوسرے ارکان کے اپنی ایک خاص شان کی وجہ سے زیادہ اہتمام کے قابل ہے وہ شان خاص یہ ہے کہ اس کی تکمیل کے لیئے جسقدر سامان درکار ہے اُس کا ہر وقت میسر و مجتمع ہونا گویا پورا اختیاری نہین اور اسمین موانع کا پیش آجانا چندان مستبعد نہین کیونکہ مال بھی زیادہ چاہیئے اور ہمت و قوت بھی زیادہ چاہیئے وقت و فراغ بھی زیادہ چاہیے اگر ایک سال تساہل کیا آیندہ سال تک امور مذکورہ مین

کلاًّ یا بعضاً تغیر ہوجانا زیادہ بعید نہین یہ مجموعی شان دوسرے ارکان مین نہین اسی واسطے احادیث مین ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی حج کرنا چاہے وہ بہت جلدی کرے اور عجب نہین کہ اسی شان خاص کے سبب یہ عمر بھر مین ایک ہی بار فرض کیا گیا ہو اور گو اہل مکہ اور اُسکے قرب وجوار والون کے لئے یہ اشکال نہین مگر بمقابلہ آفاقیون کے اُنکی تعداد ہی کیا ہے قواعد انتظامیہ اکثری حالات پر مبنی ہوا کرتے ہین اور چونکہ اسمین افعال بھی متکثر و متعدد و مختلف ہین اور متعلق ہین امکنہ خاصہ و ازمنہ خاصہ کے ساتھ اور اس اعتبار سے بھی یہ دوسرے ارکان سے ممتاز ہے اس لیئے اس کے احکام و مسائل بھی لوگون کو کم معلوم ہین اور ان کا چرچا بھی کم ہے امر اول کے سبب اسمین عملی کوتاہی زیادہ واقع ہوتی ہے اور امر ثانی کے سبب علمی کوتاہی زیادہ ہوتی ہے۔

عملی کوتاہی تو یہ ہے کہ اُسکے ادا مین لوگ سستی بہت کرتے ہین وہمی ضروریات و خیالی تعلقات سے فارغ ہونیکے منتظر رہتے ہین کہ فلان کام سے فارغ ہوکر چلینگے پھر اُس کام کے بعد دوسرے کام کا اسی طرح انتظار رہتا ہے حالانکہ یہ سلسلہ عمر بھر منقطع نہین ہوتا بقول شاعر ؎ لاینقضے ارب الا الے ارب - وقول شاعر ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک این سودا کنم | باز چون فردا شود امروز را فردا کنم

اس کا علاج یہی ہے کہ بیچ ہی مین سارے کام چھوڑکر اور ظاہراً سرسری طور پر ان کا انتظام کرکے اور باطناً خدا تعالی کے حوالہ کرکے چل کھڑا ہو اور اس علاج کی ہمت باندہنے کے لئے اُن وعیدون کو یاد کرے جو باوجود فرضیت کے اُسکے ترک پر آئی ہین قرآن مجید مین ایسے ترک حج کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور حدیث شریف مین یہودیت و نصرانیت کی حالت پر موت آجانیکے برابر بتلایا ہے اس سے زیادہ کیا وعید ہوگی۔

اور اگر فکر تعلقات زیادہ مشوش کرے تو یون سوچے کہ اگر مین ابھی مرجاؤن تو اس تمام کارخانہ کا کیا انتظام ہو تو سفر کرنا موت سے تو بڑھکر نہین اُس وقت ہمیشہ کے لیئے ان سبکو چھوڑ دینا اب تھوڑے روز کیلیئے چھوڑنے پر دل کو سمجھالے اپنے دل کو سمجھا لینا ہی کیا مشکل ہے اور وہ بھی مہتم بالشان ضرورت کے لئے۔

اور علمی کوتاہیان بکثرت ہین مگر بعض نوعین موقع کے متعلق ہین ان کا تو عام کو پہلے سے سمجھنا اور یاد رکھنا دونون تکلف سے خالی نہین اُسکی تدبیر بجز اسکے کچھ نہین کہ دہان پہونچکر مطوف ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو احکام حج سے پورا آگاہ اور اپنے تدین کی وجہ سے اپنے حجاج کے افعال حج کا پورا نگران اور مطلع کر دینے والا ہو اکثر لوگ مطوفین اپنی دنیوی آسایش کے لئے مقرر کرتے ہین دنیوی حوائج تو کسی نہ کسی طرح پورے ہو جاتے ہین زیادہ ضرورت تو دینی حاجت کے انتظام کی ہے سو جب حج کو جانے لگے تو علماء حج کر آئے ہین اول اُن سے درباره تعیین

مطوف مشورہ کرے ورنہ ناواقفی سے بعض ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں کہ حج ہی فاسد یا کالفاسد ہو جاتا ہے اور چونکہ علماء کو بھی ہر وقت مسائل حج کے مستحضر نہیں رہتے اس لئے اُن کے لئے بھی مناسب ہے کہ مناسک کے معتبر رسالہ خواہ کسی زبان میں ہوں سفر میں ہمراہ رکھے اور اُن کا مطالعہ کرتے رہیں اور پھر بھی جہاں اشتباہ واقع ہو وہاں کے علماء حاذقین سے پوچھ لیں کہ اُن کو یہ احکام زیادہ مستحضر رہتے ہیں اور پوچھنے میں عار نہ کریں اور دوسروں کو اُس وقت بتلادیں جب پورا اطمینان ہو ورنہ وہاں کی علما کے حوالہ کردیں اور جو اُن کی زبان نہ سمجھے وہ بذریعہ اپنے مطوف یا کسی اپنے ہموطن بھائی کے جو وہاں مدت سے مقیم ہو اور ترجمہ کرسکے دریافت کرلے یہ تو بیان تھا اُن علمی کوتاہیوں کے متعلق جن کا عین موقع پر صدور ہوتا ہے بعضی علمی کوتاہیاں وہ ہیں جن کا صدور قبل سفر ہوتا ہے اور بعض اُن میں باوجود امر شرع اس سفر سے مانع ہو جاتی ہیں اور بعضے باوجود نہی شرع کے اس سفر پر باعث ہو جاتے ہیں چنانچہ ہر ایک میں نظر کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔

سو ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ سفر حج کو اُس وقت فرض سمجھتے ہیں جب مدینہ منورہ کے سفر کے لئے بھی وسعت ہو اور اگر اتنا خرچ ہو کہ صرف حج کرسکتا ہے مدینہ طیبہ نہیں جا سکتا تو یہ لوگ اس حالت میں حج کو فرض نہیں سمجھتے۔ سو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ سخت غلطی ہے مدینہ طیبہ کا سفر ایک مستقل طاعت ہے، واجب ہو یا مستحب علیٰ اختلاف الاقوال خواہ روضہ منورہ کے قصد سے جیسا کہ جمہور کا قول منصور ہے یا صرف مسجد نبوی کے قصد سے جیسا کہ بعضے قائل ہوئے ہیں (اور یہ مقام اس مسئلہ کی تحقیق کا نہیں ہے، نشر الطیب کی ستائیسویں فصل کے آخر میں بقدر ضرورت اس کو لکھ دیا گیا ہے) بہرحال سفر مدینہ کی استطاعت پر فرضیت حج کی موقوف نہیں ہے اگر صرف سفر حج کی استطاعت رکھتا ہو اور سفر مدینہ کی استطاعت نہ رکھتا ہو اُس کے ذمہ حج فرض ہے اگر نہ کرے گا تمام اُن وعیدوں کا مورد ہوگا جو ترک حج پر آئی ہیں باقی حج کے بعد اگر کچھ سامان سفر مدینہ کا ہو جاوے یا پیادہ چلنے کی ہمت ہو جاوے جیسا شوق کی غلبہ میں ایسا ہو جاتا ہے تو اُس شرف کو بھی حاصل کرے ورنہ سر دست واپس آجائے اور عزم رکھے کہ خدا تعالیٰ توفیق دے گا تو مستقل سفر مدینہ کا کرلوں گا اور جب سامان ہو جاوے ایسا کرے بھی اور اگر عمر بھر بھی سامان نہ ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس تمنا و عزم کا اجر بھی اُس سفر مبارک کے اجر کے قریب قریب ہی ہوگا جیسا کہ چند حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فعل خیر کی نیت بھی اجر میں مثل فعل خیر ہی کے ہے اور ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض اوقات اس شخص کے پاس مال حرام اس مقدار میں جمع ہو جاتا ہے کہ حج کو کافی ہو۔ مگر یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو مال حرام ہے اس کا حج میں خرچ کرنا اور بھی زیادہ بُرا ہے۔ اور مال حلال اس قدر میرے پاس ہے نہیں اس لئے میرے ذمہ حج فرض نہیں اور یہی خیال بعض لوگوں کو زکوٰۃ میں بھی ہے پس یہ لوگ

نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں سو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ مدار فرضیت حج و زکوٰۃ کا خاص مقدار مال کا مالک ہونا ہے اُس کے حلال ہونے کو فرضیت میں دخل نہیں اس لئے ایسے شخص کے ذمہ حج اور زکوٰۃ دونوں فرض ہیں البتہ حرام مال سے جو حج ہوگا وہ مقبول نہ ہوگا لیکن فرض ادا ہو جاوے گا یعنی اُس شخص پر مواخذہ نہ ہوگا کہ حج کیوں نہیں کیا گو یہ مواخذہ ہو کہ مال حرام کیوں جمع کیا اور اُس سے کیوں منتفع ہوا سو ادا ہو جانا اور چیز ہے اور قبول ہونا دوسری چیز اگر قبول ہونا بھی چاہتا ہے اور بجز اس مال حرام کے اس کے پاس اور کچھ نہ ہو تو ایسا کرے کہ کسی کافر سے قرض لے کر اُس کو حج کے لئے الگ رکھے پھر خواہ وہ قرضہ اگلے ہی دن خواہ تھوڑی ہی دیر کے بعد اُس حرام مال سے ادا کر دے تو یہ روپیہ قرض لیا ہوا اُس کی نسبت غنیمت ہوگا اور بعضے جو کہا کرتے ہیں کہ دوسرے کے روپیہ سے بدل لے سو اگر ہاتھ در ہاتھ بدلا تو وہ بدلے کا روپیہ بھی ایسا ہی حرام ہو جاوے گا یہ جیسا اصل کے پاس کا روپیہ تھا دست بدست لینے کا اور حکم ہے اور قرض لے کر پھر ادا کرنے کا اور حکم ہے اور اس تدبیر کے بتلانے کا یہ مطلب نہ سمجھا جاوے کہ مال حرام جمع کرنے کی اجازت دی جاتی ہے یا ایسا کرنے کے بعد حرام مال جمع کرنے کا گناہ اُتر گیا یا اُس کے تدارک کی ضرورت نہ رہی حاشا وکلا یہ مطلب ہرگز نہیں حرام مال لینے کا جو گناہ ہے وہ اب بھی باقی ہے اور اُس کا تدارک اب بھی واجب ہے یعنی جن لوگوں کا وہ حق ہے اُن کو واپس کرنا جس کا مستحق نہ ملے اُس کے ورثہ کو دینا اور جہاں معلوم نہ ہو اُس قدر مال اُن مستحقین کی طرف سے مساکین کو دیدینا اور اس سب کے ساتھ توبہ و استغفار کرنا اور اگر بالفعل تدارک پر قادر نہ ہو تو اُس کی فکر میں رہنا اور جتنی جتنی گنجائش ہوتی جاوے اُتنا اُتنا ادا کرتے رہنا یہ سب واجب ہے غرض اس حیلہ سے حرام و حلال کے احکام نہیں بدل گئے یا رفع نہیں ہو گئے مقصود اس سے اس امر پر متنبہ کرنا ہے کہ یہ لوگ جو حج و زکوٰۃ کو اپنے ذمہ فرض نہیں سمجھتے یہ اُن کی غلطی ہے یہ دو علمی غلطیاں تو وہ ہیں جن میں حج کے امر شرعی کی ممانعت کی جاتی ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ جن کے پاس نہ تو حج کا سامان ہے اور نہ قلب میں غنا اور قوت توکل ہے مگر لوگوں سے بھیک مانگ مانگ کر اُن کو پریشان کر کے حج کو جاتے ہیں سو اس طرح حج کو جانا حرام ہے۔ ایک کوتاہی بعضی عورتوں کی یہ ہے کہ باوجود شوہر یا محرم کے ہمراہ نہ ہونے کے پھر حج کو جاتی ہیں اور گو بعض ائمہ کے قول پر بعض خاص قیود و شروط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے لیکن اوّل تو عوام کو ایسی بے قیدی کی اجازت نہیں کہ جس وقت جس کا قول دل چاہا لے لیا دوسرے جانے والیاں اُن قیود و شرائط کو نہ جانتی ہیں نہ اُنکی پرواہ کرتی ہیں جس حال میں چلی جاتی ہیں جو کہ اُن ائمہ کے نزدیک بھی جائز نہیں تیسرے اُس وقت اتنا فساد نہ تھا ثقہ عورتوں کے ساتھ امن غالب تھا اور اس زمانہ میں فساد اس قدر غالب ہے کہ عورتوں کے ہوتے ہوئے بھی شریر طبیعتیں شرارت سے نہیں چوکتیں پھر تعاون و ہمدردی

کم ہوتی جاتی ہی اگر بیماری وغیرہ پیش آگئی تو کم عورتون سے امید ہی کہ اپنا کام چھوڑ کر اُنکی امداد کرین اکثر لوگونکو
خصوصًا ضعفاء ونسوان کو نفسی نفسی مین مشغول دیکھا ہے تو بوجہ مجبوری مرد ہی امداد کرینگے تو لا محالہ اُتارنے
چڑھانے مین اجنبی مرد اس کا ہاتھ بھی پکڑینگے کمر بھی تھامین گے تو ایسے وقت فتن سے محفوظ رہنا جانبین کا
یا ایک ہی جانب کا مشکل ہی خاصکر قلب اور عین کے فتنہ سے تو ایسے حج کی ضرورت ہی کیا ہی جب شریعت
اس کو حاضر ہونیکا حکم نہین کرتی بلکہ روکتی ہی تو پھر یہ کیون مصیبت مین پڑتی ہے اگر اس عورت کو مالی استطاعت
ہو اور محرم وشوہر موجود نہو یا جانے پر آمادہ نہو (کیونکہ اسکو شرعًا اس کا اختیار حاصل ہی) تو اسمین فقہاء
مختلف ہین کہ آیا استطاعت مالی سے نفس وجوب حج کا اسکے ذمہ ہوگیا ہے یا نفس وجوب بھی نہین ہوا پہلے
قول پر اس عورت کے ذمہ حج بدل کی وصیت کرنا واجب ہوگا اور دوسرے قول پر نہین لیکن احتیاط اسی مین ہے
کہ وصیت کیجاے اگر یہ وسوسہ ہو کہ اگر وصیت نافذ نہ کیگئی تو حج میرے ذمہ رہیگا اس کا جواب یہ ہے کہ لیکن گنہگار
نہوگی کیونکہ اس نے اپنے ذمہ کے واجب کو یعنی وصیت کو ادا کردیا اب انفاذ اُس کا جبکہ مال چھوڑ جاوے ورثہ کے ذمہ واجب ہے
اگر وہ کوتاہی کرینگے اس کا مواخذہ اُن ہی سے ہوگا یہ کوتاہیان علمی وہ ہوئین جنمین حج سے نہی شرعی کی مخالفت
کیجاتی ہی اور سب سے اوپر ایک عملی کوتاہی تھی یہ سب پانچ کوتاہیان ہوئین جو شرائط حج کے متعلق ہین علاوہ اُن
غلطیون کے جو نفس حج مین ہوتی ہین جنپر مطوف عالم شفیق مطلع کردیگا یا علماء کو کتب مناسک مطلع کردینگی
دو کوتاہیان حج سے خارج مگر اُسی سفر کے متعلق یاد آگئین پس وہ پانچ مل کر یہ سب سات ہوجاوینگی۔
ایک کوتاہی یہ کہ بعضے لوگ حج کو جاتے ہین اور ریل مین یا جہاز مین یا اونٹ پر فرض نمازین برباد
کرتے ہین سو انھون نے ایک فرض تو ادا کیا اور اتنے کثیر فرض فوت کیئے اور اگر حج فرض نہین تھا نفل تھا
تو اور بھی غضب ہوا کہ ایک نفل کے لیئے اتنے فرض گئے گذری سو ایسے شخص کو تو حج کرنا جائز بھی نہین
ایک کوتاہی جو باعتبار تعدیہ ضرر کے سب سے اشنع واقبح ہی یہ کہ بعضے لوگ حج کرکے آتے ہین اور وہان کے
مصاعب اور مصائب اسطرح سے بیان کرتے ہین کہ سننے والا حج کو جانے سے ڈر جاے ایسے شخص کے
یصدون عن سبیل اللہ کے مصداق ہونے مین کیا شبہ ہی اور اگر وہ شکایات غیر واقعی ہون چنانچہ اکثر
یون ہی ہوتا ہی کہ بات کو بہت بڑھا کر کہا جاتا ہے اور نیز اُس مصیبت کی بنیاد کو تو ضرور ہی غلط ظاہر
کیا جاتا ہے جسکی وجہ یہ ہوتی ہی کہ اکثر ایسے واقعات کا سبب اپنی حماقت ہوتی ہی تو اپنی حماقت کون بیان
کرتا ہی تو اس طور پر وہ شکایات یا اُنکے بعض اجزاء غیر واقعی ہوتے ہین تو اگر ایسا ہو تو یہ لوگ یصدون عن

سبیل اللہ کے ساتھ ویبغونہا عوجا کے بھی مصداق ہوں گے اور چونکہ باوجود علم واقفیت کے غصہ میں ایسا کہتے ہیں اس لئے جملہ وانتم شہداء کے بھی یہ مخاطب ہوں گے اور اسکے جواب میں ان کو بھی وہی کہا جاویگا وما اللہ بغافل عما تعملون اور عجیب لطیفہ یہ ہے کہ یہ آیت جسکے جملے اس حالت اخیرہ کی تقریر میں جا بجا نقل کئے گئے قرآن مجید میں بھی بعد ذکر حج کے متصل وارد ہے اور مجھکو بھی حج ہی کے اس خاص مضمون کے ساتھ یاد آئی تو قرآن مجید میں یہ اتصال میری اس استدلال کا ایک خاص لطافت کے ساتھ مؤید ہو گیا اگر مصائب واقعی بھی ہوں تب بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سفر عشق ہے محبوب کے دربار میں حاضری دینے کے لئے تو سفر عشق میں خار بھی گل اور زاغ وزغن بھی بلبل معلوم ہونا چاہیے۔ ولنعم ما قیل وعلیہ نختم ہذا القول الجمیل ؎

اے دل آن بہ کہ خراب از مئے گلگون باشی   بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

در رہ منزل لیلےٰ کہ خطرہاست بجان   شرط اول قدم آنست کہ مجنون باشی

وصلے اللہ علیہ سید المرسلین الذی ولد ذبحیّ وھذا البلد الامین۔

اصلاح معاملہ قربانی

جسطرح ملحقات زکوٰۃ میں سے صدقہ فطر ہے جس کے متعلق پہلے بقدر ضرورت مضمون لکھا جا چکا ہے اسی طرح اُسکے ملحقات میں سے قربانی بھی ہے انقلاب کے اثر میں مثل دیگر اعمال دینیہ کے یہ بھی شریک اور اس حیثیت سے واجب الاصلاح ہے اسمیں ایک کوتاہی جو اس انقلاب کے تفریطات ہے یہ ہوتی ہے کہ بعضے لوگ باوجود وسعت اور وجوب کے قربانی نہیں کرتے بلکہ بعضے خاندانوں میں کئی پشت سے قربانی نہیں ہوئی بلکہ بعضے دیہات کے لوگ اس کو جانتے تک بھی نہیں بعضے سستی و بے پروائی کے سبب نہیں کرتے بعضے بخل کے سبب کوتاہی کرتے ہیں پس اگر سبب اس کا ناواقفی و بیخبری ہے تو اسکی اصلاح یہ ہے کہ ان کو اس کے وجوب سے اور ترک پر جو وعید ہے جیسا ابن ماجہ میں حدیث مرفوع ہے من وجد سعۃ ولم یضح فلا یقربن مصلانا اس پر ان کو اطلاع دینی بالخصوص واعظین وخطبا یا ان اہل علم کو جو دیہات میں وعظ و تبلیغ کی غرض سے جاتے ہیں ضروری ہے کہ دیہات کے لوگوں کو جبکہ وہ جمعہ میں حاضر ہوں یا خود دیہات میں جانا ہو اسکے وجوب پر بلکہ اس کے متعلق دوسرے احکام پر بھی آگاہ کر دیں بعضے باوجود اسقدر وسعت کے کہ جس پر قربانی واجب ہوتی ہے اپنے ذہن میں اپنے کو استطاعت سے بری و سبکدوش سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کو اس وسعت کی مقدار معلوم نہیں تو ان کو اس سے آگاہ کیا جاوے کہ جسکے

پاس حوائج ضروریہ سے زائد تخمیناً پچاس روپیہ نقد یا مال تجارت یا زیور یا جائداد ومکانات علاوہ مکان سکونت وکفایت معاش سالانہ کے موجود ہو بس اتنی وسعت پر قربانی واجب ہوجاویگی خواہ مرد ہو یا عورت البتہ بچون پر یا بچون کی طرف سے واجب نہین اور اگر نری بے پروائی اس کا سبب ہے تو ان لوگون کو غور کرنا یا غور کرانا چاہیئے کہ دنیا کی جلب منافع ودفع مضار کیلئے اگرچہ وہ درجہ ضرورت مین نہون اور اگرچہ وہ موہوم بھی ہون کسقدر روپیہ موقع پر بلکہ ہر روز ہی خرچ کیا کرتے ہین اور پھر وہ فانی تو کیا آخرت کے اتنے بڑی ثواب کی تحصیل کیلئے کہ اس سے زیادہ کوئی منفعت نہین اور اتنے بڑے گناہ وعذاب سے بچنے کے لیئے کہ اس سے بڑھکر کوئی مضرت نہین اور پھر دونون یقینی اور باقی اور ضروری الرعایت بے پروائی اور سستی کیجاوے کتنی بڑی نادانی ہے اور اگر سبب اس کا بخل ہے تو فوری علاج تو اس کا ان ہی منافع ومضار کا استحضار ہے جس کا ابھی بیان ہوا اور باقاعدہ علاج اس کا یہ ہے کہ مادہ بخل کا استیصال کیا جاوے جسکی تدبیرین کتب فن مین ملین گی (اور خدا تعالیٰ نے مدد فرمائی تو اپنے سلسلہ مضامین مین بھی انشاءاللہ تعالیٰ اس کا بیان ہو جاویگا) بعضے لوگون کو اس سے بڑھکر ایک سبب اس ترک کا ہو گیا ہے کہ وہ اسکے عبادت ہونے مین شبہ کرتے ہین بالخصوص حج کی قربانی کو تو بوجہ کثرت ذبائح محض اضاعت مال ہی سمجھتے ہین انکی اصلاح یہی ہے کہ وہ علماء محققین سے اپنی تسلی مفصل شبہات پیش کرکے کرلین مجمل یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت امتثال امر آلہی ہے جب اس کا ماموریہ ہونا ثابت ہے پھر عبادت ہونے مین کیا شک رہا یہ سوال کہ امر آلہی کس حکمت سے ہے گو ایسے سوالات کے جوابات مین اس وقت خاص دلچسپی سے کام لیا جاتا ہے مگر سچا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہم سے پیش نہین کیا جاسکتا کیونکہ ہم بانی قانون نہین جو قانون کی لم جاننے کے مدعی ہون ہم ناقل وحاکی قانون ہین جب واضع قانون کے روبرو کھڑے کیئے جاؤگے اگر ہمت ہوگی پوچھ لینا پھر جو جواب اُن کے نزدیک مصلحت ہوگا عنایت کردینگے خواہ تقریر ومقال سے خواہ تعذیر ونکال سے دفعات قوانین کی علل وکلاء یا مجسٹریٹ جج سے پوچھنا سخت نادانی ہے اگر کوئی پوچھے بھی اُن کو یہ جواب دینے کا حق ہے کہ واضعان قانون سے پوچھو ہم اسکے بتلانیکے ذمہ دار نہین تو علماء ایسے سائلون کو ایسا جواب کیون نہین دیسکتے اور جب دیسکتے ہین تو کیون نہین دیتے کیون سائل کی بے محل فرمائش کا اتباع کرتے ہین اسی طرح اضاعت مال کے شبہ کا جواب ہے کہ اضاعت اس وقت ہوتی جب اسمین کوئی فائدہ نہوتا اور جب فائدہ اس مین رضائے حق ہے جس کا مقابلہ کوئی فائدہ نہین کرسکتا تو اضاعت کیسی ہوئی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے وسعت والے قربانی تو کرتے ہین مگر بڑی کوشش اسکی ہوتی ہے کہ کوئی حصہ

ستا ملجاوی گو اُس مین کچھ عیب بھی ہو مگر ایسا نہو جو مانع جواز قربانی ہو اور وجہ اسکی دو ہین ایک بخل جس کا علاج اوپر گذر چکا اور دوسری یہ خیال غیر واقعی کہ قیمت کے بڑہنے سے یا مال کے عمدہ ہونیسے ثواب مین زیادتی نہوگی بلکہ ایک حصہ مین جسقدر ثواب ہوتا ہے وہ والدین حال مین برابر ہوگا یا اگر زیادتی بھی ہوئی تو ہم زیادتی کو کیا کرینگے پس اتنا ہی کافی ہی کہ برارت ذمہ حاصل ہو جاوے اسکی اصلاح یہ ہی کہ یہ خیال بالکل غلط ہی بلکہ جسقدر مال عمدہ ہوگا یا قیمت زیادہ ہوگی ثواب زائد ہوتا جاویگا لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اور لا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ اور حدیث سمنوا ضحایاکم اور حضرت عمر رض کا قصہ ہی کہ ایک اونٹنی ذبح کی تھی جسکے تین سو دینار اُن کو ملتے تھے (اوردہ فی التفسیر المظہری) یہ سب دلائل واضحہ ہین اس دعوی کے اور یہ خیال کہ ہم زیادتی کو کیا کرینگے صرف برارت ذمہ کافی ہے اس کا محل وہان ہوسکتا ہے جہان صرف مواخذہ سے بچنا ہو اور اُس حاکم سے کوئی خاص تعلق نہو نہ خاص تعلق پیدا کرنا مقصود ہو کیا حق جل و علا شانہ کے تعلقات کے وجود یا مطلوبیت حصول کا کسی کو انکار ہوسکتا ہے اگر نہین ہوسکتا تو اس خیال کی گنجائش کہان رہی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ محض نادار ہین یا ذخیرہ سے زیادہ اُن کے ذمہ حقوق العباد ہین جن کا ادا و ایفا فرض مقدم ہی مگر یہ لوگ ان سب حقوق کو نظرانداز اور پشت انگندہ کر کے محض فخر اور رسم قدیم نباہنے کیلیے قربانی کی پابندی کرتے ہین اور بعض کو دیکھا ہے کہ متعدد حصص مردون کے کرتے ہین اور زندون کے واجب حقوق کو مردہ کرتے ہین حالانکہ یقینی بات ہے کہ دس روپیہ قرضہ ہین ادا کرنا اس سے بہتر ہے کہ ان دس روپے کے حصے خریدی جاوین تو اضافہ حقوق کا الزام الگ اور فساد نیت یعنی تفاخر و ترفع کا الگ حضرات سلف سے اس مباہات پر انکار منقول ہی اور اس انکار کے ساتھ ان کا یہ قول بھی مروی ہے کہ ہم تو گھر بھر کیطرف سے صرف ایک بکری ذبح کر لیتے تھے یعنی عدم وجوب کی صورت مین ایک نے اپنی طرف سے کر لی اور گھر بھر نے کھا پی لیا کیونکہ ایک حصہ تو کئی کیطرف سے ہو ہی نہین سکتا البتہ کوئی حق ضائع نہو اور تفاخر بھی نہو تو تطوع کے مستحب اور دلیل محبت ہونے مین کوئی کلام نہین اسی طرح عام مردون کی طرف سے یا اپنے بزرگان دین کیطرف سے بالخصوص حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف سے قربانی کرنا بھی احب المندوبات اور مقتضا اُن حضرات کے حقوق کا ہی لیکن منفعت جب ہی مطلوب ہے جب اُسمین کوئی مضرت نہو۔

اور بعض کوتاہیان مسائل فرعیہ فقہیہ کے نہ جاننے سے ہوتی ہین جیسے ایسے جانور کی قربانی کرنا جو رعایا

گھاس چرانے کے عوض مین لیا گیا ہو یا جو جانور حصہ پر کسی کو پرورش کرنیکے لیئے دیا گیا تھا اور وہ اس پرورش کنندہ کے حصہ مین لگا دیا گیا پھر اس کو کسی نے خریدا یا خریدنے کے وقت کھال کا استثنار کر لینا یا جانور خرید کر پھر اسکو کلا یا بعضا دوسرے کے ہاتھ بیچ ڈالنا یا اپنا حصہ کسی حصہ سے بدل لینا یا دوسرا اول خرید کر پھر پہلا بیچ ڈالنا کہ ان استبدال کی صورتون مین غنی اور فقیر کے احکام مین نہایت طویل تفصیل ہی یا ان سب سے بڑھکر ایک ایسی صورت مین جو ایک مقام مین سُنی گئی کہ جانور ذبح کرنیکے بعد اس کا ایک حصہ ایک شخص کے نامزد کرکے اسکی قربانی کیلیئے کافی سمجھا گیا یا مشترک گوشت محض تخمینہ سے تقسیم کرنا یا گوشت کے تین حصے برابر کرنے کو واجب سمجھنا یا کھال بجائے کسی کی تنخواہ واجرت مین لگا دینا جب بعض دیہات مین امام و موذن کو یہی کہکر رکھتے ہین کہ تمکو قربانی کی کھال بھی ملیگی یا ان داموں سے مسجد کے بوریئے وغیرہ خرید نا یا مسجد کی تعمیر مین لگا دینا یا اپنے خرچ مین لے آنا کیونکہ بعد بیع چرم کے اس کی قیمت کا مصرف مثل زکوٰۃ ہوجاتا ہی یا کہین منی آڈر کرکے بھیجنے کی صورت مین اسی مین سے فیس ادا کرنا و مثل ذلک ان سب کی اصلاح مسائل فقہیہ کی تحقیق کرکے اُن کے موافق عمل کرنا چاہیئے۔

اصلاح معاملہ بہ بعض طاعات مالیہ

مثل وقف وکفارہ یمین ونذر و فدیہ نماز و روزہ و صدقہ نافلہ وغیرہ جس طرح زکوٰۃ کے ملحقات مین سے صدقہ فطر و قربانی ہی جن کے متعلق اسکے قبل بیان ہوچکا ہے اسی طرح اسکے ملحقات مین سے دوسری بعض طاعات مالیہ بھی حقوق اللہ مین سے ہین جن مین سے بعض کا نام سرخی بالا کے ضمن مین ہے، ترمذی کی حدیث مرفوع ان فی المال لحقا سوی الزکوٰۃ کے عموم مین یہ سب داخل ہین اور چونکہ ایسی طاعات مین زکوٰۃ راس اُلاساس ہی اور اسی وجہ سے ان سب مین وہی شعائر وارکان اسلام سے ہے اور باقی سب اسکے بعد کے درجہ مین اسی بنا پر اوروں کو اسکے ملحقات مین سے کہدیا گیا ورنہ یہ مقصود نہین ہی اور نہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ زکوٰۃ فرض ہی اور دوسرے تطوع یا یہ کہ جسکے ذمہ زکوٰۃ نہو اسکے ذمہ دوسرے حقوق مذکورہ مین سے کچھ نہو گا کہ یہ دونون حکم غلط ہین واقفان احکام جانتے ہین کہ صدقہ فطر وقربانی وکفارہ یمین و ایفا ءِ نذر اور فدیہ صوم وصلوٰۃ کا بھی واجب ہے گو وقف وصدقہ نافلہ واجب نہو اور اسی طرح بعض کے ذمہ زکوٰۃ نہین ہوتی مگر دوسرے حقوق مالیہ واجبہ اسکے ذمہ ہوتے ہین مقصود یہ ہے کہ یہ اعمال درجہ مین تو زکوٰۃ کے بعد ہین مگر پھر بھی شرعاً مطلوب ہین جن مین بعضے واجب اور بعضے مندوب

ہین (چونکہ ان مین بھی متعلقات کوتاہیان واقع ہوتی ہین اس لیئے اُنپر بھی مختصر ابقدر ضرورت متنبہ کرنا ضروری ہے چنانچہ تھوڑا تھوڑا عرض کرتا ہون (اور حقوق اللہ کی قید اسلیئے لگائی کہ جو حقوق مالیہ منجملہ حقوق العباد ہین وہ از قبیل معاملات ہین جن کا بیان ذکر نہین ہے اسوقت صرف دیانات کا بیان ہے۔

وقف

اسمین بعض کوتاہیان وقف کرنے والے کیطرف سے ہوتی ہین اور بعض منتظم اور متولی کیطرف سے اور بعضی واقف کی اولاد سے اور بعضی دوسرے اجنبی لوگونکی طرف سے چنانچہ واقف کی طرف سے ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے اسمین یہ بھی رعایت نہین کیجاتی کہ یہ حلال سے حاصل ہوئی ہے یا حرام سے اور شہرت کے لیئے نام کرنے کو یہ عمل کرتے ہین حدیث مین صاف ارشاد ہے عن عبد اللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولا ینفق منہ فیبارک لہ فیہ ولا یترکہ خلف ظہرہ الا کان زادہ الی النار ان اللہ لا یمحو السیئ بالسیئ ولکن یمحو السیئ بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث رواہ احمد وکذا فی شرح السنۃ۔

بلکہ اگر حلال سے بھی ہو مگر ہو تفاخر کے لیئے وہ بھی غیر نافع وغیر مقبول ہے ریار کی مذمت معلوم اور ظاہر ہے خصوص مساجد بنانیوالے اس بلا مین بکثرت مبتلا ہین یہی وجہ ہے کہ گو کسی جگہہ مسجد قدیم موجود ہو مگر محتاج مرمت ہو لیکن اسکی مرمت نہ کرینگے اور اُس کو منہدم ہونے دینگے اور اپنے نام کے لیئے ایک مسجد بنا دینگے اور یہی راز ہے اس کا کہ اکثر بستیون مین بکثرت مسجدین ویران ہین۔

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ خود وقف ہی مقصود بالذات نہین ہوتا بلکہ نیت صرف جائداد کی حفاظت ہوتی ہے اور اُسی کو مقصود بالذات قرار دیتے ہین اور وقف کو اُس کا ذریعہ بنلتے ہین۔

پس دین تو مقصود بالعرض ہے اور دنیا مقصود بالذات ہوئی جسکی نسبت ارشاد نبوی ہے انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی فمن کانت ہجرتہ الی اللہ ورسولہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او امرأۃ یتزوجہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ رواہ الشیخان

دیکھیئے اس مہاجر نے ہجرت تو کی مگر نیت اسمین غرض دنیوی کی تھی اس لیئے ثواب سے محروم رہا اور اسی قبیل سے ہے بعض دفعہ وقف علی الاولاد کرنا۔ اس سے یہ مقصود نہین کہ وقف علی الاولاد صحیح نہین یا کسی حالت مین موجب ثواب نہین صحیح تو ہر حال مین ہے خواہ نیت کچھ ہی ہو جیسا کہ نماز کو اگر کوئی تمام

شرائط وارکان کے ساتھ ادا کری مگر نیت یہ ہو کہ لوگ ہم کو نمازی سمجھین با جماع اہل علم نماز اُسکی صحیح ہو جاویگی مگر ثواب سے محروم رہیگا اسی طرح سے یہ وقف صحیح تو ہو ہی جاویگا گو ثواب بعض احوال مین نہو اسی طرح بعض حالات مین ثواب بھی ملیگا جب مقصود اعانت اولاد کی دین کے لیئے ہو یعنی یہ غرض ہو کہ یہ معاش سے مطمئن رہینگے تو دین مین مشغول رہین گے اور کسی کے حق کا ضائع کرنا بھی مقصود نہو اور اگر مقصود اولاد کی اعانت کے لئے یہ بھی شرط ہی کہ یہ ہمیشہ صاحب ثروت وجاہ رہین گے یا یہ کہ کسی سے قرض لیکر اندیشہ ہوا کہ اب جائداد نیلام ہو جاویگی اُسوقت وقف کی پناہ لیکر صاحب حق کا حق ضائع کیا تو نیکی برباد گناہ لازم ہوگا اور اس سے بڑھکر ایک دوسری مضمر قبیح غرض ہی کہ اُس کا درجہ الحاد تک پہونچتا ہے وہ یہ کہ اصل مین ذہن مین مسئلہ میراث کو خلاف مصلحت و خلاف حکمت اور موجب ضرر اور نامناسب اعتقاد کرتا ہے اور صریح اعتراض کرنے کو نامناسب سمجھکر ایک شرعی عمل کی پناہ لیتا ہی یعنی وقف علی الاولاد کو ترجیح دیتا ہے اور قواعد میراث کو موجب تجزیہ و تضییع جائداد خیال کرتا ہی پس منی اُسکی اس تجویز کا ایک حکم شرعی یعنی میراث کو نامناسب اعتقاد کرنا ہی تو اُس کا بد دینی ہونا ظاہر ہے اور شیطان کے کافر ہونیکا اصل سبب یہی ہے کہ اُس نے ایک حکم منصوص کو خلاف حکمت قرار دیا اور صرف ترک سجود ایک معصیت تھا نہ کہ کفر پس اس وقت بھی ایسے عقیدہ والونکی تکفیر کرنے والیکو متعصب کہنا خود تعصب ہے جسکے معنی باطل کی حمایت کرنا ہی نہ کہ دین کی پختگی اور تمسک شریعت کے ساتھ پس اس وقت تصلب کا نام نافہمی سے تعصب رکھ لیا گیا ہی۔

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہی کہ اُسکے مصارف مین بعض بدعات و معاصی کو بھی جز بناتے ہین کہ اسکی آمدنی سے فلان مزار پر عرس کیا جاوی جس کا مشتمل بدعات کثیرہ ہونا ظاہر ہی یا یہ کہ اسکی آمدنی کا ایک حصہ متعارف انگریزی تعلیم مین صرف کیا جاوے جس کا متضمن و مورث قبائح و مفاسد عظیمہ ہونا مشاہد ہے۔

اور بعضی کوتاہیان متولی و منتظم کی طرف سے ہوتی ہین مثلاً بعضے وقف کی آمدنی کو اُسکے مصارف مین نہین صرف کرتے بلکہ اپنی رائے کے موافق جائز نا جائز سے قطع نظر کرکے جو چاہین تصرف کرتے ہین بعض اوقات اُسکی شرائط کی مخالفت کیجاتی ہی مثلاً اسمین واقف نے ایک جماعت کو مشیر قرار دیا مگر جس کا زور ہوا وہی قابض ہو کر مستقل و مستبد الرای بن بیٹھا اور دوسرونکو پوچھنا بھی نہین اور اگر واقف نے حساب داخل کرنے کی شرط لکھدی اور کوئی دباؤ بھی پڑا تو فرضی حساب تصنیف کر لیا۔ بعض اوقات اپنی دنیوی اغراض کے لیے وقف کی مصلحتیں برباد کی جاتی ہین مثلاً کوئی خوش معاملہ کاشتکار اس متولی کی دوسری مملوکہ زمین اس شرط پر رکھتا ہی کہ

وقف زمین کا ارزان ٹھیکہ اُس کو دیا جاوے اور دوسرا اجنبی کاشتکار گران کرایہ پر لیتا ہے اور وہ بھی خوش معاملہ ہے مگر اُسکو نہ دینے مین اُسکی مملوکہ زمین چھوٹتی ہے تو یہ شخص محض اپنی اس مصلحت کیلئے وقف کا نقصان کرتا ہے بعض اوقات یہ منتظم تمام آمدنی اُسکی خود ہی کھا جاتا ہے پھر کبھی تو اول ہی سے نیت اُسکی ادا کی نہین ہوتی اور کبھی اول مین نیت اچھی ہوتی ہے مگر پھر ٹلتے ٹلتے تساہل ہو کر بیگاری ہو جاتی ہے اور وہ رقم ضائع ہی ہو جاتی ہے بعضے متولی منافع سے متجاوز ہو کر خود رقبہ وقف مین تصرف باطل کرتے ہین کبھی خوش نیتی سے مگر جہل احکام کے سبب اور کبھی بدنیتی سے اول اس طور سے مثلاً اُس وقف کے اچھے دام ملتے ہین اور اُسکی نسبت یہ ہے کہ ان دامون سے اچھی زمین لیکر اُس کو وقف کر دینگے پھر کبھی کبھی وہ روپیہ بھی صرف ہو جاتا ہے اور وہ وقف مفت مین برباد ہوتا ہے یا اُسکے عوض اُس سے اچھی زمین ملتی ہے حالانکہ وقف کا مبادلہ بالکل باطل ہے البتہ جہان اُس کا انکار ہی نہ چلے تو بالکل چھوڑ دینے سے بدل ہی لے لینا کافی ہے اور اسطور سے کہ اُسپر مالکانہ تصرف کرنے لگے حتی کہ کبھی اُس کو رہن یا بیع بھی کر دی ہزارون اوقاف ان خائنونکی بدولت بے نام و بے نشان ہو گئے یا اگر معلوم بھی ہین تو اُن کا استخلاص بوجہ رقم کثیر و وقت کثیر کے صرف پر موقوف ہونے کے دشوار ہو گیا ہے۔

افسوس ہے بعض مسلمانون نے مسجدون کے ساتھ استعمالاً و بیجا گھرون کا سا معاملہ کر لیا ہے اور بعض کوتاہیان اولاد واقف کیطرف سے ہوتی ہین اور وہ کوتاہیان وہ سب ہین جو ابھی منتظم کی کوتاہیونکی فہرست مین مذکور ہوئین اور بعض اُن سے زائد بھی ہین اور زائد پر قادر ہونیکا سبب یہ ہو جاتا ہے کہ عرفاً اولاد واقف کو عام لوگ بہ نسبت اجنبی متولی کے وقف مین تصرف کرنیکا زیادہ مستحق سمجھتے ہین مثلاً لوگون کو ایسے قبرستان مین دفن کرنے سے روکنا یا کسی کو اپنے باپ دادا کی بنائی ہوئی مسجد مین نہ آنے دینا یا اُسکی شکستگی کی حالت مین خود تو بوجہ عدم استطاعت کے اُسکی مرمت نہ کر سکنا یا بے پروائی کے سبب نہ کرنا اور اورون کو بوجہ عار اور شرکت کے اجازت نہ دینا حتی کہ وہ اسی طرح اول منہدم ہو جاتی ہے پھر یہی لوگ اُس کا ملبہ بیچ کھاتے ہین حتی کہ وہ منہدم ہو جاتی ہے پھر اُسکی زمین بیچ لیتے ہین خواہ اُسمین مجالس فسق ہونے لگین یا کوئی غیر مسلم اُسمین گھر بنا کر پاخانہ تک پھر اکرے جو عار اس فضیحت کا سبب ہوئی ہے اُسی کے حق مین کہا جا سکتا ہے اختار النار علی العار بعض کوتاہیان اور عام اجنبی لوگونکی طرف سے ہوتی ہین مثلاً ایک یہ کہ مسجد مین کسی ظالم کا تصرف دیکھکر یہ رائے گھڑ لینا اور اپنی طرف سے فتوی دے لینا کہ اب یہ مسجد ہی نہین رہی اسمین ملیا ثواب ہی نہوگا یا یہ کہ اسمین اذن عام نہ رہا اسلیئے یہان جمعہ درست نہین اور یہ تجویز تراش کر دوسری مسجد کے بنانیکا سامان شروع کر دینا جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ یا تو دوسری مسجد آباد نہین

ہوتی یا پہلی ویران ہوجاتی ہو اور آئے دن کے جو جھگڑے رہتے ہین وہ الگ خود یہ مسئلہ ہی سمجھنا غلط ہو کہ ظالم کے تصرف سے وہ مسجد نہین رہی یا اذن عام باطل ہوگیا مسجد مسجد ہی ہو اور وہ ظلم اُس کا مخل اذن عام شرعی نہین ہے اذن عام کا شرط ہونا ارض مملوکہ مین ہے نہ کہ ارض موقوفہ مین وہان شریعت کا اذن عام ہے جس کو کسی کا ظلم زائل نہین کر سکتا بجائے اس مسئلہ تراشنے کے اُس ظالم کو بشرط قدرت روکنا چاہیے اور وقف کی حفاظت چاہیے اور مثلا ایک یہ کہ وقف کو برباد ہوتے ہوئے دیکھتے ہین اور باوجود قدرت کے التفات نہین کرتے کہتے ہین کہ ہم کو کیا غرض پڑی ہے صاحبو کیا دین بھی ایسی چیز ہے کہ جسکی نسبت بیغرضی کا دعوی کیا جاوے ہم کو تو بہت بڑی غرض ہر وقت ثواب کی پڑی ہے ہان قدرت نہونے پر مجبوری ہے اور مثلاً ایک یہ کہ بعض لوگ جو مصرف اُس وقف کے نہین ہین وہ بھی اُس سے منتفع ہوتے ہین مثلاً ایک مسافرخانہ خاص مساکین کے لیے بنایا گیا مگر اُسمین امراء و اغنیاء بھی بوجہ بخل کے قیام کرتے ہین جو کسی طرح جائز نہین غرض ہر طبقہ کی طبقات مذکورین سے اور بھی کوتاہیان ہین مگر نمونہ کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ اسقدر بھی کافی ہین ان ہی محذورات کو دیکھکر بعض دانشمندونکی رای یہ ہونے لگی ہے کہ اکثر اوقات ایسے اوقاف سے تو یہی بہتر ہے کہ بجای وقف کرنے کے اُس جائداد وغیرہ کو بیچکر اُسکے دام اپنے ہاتھ سے کسی نیک کام مین صرف کر دے لیکن یہ ایک رائے ہے جس کا منشاء ایک تعلق طبعی ہے کوئی حکم شرعی نہین خائنون کی خیانت وقف کے مرغوب فیہ ہونے مین مخل نہین ہو سکتی واقف کو بوجہ نیت کے بقاء ذات وقف تک باقیات صالحات کا ثواب ملتا رہیگا گو اُس سے انتفاع منقطع ہو جاوے۔

ایک کوتاہی اور ہے کہ رنگ اُس کا عبادت ہے مگر اُسکے آثار پر نظر کر کے شریعت نے اُس کو پسند نہین کیا یہ ہے کہ کوئی شخص جس کا قلب متحمل تنگی و تہیدستی کا نہو اپنی تمام جائداد یا متاع کو وقف کر دے بعض صحابہ رض نے جوش سخاوت مین ایسا ارادہ کیا بھی تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا چنانچہ حدیث مین امسک علیک بعض مالک مصرح ہے اور راز اس مین یہ ہے کہ بعض اوقات ناداری مین وساوس پریشان کرتے ہین کہ تو نے سب دیدیا اگر کوئی حاجت پیش آئی اور آمدنی کی کوئی سبیل نہین تو کہان سے کام چلیگا ان وساوس کا بعض اوقات اسقدر ہجوم ہوتا ہے کہ نماز وغیرہ مین خرابی ہونے لگتی ہے بعض اوقات نیت ڈانواڈول ہو کر غیرون کے مال پر نظر پڑنے لگتی ہے بعض اوقات حرام ذرائع کا قصد کرنے لگتا ہے۔ چوری کا۔ جھوٹے مقدمہ جھوٹی گواہی کا کسی سے قرض لیکر مار بیٹھنے کا۔ ونحو ذلک۔ اور اگر ان وساوس کے بعد اتفاق سے کوئی کلفت وتنگی بھی

پیش آگئی تو وہ وساوس اس وقت عمل کی صورت اختیار کرتے ہین اور معاصی کا صدور ہونا شروع ہوتا ہی جس سے آخرت کا خسارہ تو ظاہر ہی ہے بعض اوقات کسی جرم قانونی کا مرتکب ہو کر گرفتار بلا و سزا بھی ہوتا ہی یہ دنیا کی مضرت ہوئی تو وقف کرنے سے اتنی خیر نصیب نہوئی تھی جس قدر اُس سے شر پیدا ہوا تو شریعت مطہرہ نے جو اس سے روکا ہی تو واقع مین خیر سے نہین روکا بلکہ ان شرور سے (جن پر شریعت کی نظر پڑی اور ہماری نظر سے مستور رہین) روکا ہے حق تعالی کا ارشاد اپنے عموم سے ان صورتون کو بھی شامل ہی عسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون۔

تجربہ سے معلوم ہوا ہی کہ اصلی مفلس کو افلاس سے اُسقدر پریشانی نہین ہوتی جسقدر فقیر بعد الغنا کو کیونکہ وہ پہلے سے اُس کا خوگر ہوتا ہے اسی واسطے کہا گیا ہے ارحموا ثلثۃ۔ وعد منہم غنی قوم افتقر

ہمارے حضرت مرشد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک صالحہ بی بی نے اپنی جائداد کی نسبت ایسی ہی رائے ظاہر کر کے مشورہ طلب کیا حضرت رح نے فرمایا نا بھائی ایسا مت کرنا آدمی کو اپنے نفس کی تسلی کے لیے بھی کچھ رکھنا ضرور ہی اور اسی نکتہ کے سبب حضرت رح ضعیف القلوب و مالوف بالاسباب لوگون کے لئے اسباب و تعلقات مثل تجارت و نوکری وغیرہ کے ترک کو پسند نہین فرماتے تھے بعض اوقات یہ مفاسد مذکورہ اس درجہ پر نہین پہونچتے مگر اتنا ہوتا ہے کہ وقف کر کے پچھتاتا ہے کہ مین نے یہ کیا غلطی و ناعاقبت اندیشی کی تو اس خیر کا کیا ثواب مل سکتا ہی جسکو کر کے پچھتاوے اور افسوس کرے البتہ جو خود بھی قلب قوی رکھتا ہو اور اُسکے ساتھ اہل و عیال یا تو ہون نہین یا اگر ہون تو وہ بھی اس شخص کے ساتھ اسمین متفق اور راضی ہون اور اس کو بھی قرائن سے شہادت قلب مظنون ہو کہ یہ پھر بھی پریشان نہ ہونگے اور پریشان نہ کرینگے ایسی حالت مین تمام سرمایہ کے وقف کر دینے کا بھی کوئی مضائقہ نہین بلکہ عزیمت و ہمت کی بات ہی یہی وجہ ہی کہ جناب صدیق اکبر رض حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک مین تمام نقیر و قطمیر جو کچھ اُنکی ملک مین تھا سب لے آئے اور آپ نے اُنکی یہ طیب خاطر جائز رکھا اور اس عمل پر مدح مین وحی نازل ہوئی وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی الآیۃ ورنہ جسکو یہ قوت نہو اُسکے لیئے یہ مشورہ وارد ہے افضل الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی او کما قال اور قوی کے لیئے یہ وارد ہی ان تصدق وانت صحیح شحیح تخشی الفقر و تامل الغنی او مثل ذلک سبحان اللہ شریعت مطہرہ کیا عادل ملت ہے فضل اللہ تعالی من جار نا بہا بفضلہ نقیۃ وغراء شعشعیۃ

ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے آدمی کسی رنج وغیرہ کے سبب وارثون کو محروم کرنا چاہتے ہین اور اسی غرض سے اپنا متروکہ وقف کر دیتے ہین تاکہ وارثون کو نہ ملے سو سمجھ لینا چاہیے کہ ورثہ کو ضرر پہونچانا جو کہ اس شخص سے صادر

ہوا ہی خود معصیت ہی قرآن مجید مین غیر مضار کی قید موجود ہے حدیث مین ہی ان الرجل لیعمل والمراۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضرہما الموت فیضاران فی الوصیۃ فتجب لہما النار کذا فی المشکوۃ وایضا فیہا من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ بعضے آدمی ضرر پہونچانا تو نہین چاہتے مگر یہ سمجھتے ہین کہ وقف کرنے مین تو ثواب ہوگا اور وارثون کے لیے چھوڑ جانے مین کیا ثواب ہے سو ایسا سمجھنا خود غلط ہے ثواب صرف وقف مین منحصر نہین بلکہ وارثون کے لیے ترکہ چھوڑ جانے مین بھی اجر اور فضیلت ہے حدیث مین ہی انک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرہم عالۃ یتکففون الناس کذا فی المشکوۃ غرض بجائے خود وقف بھی موجب ثواب ہی اور وارثون کے لیے چھوڑ جانا بھی موجب ثواب ہے اب ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یا کسی خاص نسبت سے دونون پر جائداد کو تقسیم کر دینا یہ محتاج ہی رجوع کا قواعد شرعیہ در ماہران شریعت سے استفسار کرنے کی طرف۔

ایک کوتاہی غیر وقف کرنیوالون کی اور یہ بہت عام ہی یہ ہی کہ وقف مین ہر قسم کے تصرفات کو جائز سمجھتے ہین اور کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہین کہ کیا تمہاری ملک ہے یہان تک کہ اکثر دیندار لوگ تک اسمین مبتلا ہین کہ مسجد کے لوٹے بدھنے مین مریض کے لیے پانی پڑھوا کر گھر لیجاتے ہین پھر بعضی دفعہ وہ کئی کئی روز تک گھر ہی کھا رہتا ہے اور اگر فوراً ابھی واپس آجاوے تب بھی خود لیجانا ہی جائز نہین کیونکہ جس نے مسجد مین رکھا ہی اسکی نیت صرف مسجد مین کام لینے کی ہے نہ کہ گھر لیجانے کی اور خلاف شرط معطی کے جو کہ اسکی نیت سے متعین ہی اور وہ نیت قرائن سے معلوم ہے اُس سے کام لینا جائز نہین اور مانع سے یہ کہنا کہ کیا تمہاری ملک ہے بالکل لغو عذر ہے کیا منع کرنا اسی پر موقوف ہے کہ وہ دوسرے ہی کی ملک ہو قواعد شرعیہ نے جس طرح ملک غیر ہونیکو سبب منع قرار دیا ہے اسیطرح ما فیہ الاستعمال غیر ما وقف لہ ہونا بھی شرعاً سبب منع ٹھیرایا گیا ہے کیونکہ اصل حق منع شرع کو ہی یہی وجہ ہے کہ ملک غیر ہونا بھی وہان ہی سبب منع ہے جہان اُسکو شرع نے سبب منع قرار دیا ہی ورنہ نہین کحالۃ المضطر فی مخمصۃ حیث یباح لہ بل یفرض فیہا تناول مال الغیر اذا لم یجد غیرہ وان ضمنہ اسی مین داخل ہی وہ نے احتیاطی بعض طلباء کی کہ مسجد کے لوٹے پنکھے اُٹھا اُٹھا کر حجرون مین رکھ لیتے ہین یا بعضے آدمی مسجد کے کلوخ استنجے کیلیئے یا گرم پانی مسجد کے سقاوہ سے وضو کیلیئے گھر لیجاتے ہین یا بعضے آدمی مسجد کا فرش یا شامیانہ اپنے یا کسی دوسرے مدرسہ و انجمن و مسجد کی ضرورت مین خلاف نیت معطی کچھا اینٹ چونہ دوسری مسجد مین یہ سمجھکر کہ مسجد مسجد سب ایک ہے لگا دیتے ہین یہ سب اسی فہرست مین داخل ہین اسی طرح مدارس مین جو اشیاء خاص غریب طلبہ کے لیئے آتی ہین اُنمین سے اغنیاء کو لینا یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

کفارہ مالیہ یمین

اسمین ایک بڑی کوتاہی تو یہ ہی کہ بہت لوگون کا یہی گمان ہے کہ جب قسم ٹوٹے پس کفارہ مین تین روزہ رکھہ لینا کافی ہین اُن کو یہ خبر ہی نہین کہ بعض حالتون مین روزے کافی نہین ہوتے کسی دوسرے طریق کی ضرورت ہی سو اسمین تفصیل یہ ہے کہ جب قسم ٹوٹنے کے بعد ارادہ اداے کفارہ کا کری اُسوقت دیکھنا چاہیے کہ اس شخص کے پاس قدر کفاف کو مستثنی کرکے آیا اتنی گنجائش ہی یا نہین کہ دس مسکینون کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلا سکے یا اُن دس مسکینون کو فی مسکین بقدر ایک حصہ صدقہ فطر کے حسب شرائط مذکورہ کتب فقہ غلہ یا اُسکی قیمت دیسکے یا دس مسکینون کو اس طرح کپڑا دیسکے کہ فی مسکین متوسط قیمت کا کپڑا بقدر ایک جوڑہ کے دیسکے جسکی تفاصیل جزئیات کتب فقہ مین مذکور ہے پس اگر اسقدر گنجائش رکھتا ہو تو اس کا کفارہ مین روزہ رکھنا کافی نہین ہوگا بلکہ ان طریقون مین سے ایک طریقہ اختیار کرنا ضروری ہوگا تب کفارہ ادا ہوگا اور اگر گنجائش نہین ہی تب البتہ تین روزی رکھہ لینا درست ہوگا اور اسمین قدر کفاف سے زائد ہونا کفارہ مالیہ کے وجوب کے لئے کافی ہی صاحب زکوۃ ہونا شرط نہین اور قدر کفاف یہ ہی رہنے کا گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کی خوراک (کذا فی الحاشیۃ الشامیۃ عن الخانیۃ) اور حنفی مذہب مین اس گنجائش و عدم گنجائش کو عزم اداے کفارہ کے وقت دیکھا جاویگا قسم ٹوٹنے کے وقت نہ دیکھا جاویگا پس اگر حنث کے وقت گنجائش ہو اور ادا کے وقت گنجائش نہو تو روزہ سے کفارہ ادا ہوجاویگا اور اگر حنث کیوقت گنجائش نہو اور ادا کیوقت گنجائش ہو تو کفارہ مالیہ دینا پڑیگا (کذا فی الشامیۃ عن الزیلعی) اس تفصیل سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ ایسے لوگ بہت ہی کم نکلینگے جنکے لئے روزہ کافی ہوجاوے کیونکہ غربا مین ایسی کثرت سے ہین جن کے پاس کفاف بالتفسیر المذکور سے زائد بقدر خوراک و پوشاک دس مسکینون کے موجود ہی پس کتنی بڑی کوتاہی ہی کہ اکثر نے سب سے روزہ ہی کو کافی سمجھ لیا ہی ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو لوگ کفارہ مالیہ ادا بھی کرتے ہین وہ بھی اسکے احکام و شرائط کی تحقیق و رعایت نہین کرتے چنانچہ بعضے مطلق مسکین کو اُس کا مصرف سمجھتے ہین حالانکہ اُسکا مصرف زکوۃ ہونا شرط ہی (کذا فی الدر المختار) بعضے ایک مسکین کو دو تین حصے ایک تاریخ مین دیدیتے ہین حالانکہ یہ غلطی ہی اگر ایسا کیا تو ایک ہی حصہ ادا ہوگا (کذا فی الشامیۃ) لیکن اس غلطی کے معلوم ہونیکے وقت اُس مسکین سے زائد کا واپس کرنا جائز نہوگا اُسکو جو کچھ دیدیا وہ اُسکی ملک ہوگیا (کذا فی الشامیۃ عن الفتح) اگر ایک ہی مسکین کو زیادہ نفع پہونچانا منظور ہو تو اُس کو مختلف تاریخون مین ایک ایک حصہ ہر روز دیدے

یہ درست ہے (کذا فی الشامیۃ) اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تاریخ غروب آفتاب سے بدل جاتی ہے پس اگر ایک مسکین کو دو حصون کا غلہ یا قیمت دینا ہو اور ایک حصہ دن مین دیدیا اور ایک حصہ بعد غروب آفتاب کے تو یون سمجھا جاویگا کہ دو تاریخون مین دیا اور کافی ہو جاویگا اور اگر ایک حصہ غروب آفتاب کے بعد دیا اور دوسرا حصہ اُس شب کے بعد دن مین دیدیا تو یون سمجھا جاویگا کہ ایک ہی تاریخ مین دونون حصہ دیئے اس لیے ایک ہی حصہ ادا ہوگا بعضے بیخبری سے ایک حصہ دو مسکینون مین آدھا آدھا تقسیم کردیتے ہین اور صدقہ فطر پر قیاس کرتے ہین سو جان لینا چاہیے کہ وہ حصہ ادا نہوگا (کذا فی الشامیۃ عن الجوہرۃ)

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بیخبری کے زمانہ مین جو کوتاہیان ہوگیئن اُنکو بلا تدارک معاف سمجھ جاتے ہین یا صرف توبہ کو موجب تدارک سمجھتے ہین سو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ بدون ادا کیئے ہوئے ساقط نہوگا حتی کہ موت سے بھی ساقط نہین ہوتا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی)

پس اس بنا پر جب ان کوتاہیون کی اطلاع ہو اُن کا تدارک کرے اور جسقدر تاخیر کریگا گنہگار ہوگا (کذا فی الشامیۃ عن القہستانی ایضا) اور اگر قبل تدارک کے موت آجاوے تو مرنیکے وقت اُسکے متعلق وصیت کرے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے کئی کئی قسمون کے بعد ایک کفارہ کو کافی سمجھ لیتے ہین حالانکہ ہر قسم کا جدا کفارہ ہے بلکہ شیخین کے نزدیک متعدد یمین مین یہ تعدد کفارہ کا ایسا قوی ہے کہ ایک تاریخ مین ایک مسکین کو دو قسمونکی طرف سے دو حصہ دینا بھی درست نہین وہ ایک ہی حصہ سمجھا جاویگا (کذا فی الشامیۃ عن کافی الحاکم) پس اس بنا پر اگر دو قسمین اُسکی ٹوٹی ہون تو اگر ایک تاریخ مین دونون کفارے ادا کرنا چاہے تو ایک کفارہ کے لئے جدا دس مسکین تجویز کرے اور دوسرے کفارہ کے لیئے جدا دس مسکین اور اگر بیس مسکینون سے کم کو زیادہ نفع پہونچانا چاہے تو تاریخین متفرق کردے جیسا کہ اوپر بیان ہوا بعضے یہ کوتاہی کرتے ہین کہ کفارہ یمین کا دامون سے حساب کرکے یا حساب کرکے کسی مدرسہ اسلامیہ مین اہل مدرسہ کو سپرد کردیتے ہین اور اطلاع نہین کرتے کہ یہ کفارہ یمین کا ہے جب ان لوگون کو اسکی خبر ہی نہو تو وہ کسی طرح رعایت اُسکے احکام کی نہین کرسکتے اور اس لیے نہین کرتے اور اس صورت مین وہ کفارہ ادا نہین ہوتا اور حق واجب اُس شخص کے ذمہ رہتا ہے تو دیا بھی اور ادا نہوا اس لیے نہایت ضروری ہے کہ اہل مدرسہ کو تصریحا اسکی اطلاع دیدیا کرین۔

بعضے یہ کوتاہی کرتے ہین کہ کسی انجمن وغیرہ مین ایسے کارکن کے سپرد کرتے ہین جو بیچارہ خود ہی ان احکام سے بیخبر ہے یا اگر باخبر ہے تو قلت تدین کے سبب اُسپر وثوق نہین کہ وہ ان احکام کی رعایت کریگا اور اس لیے

وہ شخص خواہ بے علمی سے یا قلت مبالاۃ یعنی بے پروائی سے اپنی رائے یا خواہش کے موافق اُس قِسم یا جنس کو صرف کرتا ہی اور اس دینے والیکا کفارہ ادا نہین ہوتا اور خود یہ کارکن بھی وبال مین مبتلا ہوتا ہے اس لیے بیحد ضروری ہے کہ ایسے جاہل یا بیباک آدمی کو ہرگز ایسی چیز سپرد نہ کرین بلکہ جہان ایسا احتمال ہو اور اُسکے ساتھ ہی مدرسہ یا انجمن مین پہونچانا بھی ہو تو اُسکی بہتر صورت یہ ہے کہ خود وہان جاکر مستحقین طلبا یا یتامی کو جو کہ مصارف زکوۃ ہون تحقیق و انتخاب کرکے اپنے ہاتھ سے حسب احکام شرعیہ تقسیم کر دے اور مدرسہ یا انجمن کے حساب مین جمع کرا دے تاکہ وہ اپنی اعانت کے وقت اُسکو محسوب کرسکین اور اس طور پر مدرسہ و انجمن کو مدد پہونچ جاوے۔

بعضے عوام ایک عجیب کوتاہی مین مبتلا ہین کہ کسی کے مجبور کرنے پر اگر قسم توڑ دین تو اپنے اوپر کفارہ واجب نہین سمجھتے یا اُس جابر کے اس کہنے پر کہ میری ذمہ گناہ رہا یا مین کفارہ دیدونگا اپنے کو سبکدوش سمجھتے ہین یا اُسکے روزہ رکھدینے کو کافی سمجھتے ہین سو یہ سب غلطیان ہین جو قسم توڑیگا اُسپر کفارہ واجب ہوگا پھر اگر یہ حانث کفارہ مالیہ پر قادر نہین تو خود ہی اسکو تین روزے رکھنے پڑینگے اور اگر قادر ہی تو واجب اسی کے ذمہ ہوگا اُس جابر کے کہنے سے بیفکر ہونا درست نہین بلکہ اگر اُس جابر نے ادا بھی کیا لیکن اس حانث نے نہ کہا تھا جب بھی ادا نہین ہوا البتہ اگر اس حانث نے اُسکو وکیل بنا دیا اور اُسنے ادا کر دیا صرف اس صورت خاصہ مین ادا ہو جاویگا پس عوام کا تمامتر اس تفصیل سے غض بصر کرنا بڑی بھاری غلطی ہی ہذا ما حضرنی الآن ولعل عند غیری احسن من ذلک البیان

تسہیل مضمون مذکور بہ رعایت تفہیم جمہور

احقر اشرف علی تھانوی عفی عنہ عرض کرتا ہے کہ میری مضامین مندرجہ رسالہ ہذا کی نسبت بعض ناظرین نے تقریراً و تحریراً عام لوگون کے سمجھ مین نہ آنے کی بعض اوقات شکایت ظاہر کی بعد مکرر سماع کے مجھکو بھی کسی کسی وقت اسکی تلافی کا خیال ہوتا تھا یہ تو مجھ سے ہو نہ سکا اور نہ مناسب بھی معلوم ہوا کہ مضمون کے لکھنے کا طرز بدل دون کہ اسمین تکلف بھی زائد تھا اور اہل علم کو بھی اُس سے اُنس رہتا یہ سہل اور مصلحت معلوم ہو کہ اول اپنے طرز سابق مین بیساختہ مضمون لکھ لیا جایا کرے پھر اگر کسی حصہ یا پورے مضمون مین ضرورت ہوئی تو اُسی کی عبارت کو دوسرے عنوان سے خوب سلیس کر دیا جایا کرے اس تجویز کے شروع ہونے مین بھی اتفاق سے دیر ہوتی رہی مگر آج اسکے نفاذ اور آغاز کا بتوفیقہ تعالی وقت آگیا چنانچہ مضمون کفارہ مالیہ مین مذکور بالا کو سہل عبارت مین اعادہ کرتا ہون اور سہولت ہی کے لیے معلوم

ہوتا ہی کہ مضمون کو مسلسل نہ رکھا جاویگا بلکہ اُسکے چھوٹے چھوٹے جُدا جُدا ٹکڑے کر دیئے جایا
کرینگے بعنوان مسئلہ مسئلہ یا اور جو عنوان
مضمون کے مناسب ہو۔

اعادہ بغرض تسہیل بعنوان مسائل

مسئلہ جس شخص کی قسم ٹوٹ جاوی یا وہ توڑ دے تو ہر شخص کو کفارہ مین تین روزہ رکھ لینا کافی نہین بلکہ جسکے
پاس ضروری گذر سے زائد اتنی گنجائش ہو کہ وہ دس مسکینون کو دو وقت پیٹ بھر متوسط معمولی کھانا کھلا سکے یا
دس مسکینون کو فی مسکین اتنا اناج دی سکے جتنا عید کے دن صدقہ فطر مین دیا جاتا ہی یا دس مسکینون کو فی مسکین
معمولی قیمت کا ایک جوڑا مثلاً کرتہ پائجامہ یا چادر لنگی یا کرتہ لنگی یا چادر پائجامہ دی سکے تو اُس کا اُس وقت ادا
ہوگا جب اسطرح سے دس مسکینون کو کھانا یا کپڑا یا ان کے دام دے اور ضروری گذر کا مطلب یہ ہے کہ رہنے کا
گھر پہننے کا کپڑا اور ایک دن کا کھانا اگرچہ غریب ہی ہو اور زکوۃ اسپر واجب نہو اور جسکے پاس اتنی بھی گنجائش
نہو اُس کا کفارہ البتہ تین روزہ پیاپے رکھنے سے ادا ہوجاویگا اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ بہت کم
لوگ ایسی ہین جن کا کفارہ روزے سے ادا ہوتا ہو کیونکہ اتنی گنجائش والے تو کثرت سے ہین۔
مسئلہ۔ یہ گنجائش ہونا یا نہونا اُس وقت دیکھا جاویگا جب کفارہ ادا کرنیکا قصد ہو قسم ٹوٹنے کے وقت نہ
دیکھا جاویگا سو اگر قسم توڑنے کے وقت گنجائش نہ تھی اور ادا کرنے کے وقت گنجائش ہوگئی تو دس
مسکینون کو بطریق مذکور کھانا یا غلہ یا کپڑا یا دام دینا ہوگا اور اگر قسم توڑنے کے وقت گنجائش تھی پھر ادا
کے وقت گنجائش نہ رہی تو روزے سے کفارہ ادا ہوجاویگا۔
مسئلہ ہر مسکین کو دینا کفارہ مین درست نہین بلکہ وہ مسکین ایسا ہو کہ سید اور بنی ہاشم مین سے نہو اور اُس دینے
والیکا باپ دادا۔ نانا۔ ماں دادی نانی بیٹا پوتا بیٹی پوتی نواسا نواسی اور میاں بی بی نہو البتہ بیٹے کی
بی بی کو یا داماد کو دینا درست ہے۔ مسئلہ ایک مسکین کو ایک تاریخ مین دو تین حصہ دینا درست نہین
اگر ایک ہی مسکین کے ساتھ زیادہ احسان کرنا منظور ہو تو اُس کو ہر روز ایک حصہ دیدیا کرے اور تاریخ شریعت
مین دن چھپنے سے شروع ہو کر اگلے دن کے چھپنے پر ختم ہوتی ہے۔ مسئلہ اگر غلطی سے کوئی کفارہ ادا
نہوا ہو تو توبہ کافی نہین بلکہ پھر یاد کرکے ادا کرنا چاہیئے اور بلا عذر دیر کرنے سے گناہ ہوگا۔ مسئلہ اگر کفارہ
ادا نہ کرنے پایا تھا کہ موت آگئی تو اُس کے ذمہ واجب ہے کہ وارثون کو وصیت کرے کہ وہ اُسکے ترکہ سے اُس کو

ادا کرین اور وارثون پر اُس کا ادا کرنا اس شرط سے واجب ہے کہ وہ اس میت کے ترکہ کے تہائی حصہ سے نکل سکے مثلاً اُس کے ذمہ چار قسمون کا کفارہ واجب تھا اور وہ پانچ روپیہ کے غلّے سے ادا ہو سکتا ہے اور میت کا ترکہ اتنا ہے کہ اُسکی تجہیز و تکفین کرکے اور قرضہ مہر وغیرہ دیکے پندرہ روپیہ یا زائد بچتے ہین تو اس صورت مین اُسکی وصیت کا پورا کرنا اُن کے ذمہ واجب ہوگا اور جو مثلاً ساڑھے سات روپیہ بچتے ہین تو صرف دو کفارون کا ادا کرنا اڑھائی روپیہ سے واجب ہوگا اور اگر مثلاً تین ہی روپیہ بچتے ہین تو ایک کفارہ کا بھی ادا کرنا واجب نہوگا اسی طرح نرخ کے اختلاف سے کفارہ کی قیمت کی کمی بیشی کا حساب دیکھ لیا جاوے البتہ ایسی صورت مین اگر کوئی وارث بالغ اپنے حصہ ترکہ سے یا اپنی سرمایہ سے ادا کردے تو بڑا ثواب ہے لیکن وارث کے روزہ رکھنے سے کفارہ ادا نہوگا یا اگر میت کے پاس نقد نہ ہو لیکن غلہ یا کپڑا اسلا ہوا یا بے سلا تہائی ترکہ کے اندر اتنا ہو کہ وہ دس مسکینون کو فی مسکین بقدر صدقہ فطر یا ایک جوڑہ تقسیم ہو سکے تب بھی کفارہ دینے کی وصیت کو پورا کرنا واجب ہے ۔ مسئلہ اگر دو قسمین ٹوٹین تو دو کفارہ دینا واجب ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رح کے نزدیک اگر ایک تاریخ مین ایک مسکین کو دونون کفارون کا ایک ایک حصہ دینا چاہے تو درست نہین اگر ایسا کیا تو ایک ہی حصہ ادا ہوگا دوسرا اسکے ذمہ رہیگا جیسا ایک قسم کے کفارہ کے دو حصے ایک مسکین کو ایک تاریخ مین دینا درست نہین البتہ اگر تاریخ بدلجاوے تو درست ہے مسئلہ کفارہ کی رقم یا جنس یا کپڑا جبتک کسی خاص مسکین کی ملک نہ کیا جاویگا اُس وقت تک وہ کفارہ ادا نہوگا خواہ اپنے ہاتھ سے کسی کو مالک کردے یا دوسرے شخص کے سپرد کردے کہ وہ کسی کو مالک کردے مثلاً کسی مدرسہ کے مہتمم کو دیدیا یا کسی انجمن کے کارکن کو دیدیا اس صورت مین وہ اس کفارہ والے کا وکیل ہوجاویگا اور کفارہ محض اُسکے سپرد کرنے سے ادا نہوگا بلکہ جب وہ وکیل موافق احکام شرعیہ کے مساکین کو دیگا تب ادا ہوگا پس اگر اُس وکیل نے کوئی غلطی کی تو کفارہ دوبارہ دینا پڑیگا اس لیے ایسے شخص کو وکیل نہ بناوے جو احکام شرعیہ سے بیخبر ہو یا کہ خبردار تو ہو مگر دیندار اور احتیاط والا نہو ۔ مسئلہ اوپر کے مسئلہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ جن کارخانون مین کوئی خاص مالک نہین ہوتا گو وہان رفاہ عام کے کام ہوتے ہون وہان دینے سے ایسی رقمین جیسے کفارہ ہے زکوٰۃ ہے صدقہ فطر ہے چرم قربانی کی قیمت ہے خواہ خود مالک چرم نے فروخت کی ہو خواہ اسکے وکیل نے اور بھی جن جن رقمون مین تملیک خاص شرط ہے ادا نہین ہوتین پس جنھون نے چندہ حجاز ریلوے مین ایسی رقمین دی ہون اُن کو چاہیے کہ دوبارہ پھر موافق شریعت کے ادا کرین مسئلہ اگر قسم توڑنے والے کی طرف سے دوسرا شخص کفارہ ادا کرنا چاہے تو اگر کفارہ مین اُس دوسرے نے روزے رکھے تب تو کفارہ ادا نہوگا اور اگر دس مسکینون کو موافق مسائل مذکورہ بالا کھانا یا کپڑا یا غلہ یا دام دیے تو اگر کفارہ والے نے اجازت نہین دی

تھی توبھی کفارہ ادا نہ ہوگا اور اگر نصرنےگا اجازت دیدی ہو توادا ہوجاویگا فقط (باقی اجزاء مضمون کے آسامین ہین محتاج تسہیل نہین)

ایفاء نذر مالی

منجملہ طاعات ملحقہ بالزکوۃ کے نذر مالی کا ایفاء ہے اسمین بھی مثل دیگر طاعات کے چند کوتاہیان واقع ہوتی ہین۔

ایک کوتاہی تو یہی ہے کہ بعضے لوگ شوق شوق مین نذر تو کرلیتے ہین مگر اس کا ایفاء نہین کرتے یا تو یاد نہین رکھتے یا یہ سمجھکر کہ اب تو کام نکل گیا بے پروائی و سستی کرتے ہین یا اس کامیابی کا اگر ایفاء نہوا تو عدم بقاء کو مثل عدم حدوث کے قرار دیکر ایفاء کو واجب نہین سمجھتے مثلاً کسی نے نذر کی کہ اللہ تعالی فلان مریض کو شفا دیدے تو دس روپیہ خیرات کردونگا اور وہ تندرست ہوگیا مگر نذر پورا کرنے سے پہلے پھر بیمار ہوگیا تو یہ گمان غلط ہوگا کہ اب نذر پورا کرنا ضروری نہین رہا کیونکہ معلق تندرست ہونے پر کیا تھا نہ کہ عمر بھر تندرست رہنے پر جب معلق بہ پایا گیا ایفاء عہ نذر واجب ہوگا علاج ان کوتاہیون کا مسائل کا معلوم کرنا اور جزای معصیت کو پیش نظر رکھنا ہے تاکہ نہ غلطی ہو اور نہ بے پروائی۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے نذر غیر اللہ کی کرتے ہین بعض تو کھلم کھلا کہ اے فلان بزرگ اگر ہمارا کام ہوگیا تو آپکے نام کا کھانا کرینگے یا آپکی قبر پر غلاف چڑھاوینگے یا آپکی قبر پختہ بناونگے یہ تو بالکل شرک جلی ہے کیونکہ نذر بھی عبادت کی ایک قسم ہے (رد المحتار عن الاشباہ اول احکام النذر و قبیل باب الاعتکاف) عبادت مین کسی کو شریک کرنا صریح شرک ہے اس کا علاج توبہ اور عقیدہ کی درستی ہے اور وہ نذر بھی منعقد نہین ہوتی اُس کو پورا نہ کرے اور اگر انتساب بغیر اللہ سے قطع نظر کرکے بھی وہ غیر مشروع ہو تو اُس کا مضاعف وبال ہے جیسا قبر پر غلاف چڑھانا یا قبر پختہ بنانا کہ خود بھی غیر مشروع ہے اور غیر اللہ کے تقرب کا ذریعہ بنانا یہ دوسری معصیت ہے اور ایسا کھانا ما اہل بہ لغیر اللہ مین داخل ہونیکے سبب مباح التناول بھی نہین اور ایسا غلاف دوسرے سبب سے بھی کسی کے لیے جائز الاستعمال نہین جیسا بعض مجاورین اُسمین تصرف درست سمجھتے ہین اور وہ دوسرا سبب مالک کا اُس کے لیے اذن

عہ قلت و مافی القنیۃ ان ذہبت ہذہ العلۃ فعلی کذا فذہبت ثم عادت لایلزمہ الشیٔ اھ - لاینطبق علی القواعد الا بتاویل و ہو ان المراد بقولہ ذہبت ذہابہا ظاہرًا لا حقیقۃ کما یدل علیہ قولہ عادت لان حدوث مثلہا بعد ذہابہا حقیقۃ لیس بعود لہا بل یحیٔ علۃ اخری فان زیدًا اذا ذہب ثم جاء عمرو یقال ان زیدًا عاد مع کون زید و عمرو متماثلین فی النوع فافہم و راجع الکتب و المحققین ۱۲ منہ

عہ انظر مافی الدر المختار قبیل باب الاعتکاف ۱۲ منہ عہ کما فی رد المحتار قبیل باب الاعتکاف واخذہ ایضًا مکروہ مالم یقصد الناذر التقرب الی اللہ تعالی و صرفہ الی الفقراء و یقطع النظر عن نذر الشیخ بحر ملخصا عن شرح العلامۃ قاسم ۱۲ منہ

نہونا ہی کیونکہ اسکی نیت صرف قبر پوشی کی ہی نہ کہ مجاور کے گھر لیجانیکی البتہ اگر ناذر لوتہ کرلے تو پھر وہ کھانا مجاور کیلئے اور وہ غلاف مالک کے اذن سے کھالینا اور استعمال کرلینا حلال ہے اور اگر کوئی جالور تھا جو اُسی نیت پر ذبح ہوچکا تواب توبہ سے بھی وہ حلال نہوگا اسی طرح ایسی قبر کی اینٹین لیجانا غیر مالک کے لیئے حلال نہین البتہ مالک کو اختیار ہی کہ قبر سے اُکھاڑ کر جو چاہے کرے۔

یہ بے احتیاطی بعض اتقیا سے ہوتی ہے کہ پختہ قبر کو منہدم کردینے کو ثواب سمجھتے ہین اور یہان تک تو ٹھیک سمجھے مگر آگے یہ بھی گمان کرلیتے ہین کہ بعد انہدام کے ان اینٹون کو کسی اچھی جگہہ لگا دیا جاوے سو یہ غلطی ہے اسیطرح قبرون پر جو مورچھل یا جاروب وغیرہ رکھی رہتی ہین یا پھول چڑھے ہوتے ہین ان کا استعمال کرنا کسی کو جائز نہین گوان کا چڑھانا گناہ ہو اور بعضے لفظاً تو اللہ ہی کے لیئے نذر کرتے ہین لیکن اُسکے تحت مین شرک مدفون ہوتا ہی کہ ذرا التفات و تامل سے کام لیا جاوے تو اُس کا ادراک ہوتا ہے مثلاً نذر کی کہ اے اللہ اگر میرا فلان کام ہوجاوے تو آپکے نام کی ایک دیگ کھانیکی پکوا کر کھلا کر بڑے پیر صاحب کو ثواب بخشونگا اور یہ نہایت ہی احتیاط کا صیغہ سمجھا جاتا ہے تو یہ ظاہر مین تو نذر اللہ کے لئے ہے لیکن یہ یقینی ہی کہ یہ لوگ اُس مقصد مین ضرور اُن بزرگ کو کسی قدر معین اور دخیل اور متصرف سمجھتے ہین چنانچہ اگر اُن سے کہا جاوے کہ ان بزرگ کو دوسرے وقت ثواب پہونچا دینا اس وقت اسکو منضم مت کرو خالی نفع مساکین کی نیت رکھو تو اُن کے دل مین ضرور یہ خطرہ قریب مرتبہ اعتقاد کے گذریگا کہ اسکے منضم نکرنے سے اس نذر مین اثر ضعیف ہوجاویگا جس کا سبب ان بزرگ سے روحانی امداد کا پہونچنا ہے پس ہر مسلمان اس کو غور کرکے دیکھ لے کہ یہ خلاف توحید ہی یا نہین اور اس کا ایک امتحان یہ ہے کہ اگر وہ کام ہوجانیکے بعد اس ناذر سے کہا جاوے کہ صرف اللہ تعالیٰ کے نام مساکین کو دیدو اور کسی کو ثواب مت پہونچاؤ یا جن کے ثواب پہونچانیکی نیت کی ہی ان کو نہ پہونچاؤ اور کسی بزرگ کو بخشدو کیونکہ نذر مین ایسی تخصیصات شرعاً لازم و معتبر نہین ہوتین (جیسا آگے آتا بھی ہے) تو اُس وقت ان نذر کرنیوالونکی حالت دیکھنے کے قابل ہی کہ اسکو گوارا کرسکتے ہین یا نہین اگر گوارا نہ کیا تو سمجھ لیجیے کہ اعتقاد مین خلل ہے اس کا علاج بجز اسکے کچھ نہین کہ اگر عقیدہ مین بھی فساد محسوس نہو تب بھی حاجت کے لیئے نذر کرنے کے وقت ہرگز کسی بزرگ کے ایصال ثواب کو منضم نہ کیا کرین اُن کو دوسرے وقت بلا نذر ثواب بخشدیا کرین۔

ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے لوگ نذر کے مصرف مین اغنیا و غیر مستحقین کو بھی شامل سمجھتے ہین چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ قبول کی ہوئی شیرینی مسجد مین لاکر سب نمازیون کو تقسیم کرتے ہین جن مین اغنیا اور ناذر کے اصول یا فروع

بھی ہوتے ہین جن کو دینے سے نذر ادا نہین ہوتی (ردالمختار قبیل باب الاعتکاف) بلکہ جسقدر ان لوگون کے حصہ مین آیا ہی اُسیقدر دوبارہ مساکین کو دینا واجب ہوگا البتہ اگر نذر ہی کرنے کے وقت یہ کہدیا کہ مین اغنیا (وغیرہم کو بھی دونگا تو اُن کے حصہ کے قدر مین نذر ہی منعقد نہین ہوئی (درمختار عن القنیۃ) یہان سے مانی ہوئی گیارھوین کی شیرینی کے حصے خوش حال دوستون کے گھر بھیجنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا ہوگا اور خود اس گیارھوین کی تحقیقات کا بدعت ہونا یا بنیت عوام کا شرک جلی یا خفی ہونا یہ مستقل بحث ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے لوگ نذر کی تمامتر تخصیصات کو واجب و لازم سمجھتے ہین مثلاً نذر کی کہ دو روپیہ کی مٹھائی دونگا یا کہ مسجد مین بھیجونگا یا کہ اتنی رقم مکہ معظمہ بھجواؤنگا یا رمضان مین خیرات کرونگا تو اسکا اہتمام کرنا کہ مٹھائی ہو اور مسجد مین جاوے یا مکہ معظمہ ہی بھیجے یا رمضان کا انتظار کرے ضروری نہین بعض اوقات بعض تخصیصات کی ایفاء پر قدرت نہونے سے اصل نذر ہی ادا ہو نسیپ رہجاتی ہی مثلاً مکہ لیجانیوالا کوئی نہ ملا اور یہان ادا نہ کی اسی مین موت آگئی تو گنہگار مرا یا اگر ایفاء تخصیصات پر قدرت بھی ہوئی لیکن کسیوجہ سے دوسرا مصرف یا دوسری صورت افضل ہو تو ملتزم تخصیص اس فضیلت سے محروم رہتا ہی مثلاً اکثر اوقات مسجد مین مٹھائی بانٹنے والون سے یہ افضل ہی کہ گھر بیٹھنے والے محتاجون کو دو روپیہ نقد یا اُس کا غلہ دیدیا جاوے تو ایسے التزام مالایلزم مین کیون مبتلا ہو البتہ جو نذر معلق ہو اُسمین قبل وجود شرط ادا صحیح نہین بس اتنی تخصیص شرعاً معتبر ہی اور دوسری تخصیصات نذر معلق مین بھی معتبر نہین (درمختار) یہان سے زنان عوام کی اس تخصیص کا حکم بھی معلوم ہوگیا ہوگا کہ فلان کام ہوجاوے تو مسجد کا طاق بھرونگی سو یہ قید بھی شرعاً معتبر نہین البتہ اگر کوئی نذر کرے کہ ایکسال قربانی کرونگا یہان تخصیص ایام نحر کی ہوجاوے گی (ردالمختار) اسوجہ سے کہ زمان مقصود بلکہ اس لئے کہ جو ایام نحر مین نہو وہ قربانی ہی نہین جو کہ مقصود ہی اور جو صدقہ مکہ مین نہو وہ بھی صدقہ ہی ہی اور صدقہ ہی مقصود ہی یہ فرق ہی دونون تخصیصون مین۔

ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے لوگ یہ نہین دیکھتے کہ ہم جس فعل کی نذر کررہے ہین وہ شرعاً جائز ہی یا ناجائز اور اسی لیے بعض معاصی کی نذر کرتے ہین مثلاً قبرون پر غلاف چڑھانا عرسون مین جانا یا بطریق بدعت مولود شریف کرانا سو ظاہر ہے کہ یہ نذر خود معصیت ہے اور اس کا ایفاء جائز نہین بلکہ توبہ واجب ہے علاج اس کا علم دین ان ابواب مین حاصل کرنا اور اہل حق کی صحبت اختیار کرنا ہے البتہ اگر نذر ہو طاعت

ے کما فی ردالمحتار قبیل باب الاعتکاف وافتح منہ النذر لقرأۃ المولد فی المقابر مع اشتمالہ علی الغناء واللعب وایہاب ثواب ذلک الی حضرۃ المصطفی

کی اور معلق کیا ہو اُس کو معصیت کے ساتھ وہ نذر منعقد ہوجاتی ہے پھر اگر وہ معصیت سرزد ہوجاوے تو اگر مقصود اُس قائل کا اس تعلیق سے اس معصیت کے ترک کا عہد ہے تب تو خواہ نذر پوری کرے یا کفارہ یمین دے اور اگر مقصود اس معصیت کی تحصیل پر اظہار مسرت ہے یعنی وہ معصیت اُسکو مرغوب ہے تو اُس نذر کا ایفاء اُسپر واجب ہے (درمختار و ردمختار) اور اگر وہ فعل جائز بھی ہو مگر قربت مقصودہ نہو مثلاً وضو تب بھی گو جواز اصلی کی وجہ سے اُس فعل کا کرنا جائز ہے مگر نذر منعقد نہو گی اور وہ واجب نہو گا یہان سے حکم معلوم ہو گیا ہو گا مولد بطریق مشروع کی نذر کا کہ اُس کا ایفاء واجب نہین ہو گا۔ ایک کوتاہی علمی یہ ہے کہ بعض دفعہ جوش مین اسقدر مال کثیر کی نذر کر لیتا ہے جو اسکی ملک مین نہین اور پھر اُس کا پورا کرنا دشوار ہوتا ہے یا ملک غیر مین نذر کر لیتا ہے پھر یا تو ایسے امر مین کوتاہی کرتا ہے جسکو واجب سمجھتا ہے اور یا ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور پریشان ہوتا ہے اور تمام محاصل اور مکاسب اُس کے نذر کرتا ہے اور دوسرے حقوق واجبہ تلف کرتا ہے حالانکہ جو چیز ملک مین نہو اُسکے ساتھ نذر متعلق نہین ہوتی مثلاً کسی نے ایکہزار روپیہ دینے کی نذر کی اور نذر کے وقت اُسکی ملک مین کل سو روپیہ ہین جبکہ نذر مطلق ہو اور اگر معلق ہو تو وجود شرط کے وقت (کمافی ردالمختار) سو روپیہ یا اتنے کا سامان ہو تو اس شخص پر ہزار روپیہ واجب نہونگے (درمختار و ردالمختار) اور اگر ہزار روپیہ نقد نہون لیکن اتنا سامان موجود ہو تو اُسکو بیچکر دینا واجب ہوگا (ردالمختار) لیکن اگر سب دے ڈالنے مین تکلیف ہو تو بقدر کفاف کے رکھکر بقیہ دیدے پھر جب گنجائش ہو جتنا پہلے حاجت کی وجہ سے رکھ لیا اُتنا پھر دیدے (ردالمختار) اسی طرح اگر نذر کرے کہ فلان شخص سے گائے خرید کر اللہ واسطے ذبح کردونگا یہ نذر بھی منعقد نہین ہوتی (درمختار) البتہ اضافۃ الی سبب الملک حکم ملک مین ہے مثلاً یہ نذر کی کہ اگر فلانی گائے خریدون تو اسکی ذبح للتصدق کی نذر کرتا ہون تو گو وہ اسوقت ملک مین نہین لیکن اسی طور سے نذر منعقد ہوجاویگی اور بعد اشترا اُس نذر کا ایفاء واجب ہوگا (درمختار) اور ملک غیر مین نذر کرنے کی ایک فرع یہ بھی ہے کہ کسی یتیم کے تندرست ہونے پر نذر کرتے ہین کہ اسی کے روپیہ سے اتنے مساکین کو کھانا کھلاوینگے یہ نذر بھی باطل ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ جسطرح صورت بالا مین نذر مالی اسقدر کر لی تھی جو ملک مین نہ تھی اسی طرح بعضے ایسے عبادت بدنیہ کی نذر کر لیتے ہین جو انکی طاقت سے خارج ہوتی ہے مثلاً یہ نذر کر لی کہ عمر بھر روزے رکھا کرونگا یا نماز بسیت ہر سال حج کرون گا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خفیف خفیف نذرین بہت سی جمع ہونے سے وہ ثقیل ہوگئی مثلاً کئی بار مین دس دس روزون کی نذر کی مگر ادا مین سُستی کرنے سے وہ جمع ہوکر ایک ہزار روزے

ہو گئے جو تین سال مین جبکہ بلاناغہ رکھے جاوین پورے ہو سکتے ہین جس کا موقع بظاہر ملنا نہایت ہی بعید ہے پھر اسکے بعد ناواقفی سے یہہ کوتاہی ہوتی ہے کہ اسمین سے جتنا جی چاہا پورا کر دیا بقیہ کا کوئی تدارک نہین کیا جاتا سو سمجھ لینا چاہیئے کہ اولاً ایسی نذر نہ کرے اور اگر ہو جاوے تو اُس کو پورا کرے اور اگر پورا ہونے سے رہ جاوے اُسکا بدل کرے اور اگر موت آجاوے تو اپنے ترکہ مین اُسکے متعلق وصیت کرے مثلاً عمر بھر کے روزے رکھنے کی نذر کر لی تو جتنے روزے نہ رکھ سکے اُن کا فدیہ دے (در مختار) اور جو مرنے کے وقت رہ جاوین فدیہ کی وصیت کرے (در مختار) ورد المحتار قبیل باب الاعتکاف) یا تیس[۳۰] حج کی نذر کر لی اور نہ کر سکا تو وصیت کر جاوے (رد المحتار)

حل شبہ ایک حدیث مین ارشاد ہے کہ نذر مت کرو کہ نذر سے تقدیر نہین ٹلتی البتہ اسکے ذریعہ سے بخیل کے پاس سے کچھ (نیک کام مین) نکل آتا ہے (جو بلا نذر اُس نیک کام مین خرچ نہ کرتا اھ (بالحاصل) اس سے شبہ یہہ ہوتا ہے کہ اوپر نذر کا عبادت ہونا ثابت ہو چکا ہے اور عبادت مامور بہ ہوتی ہے گو درجۂ ندب ہی مین ہو اور اس حدیث سے اُس کا منہی عنہ ہونا ثابت ہوتا ہے گو درجۂ کراہت ہی مین ہو پس ان مین جمع ہونیکی کیا صورت ہے جواب یہہ ہے کہ نذر خود عبادت مقصودہ نہین بلکہ اُس کا عبادت ہونا اسلیئے ہے کہ وہ دوسری عبادات مقصودہ سے متلبس و متعلق اور اُن کا ذریعہ اور سبب ہے فی رد المحتار احکام الیمین والنذر اما کونہ قربۃ فلما یلازمہ من القرب کالصلاۃ والصوم والحج والعتق ونحوھا اور ان عبادات مقصودہ کے عمل مین لانے کی دو صورتین ہو سکتی ہین ایک بدون نذر کے اور دوسری بعد نذر کے اور اول صورت افضل ہے دوسری سے اور مقبول بمقابلہ فاضل و افضل کے اولے بالترک ہوتا ہے پس نہی عن النذر اس درجہ مین ہے تو یہہ منافی نہین ہے اُسکے مامور بہ فی درجۃ التوسل بہ الے الطاعات المقصودۃ ہونے کے اس حدیث مین یہ تو عمل کی اصلاح ہے اور ایک عقیدہ کی اصلاح ہے کہ عوام کی طرح یون نہ سمجھو کہ نذر کرنے کو اس کارروائی مین کچھ خاص دخل اور اثر درجۂ مزعومہ عوام کا ہے اور اگر نذر نہوتی تو یہہ کام نہوتا کام تو ہر حال مین اسی طرح ہوتا جس طرح مقدر تھا اسمین کوئی تبدیل نہین ہوئی بلکہ اور اسباب طبعیہ یا دُعا جن کا اثر مشاہدہ و سمع سے ثابت ہے نذر مین اُتنا اثر بھی ہونے کے لیئے دلیل کی حاجت ہے اور ظاہرا یہہ حدیث بھی اُسکی نفی کر رہی ہے ورنہ نہی نہوتی بلکہ مثل دوا و دعا اسکی ترغیب ہوتی اور اسمین بھی مثل اُنکے تبدیل قدر کے شبہ کے جواب مین یہ ارشاد ہوتا وذالک من القدر مقصود حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ نذر کے دباؤ سے خیر کرنا بخل ہے بلا نذر خیر کرنا زیادہ بہتر ہے اھ اور اگر شکریہ کارروائی مین کوئی خیر کرنے کی نیت ہو تو زبان سے کہنے کی کیا ضرورت ہے لیکن

رکھے اور موقع پر عمل کرے نیت کرنے سے نذر بھی نہین ہوتی لانہ مما یتعلق بالقول کما فی الدر المختار اور اصل مقصود بھی حاصل ہوجاتا ہے شارع کا بھی کہ نفس عبادت ہے اور اس عامل کا بھی کہ اقتران انجاح حاجت وقصد طاعت ہے واللہ اعلم ؎

تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور

بعنوان مسائل

مسئلہ شرعی منت کا ادا کرنا فرض ہے مسئلہ اگر منت مانی کہ تندرست ہوجاؤن تو اتنا خیرات کرون پھر بالکل تندرست ہوگیا اور اتفاق سے پھر بیمار ہوگیا تو پہلی منت اسکے ذمہ رہے گی ادا کرنا ضروری ہے۔ مسئلہ خدا کے سوا کسی کی منت ماننا جائز نہین جیسا بعض عوام کا طریقہ ہے کہ بزرگون سے عرض کرتے ہین کہ ہمارا فلان کام ہوجائے تو آپکے نام کی دیگ کرینگے مسئلہ اور اگر صورت مذکورہ مین خود وہ فعل بھی ناجائز ہو تو دو گناہ ہوئے ایک غیر اللہ کی منت دوسرے معصیت کی منت مسئلہ ایسی منت کی چیز استعمال مین لانا نہ چاہیئے مسئلہ البتہ اگر نذر کرنے والا توبہ کرلے تو وہ چیز درست ہوجاوے گی مسئلہ لیکن اگر اُسی نیت پر جانور ذبح ہوچکا تو اب توبہ سے کچھ نہوگا مسئلہ اگر نیت اللہ کے واسطے ہو تب بھی منت مین کسی کے ایصال ثواب کو ملا دینا خلاف احتیاط ہے عوام کو یہ خیال ہوہی جاتا ہے کہ ان بزرگ کا نام لگا دینے سے کچھ سہارا اُن بزرگ کیطرف سے بھی لگیگا مسئلہ منت کی چیز خوش حال لوگون کو یا بنی ہاشم کو جن مین سید بھی داخل ہین یا اپنے مان باپ دادا دادی نانا نانی یا بیٹے بیٹی نواسا نواسی پوتا پوتی کو دینا درست نہین اگر اسا کیا تو جتنا اُن کو دیا ہے اُتنا پھر محتاجون کو دینا پڑے گا اگر مسجد مین بانٹے تو خوش حال لوگون کو نہ دے مسئلہ منت ماننے مین کسی کھانے کی یا مسجد کی یا مکہ کی تخصیص لازم نہین ہے پس اگر مٹھائی یا کھانے کی منت مانی تو روپے پیسے کپڑے دینا بھی درست ہے دامون مین دونون چیزین برابر ہون اسیطرح بجائے مسجد مین بانٹنے کے گھرون مین دے دینا بھی درست ہے اسی طرح بجائے مکہ معظمہ کے ہندوستان کے حاجتمندون کو بھی دیدینا درست ہے مسئلہ جو فعل خود یا کسی خاص طریقہ سے شرعاً درست نہو اُسکی منت ماننا درست نہین جیسے یون کہنا کہ میرا فلان کام ہوجائے تو خواجہ صاحب کے عرس مین جاؤن یا جسطرح سے اکثر جہلا و عوام مولد شریف پڑھتے ہین ایسے مولد کی نظر کرنا یہ درست نہین اور اگر ذکر نبوی صلے اللہ علیہ وسلم بطریق سنت ہو جائز ہے مگر نذر کرنیسے

وہ بھی واجب نہین ہوتا جیسا وضو کہ باوجود عبادت ہونے کے اسکی نذر منعقد نہین ہوتی مسئلہ جو چیز اپنی ملک مین نہو اسکی نذر صحیح نہین ہوتی مثلاً کسی نے منت مانی کہ اگر فلان کام ہوجائے تو ہزار روپیہ دون اور کام ہوگیا اور ہزار روپیہ اُس وقت موجود نہین نہ اتنا سامان ہے تو یہہ نذر نہین ہوئی پس اگر ایک مہینہ کے بعد ہزار روپیہ اسکو مل گئے تو اُس نذر کا پورا کرنا واجب نہوگا البتہ کام پورا ہونے کے وقت جتنے روپیہ یا جتنا سامان اسکی ملک مین ہے اُس کا دیدینا واجب ہوگا اگر نقد نہو تو سامان کا بیچڈالنا واجب ہوگا اگر سب کے بیچنے سے تکلیف اور حرج ہو تو بقدر ضرورت تھام لے پھر گنجائش ہونے کے وقت جتنا تھام لیا تھا وہ بھی بیچکر دے ڈالے مثلاً ہزار روپیہ کی منت مانی تھی مگر کام ہوجانے کے وقت پانچ سو روپیہ کا سامان موجود ہے تو وہ نذر پانچ سو روپیہ کے ساتھ متعلق ہوگی اسمین اگر سو روپیہ کا سامان اپنی ضروریات کے لئے رکھ لیا تو چارسو اب دیدے اور سو کا سامان پھر دیدے اسی طرح دوسرے کی ملک مین نذر نہین ہوتی مسئلہ نذر کرنے سے پہلے سوچ لے کہ جس عبادت کی نذر کرتا ہون مجھ سے اس کا سرانجام ہوسکیگا یا نہین کیونکہ جو نذر کریگا وہ اسکے ذمہ واجب ہوجاویگی پھر ادا کرنا مشکل ہوگا یا بھول جاویگا تو اسکے ذمہ وبال اور گناہ رہیگا اگر ہزار روزون کی نذر کرلی یا کئی نذرین جمع ہوکر ہزار روزے ہوگئے تو ان سب کا ادا کرنا واجب ہوگا اور جب طاقت نہ رہیگی فدیہ دینا پڑیگا اور جب مرنے لگیگا تو وصیت کرنا پڑیگی کہ میرے ترکہ مین سے اسقدر فدیہ ادا کردیا جاوے۔

تمت آخر مضمون نذر

(وھو جوھر نفیس لا یجوز ان یطرح)

اور یہ نہی نذر کرنے سے جو حدیث مین وارد ہے جسکی تحقیق و توجیہ اس سے پہلے مضمون مین مذکور ہوئی ہے مخصوص ہے نذر معلق کے ساتھ جیسا کہ اُس نہی کی اس تعلیل سے صاف ظاہر ہے انہ لا یرد شیئا و انما یستخرج بہ من البخیل جس کا حاصل یہ ہے انہ لم یخلص من شائبۃ العوض حیث جعل القربۃ فی مقابلۃ الشفاء و لم تسمح نفسہ بہا بدون المعلق علیہ مع ما فیہ من ایہام اعتقاد التاثیر للنذر فی حصول الشفاء اھ بخلاف نذر منجز کے کہ اسمین یہہ علت نہین فہو تبرع محض بالقربۃ للہ تعالی والزام النفس بما عساہ لا تفعلہ بدونہ فیکون قربۃ کذا فی رد المحتار ج ۱ صـ ۱۳۷

فدیہ صوم و صلوٰۃ

مثل دیگر طاعات مالیہ (مذکورہ سابقہ) اس مین بھی متعدد کوتاہیان واقع ہوتی ہین مثلاً ایک کوتاہی یہ ہے کہ باوجود اسکے کہ ان کے ذمہ بہت سی نمازین اور روزے چڑھے ہوتے ہین مگر مرنیکے وقت بھی فدیہ کی وصیت نہین کرتے حالانکہ ایسے شخص کو فدیہ کی وصیت کرنا واجب ہے (لوجوب الفدیۃ عن الصوم نصاً وعن الصلوٰۃ قیاساً) مقدار ایک روزہ اور ایک نماز کی فدیہ کے برابر صدقۂ فطر کی ہے خواہ غلہ یا قیمت یا ایک مسکین کو دو وقت کھانا کھلا دینا اور نمازین ایک دن کی پانچ فرض اور ایک وتر کل چھ ہین اسکے مقابل ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی فدیہ کے بھروسہ اپنے اوپر نمازین اور روزے چڑھاتے چلے جاتے ہین کہ ہم مالدار ہین فدیہ کی وصیت کر جاوینگے تو اس مین ایک تو بڑی بیباکی ہے کہ گویا نماز روزہ اسکے نزدیک قابل اہتمام ہی نہین خصوص مالدارون کے گویا اُس کا جرمانہ لیکر اُن کو سبکدوش کر دیا گیا ہے نعوذ باللہ من ذلک دوسرے چونکہ نمازون کا بہت عدد بڑہ جاتا ہے اور اسلئے اُس کا مجموعہ فدیہ اکثرون کی وسعت سے متجاوز ہو جاتا ہے تو اگر کل ادا کیا گیا تو وارثون کو ضرر پہونچایا گیا اور اگر کل ادا نہوا تو اسکے ذمہ بار رہا اور یہ دونون امر غیر مشروع ہین اور اسی فدیہ کے بھروسہ پر رہنے کے متعلق اس زمانہ مین نئی غلطی مگر بہت گندی غلطی یہ ایجاد کی گئی ہے کہ روزہ قضا ہو جائے تو باوجود صحت بدن کے بھی اُسکی طرف سے فدیہ دیدینا کافی ہے روزہ رکھنا فرض نہین (اس کا بطلان اچھی طرح سے احقر نے رسالہ اصلاح ترجمۂ دہلویہ کے متن مین مختصراً اور اُسکے خاتمہ پر بعبارت عربیہ مبسوطاً اور عزیزم مولوی شبیر احمد صاحب سلمہ دیوبندی نے القاسم کے نمبر ۴ جلد مین عقلاً و نقلاً ثابت کر دیا ہے ملاحظہ فرمایئے) ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ بعضے لوگ باوجودیکہ وہ نمازین قضا کر سکتے ہین اور صحت سے بھی مایوس نہین ہوئے اور صحت کے بعد روزے قضا کر سکتے ہین مگر پھر بھی ارزان نسخہ فدیہ کا یاد کرکے اسکے استعمال کو کافی سمجھتے ہین سو سمجھ لینا چاہیئے کہ قدرت یا امید قدرت ہوتے ہوئے فدیہ دینا درست نہین ہوتا پس نماز پر تو انسان ہر وقت قادر ہے اگر رکوع وسجود نہو سکے اشارہ ممکن ہے پس مرض مین بھی وقتیہ کو ادا اور فائتہ کو قضا کر سکتا ہے اُس کا فدیہ تو اُس کے لیے جائز نہین رہا روزہ تو جب تک صحت کی امید ہے بعد صحت کے بقدر زمانۂ قدرت اُس پر قضا کرنا واجب ہوگا البتہ اگر ایسا مرض ہو گیا کہ اب بالکل امید صحت کی نہین رہی یا ایسا بوڑھا ہو گیا کہ اب بالکل امید قوت

کی نہین رہی یا کسی نے عمر بھر روزہ رکھنے کی نذر کرلی تھی مگر اب اس سے بالکل عاجز ہوگیا حاصل یہ کہ ایسا عذر لازم ہوگیا کہ اب قضا پر قادر ہونے کا قطعًا احتمال نہین رہا ان حالات مین حیات مین بھی روزہ کا فدیہ دینا جائز اور کافی ہے (ردالمحتار ج ۲ ص ۱۹۱) اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر قضا نمازین بہت کثرت سے ہوگیئن اور مرض کی ایسی حالت ہو کہ اشارہ سے بھی زیادہ قضا نہین پڑھ سکتا اور امید صحت کی منقطع ہوگئی تو بقدر قدرت قضا کرنا واجب ہوگا اور بقیہ کا فدیہ حیات مین بھی دینا درست ہوگا۔ (لکن لم اره فیراجع) اور جو نمازین اور روزے قضا اور فدیہ سے رہ جاوین اُنکے فدیہ کے لیے وصیت کرنا واجب ہوگا البتہ اگر ناامیدی کے قبل بھی اس نظر سے فدیہ دیدے کہ معلوم نہین میرے ورثہ وصیت پر عمل کرین یا نہ کرین اور یہ بھی نیت رکھے کہ بعد فدیہ کے اگر قدرت قضا کی ہوگی تو قضا کر دونگا اور اگر قدرت نہوئی اور مسائل بالا کی رو سے جس مقدار فدیہ کا ناکافی ہونا ثابت ہوگا وصیت بھی کر دونگا ایسے فدیہ کا کچھ مضائقہ نہین بلکہ مستحسن اور احتیاط ہے بشرطیکہ اگر مرض الموت مین ہو تو ثلث سے زیادہ نہ دے اور قضا سے ناامیدی ہونے کی حالت مین جو روزہ کے فدیہ کا جواز اوپر مذکور ہوا ہے اسمین ایک اور بھی شرط ہے وہ یہ کہ یہ روزہ کسی اور واجب کا بدل نہو ورنہ اسمین بااصل واجب کو ادا کرے اور وہ نہوسکا تو صرف وجوب وصیت متعین ہے فدیہ کسی حال مین نہین ہوسکتا جیسے کفارہ یمین مین روزہ اُس وقت ہوتا ہے جب اعتاق و اطعام و کسوت پر قدرت نہو پس اس روزہ کا فدیہ حیات مین درست نہین اگر اصل اور بدل دونون پر قدرت نہو تو مرتے وقت ترکہ مین فدیہ کی وصیت واجب ہوگی (ردالمحتار ج اص ۱۹۱)

ایک کوتاہی وارثون کی ہے کہ باوجود وصیت اور وسعت کے اسکی کچھ پرواہ نہین کرتے اور میت گرانبار رہتا ہے حالانکہ ثلث کے اندر وصیت مقدم ہے ترکہ پر بھی۔

ایک کوتاہی پہلی کوتاہی سے کم درجہ کی یہ ہے کہ اگر وہ بلا وصیت مرجاوے تو اس فدیہ سے کم درجہ کے مصارف مین بلکہ اس سے بڑھکر یہ کہ فضول مصارف مین اور اس سے بھی مزید یہ کہ معاصی مین میت کا ترکہ اُڑاتے ہین مگر اس طرف کسی کو توجہ نہین ہوتی کہ اور مصارف بند کرکے کچھ فدیہ مین دیدین اور گو ایسی حالت مین دینا بعض فقہاء کے نزدیک مسقط واجب نہوگا لیکن بعض کے نزدیک مثل حالت وصیت کے یہ بھی مسقط واجب ہوجاویگا اور جو مسقط واجب نہین اُنکے نزدیک بھی اسطرح سے نافع ہونا تو یقینی ہے کہ میت کو اس کا ثواب ہی پہونچ جاویگا کیا عجب ہے کہ وہ ثواب اُس ترک واجب کے عذاب کو زائل کردے

درردالمحتار ج ۱ ص ۱۹۱) اور یہ کوتاہی کم درجہ کی اسلیئے ہے کہ صورت سابقہ مین بوجہ وصیت کے فدیہ دینا واجب تھا اور اس صورت مین بوجہ وصیت نہ کرنے کے واجب نہین ہوا لیکن جب اس سے اُن محل مین صرف کیا ہو تو یہ اُس سے احق و اسبق اور اقدم و اہم ہے۔

ایک کوتاہی ورثہ ہی کی یہ ہے کہ بعضے مقامات پر بزعم خود فدیہ ادا کرتے ہین اور وہ بوجہ قواعد شرعیہ پر منطبق نہونیکے ادا نہین ہوتا اور ورثہ پر ارتکاب منہی عنہ کا اور مورث پر ترک عمل واجب کا بار رہتا ہے اور وہ طریق غیر منطبق یہ ہے کہ میت کی تمام عمر کے نماز روزون کا حساب کرکے اسکی ایک رقم مثلاً دس ہزار روپیہ تجویز کرکے ایک ملا کے ہاتھ ایک قرآن مجید دس ہزار روپیہ کو ہدیہ کرتے ہین پھر وہ قیمت اُس ملا کو بہ نیت فدیہ کے معاف کردیتے ہین اور اس عمل کو اسقاط کہتے ہین اور یہ صورت اُن سب اسقاط کی صورتون سے اسلم جنکو جہلا ر عمل مین لاتے ہین کہ اُن مین تو کوئی شائبہ بھی انطباق علی القواعد کا نہین اُن مین سے یہ صورت سرسری نظر مین منطبق سمجھی جاتی ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہان جب بیع مقصود نہین تو ثمن بھی واجب نہوگا پھر فدیہ کس رقم سے ادا ہوا اور دلیل بیع مقصود نہونے کے علاوہ وجدان کے یہ ہے کہ اگر ملا کو ثمن معاف نہ کیا جاوے بلکہ اُس کا مطالبہ کرنے لگین تو کیا اور تمام دیکھنے والے اُس ثمن کو واجب اور اس مطالبہ کو حق سمجھینگے ہرگز نہین پھر یہ تو ایک قسم کا فریب دینا ہوا البتہ جسکو وسعت کم ہو اُسکے لیئے دوسرا طریق درمختار مین لکھا ہے وہ قواعد پر منطبق ہے کہ مثلاً ایک روپیہ مسکین کو فدیہ مین دیا اور اُسنے بخوشی ولی کو ہبہ کردیا ولی نے پھر اُس کو فدیہ مین دیا اسی طرح اگر ہزار بار کیا تو ہزار روپیہ ادا ہوگئے اور مسکین ہر بار مین اختیار ہے جب چاہے رکھ لے دوسرے کو نہ دے فقط

تنبیہ۔ صوم و صلوۃ کے فدیہ مین اباحت و تملیک اور ایک مسکین کو نصف صاع سے زائد دے دینا سب درست ہے لیکن نصف صاع سے کم نہ دے یہ یقینی ہو (ردالمحتار ج ۱ ص ۱۸۸ و ص ۱۸۹) واللہ اعلم۔

تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور

بعنوان مسائل

مسئلہ جس شخص کے ذمہ کچھ نمازین اور روزے قضا ہون اور اُن کو قضا نہ کرسکا ہو اُس کو واجب ہے کہ مرنے سے پہلے اُنکے فدیہ کی وصیت کرجاوے۔ مسئلہ ایک روزہ کا فدیہ اُسقدر ہے جسقدر صدقہ فطر دیا جاوے اسی طرح ایک نماز کا بھی اُسی قدر ہے اور ہر روز کی چھ نمازین شمار کیجاتی ہین پانچ تو فرض اور ایک واجب یعنی وتر

مسئلہ فدیہ کے بھروسہ نماز اور روزہ کا قضا کر ڈالنا یا جو قضا ہو گئی ہوں اُنکو ادا میں سستی کرنا سخت گناہ ہے
مسئلہ بیماری میں جو روزے قضا ہوئے اگر اس بیماری کے بعد زمانہ صحت اتنا ملا جس میں کل روزے یا بعض روزے قضا رکھ سکتا تھا اوسی قدر واجب ہونگے باقی واجب نہونگے تو اگر بیس روزے قضا ہوئے اور دس کی طاقت مل سکی اور قضا رکھنے نہ پایا تھا کہ موت آگئی تو دس روزوں کے فدیہ کی وصیت واجب ہوگی
مسئلہ فدیہ کی وصیت ثلث ترکہ سے زائد میں صحیح نہیں یعنی تجہیز و تکفین اور قرضہ سے مثلاً تین سو روپیہ بچ گئے تو سو روپئے سے زائد میں وصیت صحیح نہ ہوگی البتہ اگر بالغ وارث اپنے حصہ میں جائز رکھیں تو اونکو اختیار ہے۔
مسئلہ جبتک روزہ قضا کرنیکی قدرت رہے اسوقت تک فدیہ دینا کافی نہیں بلکہ قضا ہی رکھنا فرض ہوگا ایک مترجم قرآن کے حاشیہ پر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ الایۃ کی تفسیر میں جو اس کے خلاف لکھ دیا ہے وہ بالکل غلط ہے اوسپر عمل حرام ہے اہل علم نے اپنی تحریرات میں اوسکی غلطی کھولدی ہے
مسئلہ اسیطرح جبتک امید صحت اور قوت کی ہو فدیہ دینا کافی نہیں البتہ اگر کوئی ایسا مرض ہو کہ اوس سے صحت کی امید نہ رہے اور مرض کی حالت میں قوت نہ ہو یا بہت بوڑھا ہو گیا اور قوت روز بروز گھٹتی جاتی ہو تو ایسے شخص کو ادا اور قضا روزہ کے بدلے فدیہ دینا درست ہے اسیطرح اگر نادانی سے بارہ مہینہ روزہ سے رہنے کی نذر کرلی تھی اور اب ہار گیا تو اسکو بھی روزانہ روزے کا فدیہ دینا درست ہے
مسئلہ لیکن مرض و ضعف میں نماز چونکہ اشارہ سے بھی درست ہے اس لئے قضا نمازوں کا فدیہ اوسوقت درست ہو سکتا ہے جب اشارہ سے بھی اونکے پورا کرنیکی امید نہ رہے جیسے مرض الموت میں ایسی حالت ہو جاتی ہے (مگر اس مسئلہ کو زیادہ تحقیق بھی کر لیا جاوے)
مسئلہ اگر کوئی ایسی حالت میں کہ فدیہ کافی نہو اس نظر سے فدیہ دیدے کہ شاید میری وصیت کو وارث پورا نکریں اور یہ بھی نیت رکھے کہ اگر صحت و قوت عود کر آئی تو اس فدیہ کو کافی نہ سمجھونگا بلکہ نمازیں اور روزے قضا کرونگا تو اوسکا مضائقہ نہیں
مسئلہ جو روزہ قسم کے کفارہ میں اسپر واجب تھا حیات میں اوسکا فدیہ درست نہیں بلکہ اگر اخیر عمر تک اوسسے عاجز رہے تو مرتے وقت فدیہ کی وصیت کرے۔
مسئلہ اگر میت بلا وصیت مرجاوے تب بھی ورثہ کو بہت ثواب ہوگا اگر اوسکی نماز اور روزہ کا فدیہ ادا کریں
مسئلہ ایک عمل بعض جگہ عوام میں اسقاط کے نام سے مشہور ہے اوس سے فدیہ ادا نہیں ہوتا۔

مسئلہ۔ جہاں رقم فدیہ کی بہت زیادہ ہو اور اسقدر گنجائش ہو نہیں تو بالکل اوسکو نظرانداز کرنے سے یہ صورت کرلیں کہ مثلاً وارث دس روپئے کسی مسکین کو بہ نیت فدیہ کے دیں پھر وہ اپنی خوشی سے اوس وارث کو وہ رقم ہبہ کر دے یہ وارث پھر اوسکو بہ نیت فدیہ کے دیں تو گویا بیس روپئے فدیہ میں پہونچے اسیطرح اگر سو بار کیا تو ہزار روپیہ ادا ہو گئے مگر گنجائش ہوتے ہوئے ایسا نہ کرے۔

مسئلہ۔ فدیہ میں اختیار ہے خواہ مساکین کو بٹھلا کر کھلا دے خواہ غلہ بقدر صدقہ فطر دیدے یا اتنی قیمت دیدے ایک مسکین کو ایک حصہ سے کم نہ دے زیادہ دیدینا درست ہے یعنی ایک مسکین کو کئی حصے ایک تاریخ میں دینا بھی درست ہے

اصلاح معاملہ بصدقۂ نافلہ

منجملہ طاعات مالیہ بزکوۃ جسکا اوپر سے ذکر چلا آرہا ہے ایک صدقہ نافلہ ہے اسمیں بھی مثل دیگر اعمال کے متعدد کوتاہیاں واقع ہو رہی ہیں ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض لوگ باوجود زائد علی الحاجۃ ہونے اور مصارف دینیہ ضروریہ پیش آنے کے محض بوجہ بخل کے بجز زکوۃ اور صدقات واجبہ کے صدقہ نافلہ میں ایک کوڑی خرچ نہیں کرتے بلکہ میں نے ان میں سے بعض سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک فہرست دیدی ہے ہم کو اس سے تجاوز کرنا کیا ضرور تو ایسے لوگ صرف یہی نہیں کہ صدقات نافلہ میں بے رغبت ہوں بلکہ اس سے ترقی کرکے ان کو ناپسند اور انکو زیادت علی الشرع سمجھتے ہیں یہ شیطان کی بہت بڑی رہزنی ہے جو براہ تلبیس دین کے پردہ میں کی ہے اور مکروہ کو بصورت مستحسن دکھلایا ہے چونکہ منشاء اس کا بخل ہے اسلئے ناپسندیدہ ہونا اس ترک صدقہ کا ظاہر ہے اور علاوہ قواعد کلیہ شرعیہ کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی کسی درجہ میں مہتم بالشان ہونیکی تصریح بھی فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے ان فی المال لحقا سوی الزکوۃ یعنی مال میں زکوۃ کے سوا اور بھی بعض حقوق ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استشہاد میں اس آیت کی تلاوت فرمائی واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوۃ واتی الزکوۃ اور وجہ استشہاد ظاہر ہے کہ اتی المال الخ کو اتی الزکوۃ سے علیحدہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ علاوہ زکوۃ کے ہے اور اسکو صدقات واجبہ کے ساتھ خاص نہیں کہہ سکتے چنانچہ اتی المال کے بعد مصارف کو بعنوان استحقاق واحتیاج کے بیان فرمانا مشیر اسطرف ہے کہ مسوق لہ الکلام ان کے حقوق وحاجات کو پورا کرنا ہے اور انکا بحیثیت زکوۃ کی حیثیت سے مذکور نہ ہونیکی دلیل یہ ہے کہ اسکے بعد زکوۃ کا مستقلاً بیان ہے جس سے ثابت ہوا کہ زکوۃ کے علاوہ جو اتنا مال ہو وہ اس حیثیت سے مطلوب ہے کہ ان مصارف کی اعانت ہے اور ظاہر ہے کہ صدقات واجبہ میں خود

وہ تصدق بھی شرعاً مقصود ہوتا ہو اعانت کی یہ خصوصیت مقصود نہیں ہوتی پس یہ قرینہ ہے اس کا کہ شیاید صدقات نافلہ کو بھی اور بعد استشہاد بالآیت کے اُس شبہ کا جواب بھی ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک فہرست دیدی ہے پھر اُس سے تجاوز کرنے کی کیا ضرورت ہے جواب یہ ہوا کہ اُس فہرست میں صدقہ نافلہ بھی تو داخل ہو گیا چنانچہ ابھی ظاہر ہوا پھر اگر فہرست سے مراد فہرست واجبات کی لی جاوے تو اول تو جب دونوں فہرستیں ہم کو دی گئی ہیں پھر وجہ کیا کہ ایک فہرست کو لیا جاوے دوسری کو چھوڑا جاوے دوسرے تجاوز کرنے کے یہ معنی ہی غلط ہیں کہ نوافل کو ادا کیا جاوے اگر یہ ہے تو نوافل کے فضائل منصوصہ کا کیا جواب ہوگا بلکہ مطلب اُس کا یہ ہے کہ حدود کو نہ چھوڑا جاوے مثلاً جس جگہ صرف کرنا ممنوع ہے وہاں صرف کیا جاوے یا انفاق غیر واجب کو واجب سمجھ لیا جاوے پہلا تجاوز عملی اور معصیت ہے دوسرا تجاوز اعتقادی اور بدعت ہے اور جب یہ نہ ہو تو تجاوز نہیں ہے اور بعض صدقات نافلہ کے اعتبار سے ایک اور جواب بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ بعضے اُن میں سے نافل کرنے سے فہرست واجبات ہی میں داخل معلوم ہوتے ہیں اور اُن کو نفل کہنا باعتبار اُنکی ذات کے قطع نظر خصوصیات سے ہی ورنہ عوارض کے اعتبار سے وہ واجب ہی ہیں پس واجبات کی مشہور فہرست مطلق واجب کی فہرست نہیں ہے بلکہ وہ واجبات موظفہ کی فہرست ہے یعنی ایک وہ واجبات ہیں جو فی نفسہٖ واجب ہیں عوارض خصوصیات کا اُسمیں دخل نہیں جیسے زکوٰۃ و صدقۂ فطر وغیرہ کہ خواہ کوئی مستحق پیش نظر ہو یا نہو مال میں سے مقدار خاص کا نکالنا ضروری ہے پھر مستحق کو تلاش کر کے اُس تک پہونچانا ضروری ہے ان کو واجبات موظفہ کہنا چاہیے دوسرے وہ واجبات کہ اگر کوئی مستحق معلوم نہو تو اُس کا تلاش کرنا ضروری نہیں اس مرتبہ میں وہ نفل ہے لیکن اگر کوئی مستحق روبرو آجاوے اور اُسکی احتیاج درجۂ اضطرار تک ہو یا کوئی مصرف دینی عارض ہو جاوے اور اُسکی تکمیل درجۂ ضرورت تک ہو تو اُس وقت اُسمیں خرچ کرنا واجب ہوگا کہیں علی الکفایہ کہیں علے العین مثلاً کوئی مسافر محلہ کی مسجد میں آٹھہرے اور سب اہل محلہ اپنے گھروں میں کھائیں پئیں اور اُس کو نہ پوچھیں تو سب گنہگار ہوں گے اُس وقت اُس کی اعانت سب اہل محلہ پر اور اُنکی اعانت نہ کرنے کی صورت میں جس کو خبر پہونچی اُن سب پر واجب ہے علے الکفایہ اور اگر کوئی شخص کھانا لیکر بیٹھا اور کھانا اُس کی حاجت سے بہت زائد ہے اور ایسے میں کوئی گرسنہ آیا جسکی جان بھوک سے نکلی جاتی ہے اور اُسنے آکر اس شخص سے سوال کیا تو حضرت استادی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ کیا کوئی اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ اس شخص پر اس سائل کو بقدر ضرورت کھانا دینا واجب نہیں اور یہ وجوب اس وقت علی العین ہوگا پس حاصل یہ ہوا کہ بعض صورتوں میں صدقہ نافلہ کی بھی واجب ہیں اور نفل

اور وجوب کے اجتماع کا اشکال ابھی مرتفع کر دیا گیا ہے اور بعض صدقات نافلہ جو ہر حال میں نافلہ ہیں گو ایسے بہت کم نکلیں گے لیکن جتنے بھی ہوں گو فہرست واجبات میں داخل نہ ہوں مگر اُن میں جواب سابق جاری ہوگا یعنی ہم کو دوسری فہرست بھی ملی ہے پس دونوں فہرستوں پر عمل کرنا چاہیے اور تارکین صدقہ نافلہ کے ذم میں یہ قید جو لگائی گئی کہ محض بخل کی وجہ سے الخ وجہ اسکی یہ ہے کہ سبب اسکا کبھی کوئی مصلحت باطنی ہوتی ہے یعنی افتقار و انکسار و اسکے مقابلہ عجب و ادلال کے یا عدم حصول خشوع و خلوص یا حسم مادہ مدح و مثل ذالک وہ مذموم نہیں لیکن یہ ترک اس مصلحت کے وجود تک محدود ہوتا ہے اُسکے بعد یہ ترک متروک ہو جاتا ہے اور یہ مسئلہ فن سلوک کا ہے یہ مقام اُسکے ذکر کا نہیں ہے ایسے تارک نوافل کو اصطلاح میں قلندر کہتے ہیں یہاں تک بحث متعلق ترک صدقات نافلہ کی جو کہ اسکے متعلق ایک کوتاہی ہے۔

ایک کوتاہی اس باب میں اسکے مقابل یہ ہے کہ اُن کو اس باب میں اسقدر غلو ہوتا ہے کہ گو حقوق واجبہ ضائع ہو جاویں گو قرضخواہ روتے پھریں مگر اُن کو اس کا شوق ہے کہ کوئی سائل اور مسافر محروم نہ جاوے خاص خاص تاریخوں میں خاص صدقات قضا نہوں اور اسپر بعض اوقات خود بھی فخر کرتے ہیں اور دوسرے خود غرض لوگ اور بعضے بے غرض مگر کم فہم لوگ مدح بھی کرتے ہیں حدیث وابدأ بمن تعول اس طرز کو ناجائز بتلا رہی ہے حقوق واجبہ اہل و عیال کے ہوں یا قرضخواہوں کے یہ ان نوافل سے مقدم ہیں بلکہ اگر کسی کے ذمہ کوئی حق واجب بھی نہو مگر اپنی طبیعت کے انداز سے جانتا ہے کہ ناداری کا تحمل نہ کر سکے گا تو ایسے شخص کو بھی جائز نہیں کہ تمام ذخیرہ مصارف خیر میں صرف کر کے خالی ہاتھ رہ جاوے حدیث افضل الصدقة ما کان عن ظہر غنی اسپر صاف دال ہے اور اکثر تو ایسے لوگ ریاءً و افتخاراً خرچ کیا کرتے ہیں سو اس کا مذموم ہونا ظاہر ہی ہے (یہاں سے چندہ جمع کرنے والوں کو بھی متنبہ ہونا چاہیے کہ ایسے لوگ جو اپنی حیثیت سے زائد جوش میں آکر دینا چاہیں تو یہ حضرات نہ لیا کریں۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی جو صدقہ نافلہ نکالتے ہیں اُن کا دل گوارا نہیں کرتا کہ محض حق تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کریں بلکہ وہ ہر چیز کو کسی پیر فقیر شہید ولی کے نامزد کر دیتے ہیں سو اگر خود وہ بزرگ ہی اُس سے مقصود ہے تب تو وہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں داخل ہو کر بڑی دور یعنی حد شرک تک پہونچ گیا اور بعض غلاۃ جہلا کا واقعی یہی عقیدہ ہے سو ایسی چیز کا تناول بھی درست نہیں اور اگر مقصود اس عمل سے حق تعالیٰ ہے اور اُن بزرگ کو محض ثواب ہی بخشنا ہے تو وہ اس حد تک تو نہیں پہونچا اور بظاہر جائز بھی ہے لیکن عوام بلکہ بعض خواص کالعوام کے حالات و خیالات کی تفتیش سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ

محض ثواب ہی پہونچانے کو مقصود نہیں سمجھتے بلکہ اونکی نیت یہ ہوتی ہے کہ فلاں ولی کو ثواب پہونچیگا تو وہ خوش ہونگے اور ہماری اس حاجت میں مدد کرینگے خواہ تصرف باطن سے اور زیادہ عقیدہ یہی ہے اور اس کا بھی قریب شرک ہونا ظاہر ہے اور خواہ دعا سے سو احتمال دعا کا عقیدہ تو ناجائز نہیں لیکن جو عقیدہ ہے اس میں بھی فاسدین ایک اس احتمال کے وقوع کا اعتقاد کرنا کہ جسپر کوئی دلیل نہیں اور بلا دلیل عقیدہ کرنا کذب نفس اور مخالف ہے آیۂ لا تقف ما لیس لک بہ علم کی دوسرے بعد فرض وقوع دعا اس دعا کے بالقطع مقبول ہو جانے کا عقیدہ کرنا دعا تو بعض اوقات حضرات انبیا علیہم السلام کی بھی کسی مصلحت سے قبول نہیں ہوتی تا بغیر انبیا چہ رسد اس لئے مصلحت یہی ہے کہ جب بزرگوں کو کچھ بخشنا ہو اپنی حاجت کا خیال اُن میں نہ ملایا کریں کہ توحید کے خلاف ہے کما ذکر اور اگر بہت ہی احتیاط کی تو اخلاص کے تو خلاف ہے ایسی مثال ہو گئی کہ کسی زندہ کو ہدیہ دیا وہ سمجھا کہ محبت سے دیا اور خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کسی مطلب کو دیا فوراً وہ مکدر ہو جاویگا۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر لوگ اللہ کی نام کی وہ چیز نکالتے ہیں جو کسی کے کام کی نہ رہی ہو مثلاً کھانا جب دینگے کہ سڑ جاوے کپڑا جب دینگے کہ گل جاوے وعلی ہذہ حق تعالی کا ارشاد و لا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید اس باب میں کافی ہدایت ہے حق تعالے کا ایک ارشاد ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون اور اس سے یہ نہ سمجھا جاوے کہ پرانا کپڑا مثلاً خدا کی راہ میں دینا ممنوع ہے حدیث میں نیا کپڑا پہنکر پرانا دیدینے کی خود فضیلت آئی ہے مطلب یہ ہے کہ یہ برا ہے کہ جب دے ناکارہ ہی چیز دے اور اگر اصل عادت تو عمدہ چیز دینے کی ہو اور پرانی پھٹی چیز بھی دیدیا کرے تو مضائقہ نہیں تو ان دونوں میں فرق ہے کہ پرانی ہی دیا کرے اور پرانی بھی دیا کرے اول مذموم دوسرے ماذون فیہ۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے آدمی صرف وارثوں کو محروم کرنے کے لئے سب اندوختہ خیرات کر ڈالتے ہیں مبنی اس غلطی کا یہ ہے کہ وارثوں کے لئے چھوڑ جانے کی ثواب کی انکو خبر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی موقع پر یہ ارشاد فرمایا ہے وانک ان تذر ورثتک اغنیاء خیر من ان تذرھم عالۃ یتکففون الناس اور گو وہ ملک اضطراری ہے جسمیں مورث کے قصد کو بھی دخل نہیں لیکن حدیث میں ہے کہ کھیت میں سے اگر کوئی بہیمہ کھا جاوے تو کھیت والے کو ثواب ملتا ہے تو کیا مسلمان وارث بہائم سے بھی گئی گذرے ہوے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض صدقات کو بطریق بدعت خرچ کرتے ہیں جیسے خاص تاریخوں کی پابندی سے یا میت کے رسوم میں اسکی تفصیل اصلاح الرسوم میں ملاحظہ فرمائی جاوے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ اکثر شرائط شرعیہ کا لحاظ نہیں کرتے خواہ وہ شرائط ظاہرہ ہوں مثلاً میت کے کپڑے حسب رواج سب نکالکر مدارس و مساجد و مساکین کو دیدیئے جاتے ہیں حالانکہ ترکہ مشترکہ میں بالغین کا اذن شرط ہے اور اذن بھی وہ جو بطیب خاطر ہو شرم اور لحاظ اور پابندی رسم کی مجبوری سے نہ ہو اور نابالغوں کا اذن بھی معتبر نہیں یہ بلا بھی بہت عام ہے اور خواہ شرائط باطنہ ہوں مثلاً قبول ہونے کی یہ شرط ہے کہ ریاء و افتخار سے نہ ہو مال حرام سے نہ ہو اس میں بہت بے پروائی ہے اکثر نالش کے لئے خرچ ہوتا ہے اکثر سود و رشوت سے نیک کاموں میں لگاتے ہیں اور یہ کوئی شبہ نہ کرے کہ حلال اس زمانہ میں کہاں ہے تو کیا پھر نیک کاموں میں خرچ کرنا بالکل ہی چھوڑ دیں جواب یہ ہے کہ یہی غلط ہے کہ اس زمانہ میں حلال نہیں ابواب فقہیہ دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ معاملات میں بہت توسع ہے پھر اگر حلال غالب بھی ہو تب بھی صرف کرنا امور خیر میں جائز ہے گو اوس میں جتنا جزو حرام ہے اوسکی تحصیل کا گناہ مستقل ہوگا فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔

تسہیل مضمون مذکور برعایت تفہیم جمہور

مسئلہ۔ علاوہ صدقات واجبہ کے کبھی کبھی کسیقدر نفل صدقہ بھی نکالا کرو اور حاجتمندوں کو دیا کرو اور نیک کاموں میں خرچ کیا کرو مسئلہ۔ نفل صدقہ میں یہ خیال رکھا کرو کہ کسی کا حق واجب ضایع نہ ہو مثلاً اپنے اہل و عیال کو پہلے دو کسی کا قرض آتا ہو اوس میں پہلے دو جب ان سے بچے نیک راہ میں اوٹھاؤ مسئلہ۔ بعض نفل صدقہ بعض خاص موقع پر واجب ہو جاتے ہیں جیسے کوئی بھوکا آجاوے تو ہمارے پاس کھانا زیادہ موجود ہو تو اوسکی امداد واجب ہوگی یا کہیں اشاعت علوم دینیہ کی ضرورت ہو اور وہاں مدرسہ قایم کیا جاوے تو سب پر واجب ہوگا کہ چندہ سے اعانت کریں مسئلہ۔ اتنا خیرات نہ کر ڈالے کہ خود محتاج ہو کر بیٹھ رہے اور پھر صبر نہ ہو سکے اس لئے گناہوں میں مبتلا ہو جاوے مسئلہ۔ جو شخص اپنی گنجائش سے زیادہ دے لینے والے کو چاہئے کہ نہ لے اور سمجھاوے مسئلہ۔ بعضے لوگ بزرگوں کو اس لئے ثواب پہونچاتے ہیں کہ وہ خوش ہو کر ہمارا کام کر دینگے سو یہ شرک ہے اور اگر یہ سمجھے کہ یہ دعا کرینگے اور وہ دعا ضرور قبول ہوگی تو یہ دونوں مقدمات بھی غلط ہیں نہ تو کہیں یہ ثابت ہے کہ وہ ضرور دعا کرینگے اور نہ یہ ثابت ہے کہ وہ دعا ضرور ہی قبول ہوگی پس ایسی مشکوک بات کا پختہ یقین کر لینا یہ بھی گناہ ہے مسئلہ۔ اللہ کی راہ میں جو چیز دی جاوے وہ اچھی کار آمد ہونا چاہئے ایسا

شخص کبھی پُرانے پھٹے بھی دیدے تو اجازت ہے اور ہمیشہ نکمی ہی چھانٹ کر دینا یہ بُرا ہے۔ مسئلہ جس کے وارث موجود ہوں اپنا تمام مال خیرات میں نہ لٹا دیوے خاص کر جب وہ حاجتمند ہوں مسئلہ بعضی بدعات کا رواج ہو گیا ہے اُن میں صرف کرنے سے ثواب نہیں ہوتا پس اُن میں خرچ نہ کرے۔ مسئلہ مردہ کے سب کپڑے اللہ کی راہ میں اسطرح دیدینا کہ نہ غیر حاضر وارثوں سے اجازت لیجاوے اور نہ بالغوں کے حصہ کا بدلا اُن کو دیا جاوے جیسا عام رواج ہو رہا ہے جائز نہیں مسئلہ صدقہ قبول اُس وقت ہوتا ہے جب کہ اُسمیں نمایش نہو فخر و قصد شہرت نہو اور مال بھی حلال ہو اگر کسی کے پاس حلال خالص نہو تو حلال غالب ہو مثلاً دس روپیہ میں اگر چھ حلال اور چار حرام ہوں اور اُن سب روپیوں میں تمیز نہ رہے تو مجموعہ کو نیک کام میں خرچ کرنا جائز ہے اگرچہ ان چار روپیوں کے کمانے کا گناہ الگ ہوگا

اصلاح معاملہ بہ تبرعات مالیہ متفرقہ

منجملہ تطوعات مالیہ ملحقہ بزکوۃ کے اور بھی بعض اعمال ہیں جن میں مختلف کوتاہیاں ہوتی ہیں مختصراً اُن کا بیان بھی مناسب مقام ہے۔ ایک اُن میں سے سائل کو دینا ہے اسمیں چند کوہیاں ہوتی ہیں بعض دینے میں اور بعض نہ دینے میں چنانچہ بعضے تو بوجہ بخل یا بے رحمی کے سائل سے نہایت نفرت اور بے رُخی کرتے ہیں گو وہ کیسا ہی محتاج یا اپاہج ہو اُسکے حال پر ذرا توجہ نہیں کرتے بلکہ بعضے تو بالعکس اُس سے متسخر یا اُسکے ساتھ سختی کرتے ہیں دھکے دلوا دیتے ہیں۔ پٹواتے ہیں۔ قرآن و حدیث میں سائل کا بڑا حق آیا ہے۔ دوسرے سائل کو دیکھکر حق تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرنا چاہیئے۔ کہ ہم کسی کے دروازہ پر سائل نہیں ہوئے۔ اور اس نعمت کے شکر میں سائل پر رحم اور اُسکی اعانت کرنا چاہیئے۔ اس مضمون کو شیخ شیرازی رحمۃ اللہ نے نظم میں خوب ادا فرمایا ہے

بشکرانہ خواہندہ از درمراں ؛ ؛ نہ خواہندہ بردر دیگراں ؎

البتہ یہ ضرور نہیں کہ جو وہ مانگے وہ ضرور ہی دیں یہ اُسکی حاجت اور اپنی گنجایش پر ہے اور اگر اتفاق سے دینے کو نہو تو اس کو نرم جواب دیکر سمجھاوے کہ اس وقت میرے پاس گنجایش نہیں ہے اگر دوسرے وقت وسعت ہوئی اور تمہاری حاجت اُس وقت تک رفع نہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ خیال رکھوں گا اور بعضے دے تو دیتے ہیں لیکن پھر اُسکو خریدنا چاہتے ہیں یعنی اسکے منتظر رہتے ہیں کہ وہ ہمارا احسانمند ہو ہمارا شکریہ ادا کرے جب ہم سے ملے ہمکو سلام کرے اگر ہم کچھ کام کہدیں تو وہ اُس کا امتثال کرے اور اگر سائل کیطرف سے کسی امر میں کوتاہی

ہوتو اُسکو سخت تعجب ہوتا ہے اور ناگوار گذرتا ہے اور آئندہ کو سلسلہ احسان کا بند کرنے کا ارادہ کر دیتے
ہیں بالخصوص اگر اُسکی طرف سے کسی معاملہ میں گو ہم میں وہ شاید ہی حق پر ہو صفائی کا برتاؤ عمل میں آوے تو اُس وقت
تو صاف صاف کہتے ہیں کہ بڑا نمک حرام ہے ہمنے اس اس طرح اسکے ساتھ احسان کیے اور اسنے ہمارا خیال
نہ کیا اسطرح بیمروتی کی من واذی جسکی ممانعت قرآن مجید میں آتی ہے وہ یہی ہے اس سے صدقہ کا اجر باطل ہو جاتا
ہے حق تعالیٰ شانہ نے ایسے دینے والوں کی مدح و فضیلت بیان فرمائی ہے جو دیکر اُس کا صلہ اور شکریہ بھی نہیں
چاہتے لوجہ اللہ خدمت کرنا یہی ہے قال اللہ تعالیٰ انما نطعمکم لوجہ اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا
بعضا سکے مقابل یہ افراط کرتے ہیں کہ ہر سائل کو دینا فرض سمجھتے ہیں بعضے تو تفاخر کے واسطے کہ نام ہوگا کہ فلاں
شخص کے پاس سے کوئی سائل محروم نہیں آتا اور بعضے بوجہ غایت تدین و قلت علم کے کہ اُسکی حاجت روائی کو
فرض شرعی سمجھتے ہیں اور بعضے بوجہ طمع یا خوف دنیوی کے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس پردہ میں کوئی کامل ہو اُسکی
خدمت کرنے سے ہم مالا مال ہو جاویں گے مال میں اولاد میں ترقی ہوگی اور اگر نہ دینگے شاید بددعا کر دیں یا
ناراض ہو جاویں تو ہم برباد ہو جاوینگے اور اس افراط کے سبب (جس کا منشا مختلف ہے کہ بعض میں تفاخر بعض
میں کثرت تدین ہے اور قلت العلم بعض میں غرض دنیوی) یہ لوگ اکثر قرضدار بھی ہو جاتے ہیں اور اُس قرض
کا خمیازہ کبھی اپنے کو بھگتنا پڑتا ہے کبھی اولاد کو کبھی ادا نہیں ہوتا اور آخرۃ کا گناہ سر پر رہتا ہے حق تعالیٰ
نے یہ نہیں اجازت دی کہ خود منگتے ہو جاؤ مگر سائلوں کا پیٹ بھرو قال اللہ تعالیٰ ولا تجعل یدک مغلولۃ
الی عنقک (اسمیں تفریط مذکور اولا کی اصلاح ہے) ولا تبسطہا کل البسط فتقعد ملوما محسورا بلکہ بعض
اوقات باوجود اپنی گنجائش و تحمل کے بھی بعض سائل کو دینا بجائے ثواب یا جائز کے گناہ اور ناجائز ہوتا ہے
فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر سائل قوی مکتسب ہو یعنی ہاتھ پاؤں سے درست ہو اور معاش کی قدرت
رکھتا ہو تو ایسے سائل کو سوال کرنا بھی حرام ہے اور سوال پر اُس کو دینا بھی بدیں وجہ کہ اعانت علی المعصیت
ہے ناجائز ہے جب ناجائز ہوا تو ایسے دینے سے وہی مثل ہو گئی نیکی برباد گناہ لازم اور اکثر تو بلا ٹالنے کے لیے اسطرح
دیتے ہیں کہ ثواب کی بھی نیت نہیں ہوتی تو اس صورت میں ثواب نہ ملنا اور زیادہ ظاہر ہے اور ان لوگوں
نے ایک غلطی یہ کی کہ یہ تو سمجھ لیا کہ ہم پر سے بلا ٹل گئی لیکن یہ نہ سمجھا کہ ہمارے دینے سے سائل یہ سمجھیگا کہ لپٹنے
سے اور سر ہونے ہی سے ملا کرتا ہے تو یہ سمجھکر اور بھائی مسلمانوں کو پریشان کرے گا تو اپنی بلا تو ٹالی مگر
وہ بلا اوروں کے سر ڈالی البتہ اگر ایسے قوی مکتسب کو بلا سوال دیدے تو کچھ مضائقہ نہیں یا باوجود قوی مکتسب

ہونے کے بعض صورتوں کا استثنا بھی آیا ہے اُن مواقع استثنا میں سوال پر بھی دینا تو بھی جائز ہے کیونکہ اُن مواقع میں سوال بھی جائز ہے اور وہ مواقع یہ ہیں لا تحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی الا لذی فقر مدقع او غرم مفظع او لذی دم موجع الحدیث حاصل ان مواقع کا یہ ہے کہ اس شخص پر بوجہ قرضہ کے یا کسی مقدمہ کے یا ایسے ہی کسی سبب کے مالی بار اتنا پڑا کہ اگر یہ کمانا شروع کرے تب بھی اتنا ذخیرہ جمع نہ ہو سکے کہ روزمرہ کے حوائج پورے ہو کر اس بار سے سبکدوشی حاصل کر سکے تو ایسا شخص اگر سوال نہ کرے تو پھر کیا تدبیر کرے اس لیئے ایسے شخص کو سوال کی اجازت ہے جب سوال جائز ہے تو اسکے سوال پر دینا بھی جائز ہے اور اُسی حکم میں ہے وہ مسافر جسکو سفر میں کوئی خسارہ یا حاجت ایسی پیش آگئی کہ اگر کمانا شروع کرے تو بس سفر ہی میں رہ جاوے گا گھر نہ پہونچ سکے اور گھر سے بھی خرچ منگانا یا تو ممکن نہو یا اتنی مہلت نہو اور اسی حکم میں وہ شخص ہے جو قوی تو ہے مگر بوجہ خوگر نہ ہونیکے متحمل تعب کا نہیں اسلیئے مکتسب نہیں ہو سکتا پس ان سب لوگوں کو سوال پر بھی دینا جائز ہے اور اگر سبب اس افراط کا تفاخر و شہرت یا طمع و خوف دنیوی ہے تو اُس دینے کا بیکار ہونا بلکہ موجب گناہ ہونا بہت ہی ظاہر ہے اور بالخصوص اگر یہ طمع و خوف بے شرع فقیروں سے ہی جیسا اس زمانہ میں اکثر دنیا پرست لوگ ایسے بھنگڑوں کو غوث و قطب سمجھکر اپنا مال اور دین دونوں خراب کرتے ہیں تو اسکو تو مصداق ظلمٰت بعضها فوق بعض کا کہینگے یہ ذکر تھا سائل کے دینے نہ دینے کے متعلق کوتاہیوں کا اور ایک اُن اعمال مالیہ مقصودہ بالذات میں سے قرض مانگنے والے کو قرض دینا ہے اسمیں بھی چند کوتاہیاں ہوتی ہیں ایک یہ کہ بعضے لوگ باوجودیکہ اپنے پاس حاجت سے زائد رقم رکھی ہے یا با آسانی انتظام کر سکتے ہیں اور مانگنے والا سخت حاجتمند ہے اور بے اعتبار بھی نہیں مگر پھر بھی غایت بے رحمی سے قرض دینے سے انکار کر دیتے ہیں بعض اوقات جھوٹ بولتے ہیں کہ ہمارے پاس نہیں ہے اور وجہ اُسکی یا بخل ہے یا بے رحمی یا جہل کہ یہ سمجھتا ہے کہ قرض دینے سے فائدہ کیا ہوگا اسلیئے نہ دینا تجویز کرتا ہے اگر بخل یا بے رحمی ہے تو اُس کا مذموم ہونا تو ظاہر اور مسلم ہی ہے محتاج بیان نہیں اور اگر جہل ہے تو اُس کا فائدہ سمجھانا ضرور ہے تاکہ اس علم سے وہ جہل مرتفع ہو جاوے سو اول تو جس قلب میں ترحم کا جوش ہوتا ہے وہ اُس وقت فائدہ کو بھی نہیں سوچتا خود ترحم حامل علی الاعانت ہوجاتا ہے کیا جو شخص اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے گو اُسمیں فائدہ بھی ہے دنیا کا بھی آخرت کا بھی مگر کیا پرورش کے وقت اُس فائدہ کو سوچتا ہے کیا اگر فائدہ نہ سوچے تو پرورش نہ کرے گا پس مسلمانوں میں باہم وہی تراحم و توادد ہونا چاہیئے جو اقارب میں ہوتا ہے اور اگر بدون فائدہ سمجھے ہوئے قرض دینے کی ہمت نہو تو فائدہ بھی سمجھ لینا چاہیے اور گو فائدہ دینے میں بھی ہے

مثلاً ممنون کے قلب میں محسن کی محبت پیدا ہونا باہم الفت و ہمدردی بڑھنا لیکن مسلمانوں کو مسلمان ہونے کی حیثیت سے فائدہ دنیویہ کو مطمح نظر نہ بنانا چاہیے اسلیئے اس سے قطع نظر کر کے فائدہ اُخرویہ سمجھنا چاہیئے اور وہ ثواب ہے جو کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جنت کے دروازہ پر لکھا دیکھا کہ صدقہ دینے سے دس گنا ثواب ملتا ہے اور قرض دینے سے اٹھارہ گنا اور حدیث ہی میں اسکی وجہ بھی آئی ہے کہ صدقہ تو وہ شخص بھی مانگ لیتا ہے جسکو حاجت نہو مگر قرض بدون حاجت کے (اور حاجت بھی اکثر اضطراری) کوئی نہیں مانگتا (کیونکہ اپنی گردن کون بندھائے یعنی غالب عادت یہی ہے) پس صدقہ دینے میں ضرور نہیں کہ رفع اضطرار ہوا ہو اور قرض دینے میں رفع اضطرار ہوتا ہے اور اضطرار اور پریشانی کا رفع کرنا ظاہر ہے کہ کسقدر عظیم راحت پہونچاتا ہے اسلیئے اس کا ثواب زیادہ ہوا رہگئی تخصیص اٹھارہ عدد کی گو اس کا نکتہ نہ سمجھنا ہم کو ضروری ہے اور نہ سمجھانا کیونکہ طبیب کے نسخہ میں مریض کو منصب نہیں اوزان ادویہ کی لم دریافت کرنے کا بلکہ استعمال اور اعتقاد ضروری ہے اسی طرح ہمارا مذہب بندہ ہونیکی حیثیت سے یہ ہونا چاہیئے۔

زبان تازہ کردن باقرار تو   نینگیختن علت از کار تو

مگر تبرعاً و تفریحاً اگر کوئی تقریبی بات سمجھ میں آجاوے تو اُسکے ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں لیکن چونکہ وہ تقریبی اور تخمینی مضمون ہوگا اسلیئے اگر اُسمیں کوئی خدشہ نکل آوے تو مضر بھی نہیں کیونکہ اصل ایمان نص پر ہے نہ کہ اپنے نکات ولطائف پر غرض وہ نکتہ جو خاطر فاتر میں اسکے متعلق آیا ہے یہ ہے کہ اصل میں ثواب قرض کا صدقہ سے بحیثیت مذکورہ دونا ہے پس صدقہ اگر دس تک مضاعف ہوتا ہے تو قرض بیس تک ہونا چاہیئے تو قرض کا ایک درم صدقہ کے دو درم کے برابر ہوا لیکن چونکہ اخیر میں وہ درم واپس آجاویگا اسلیئے بیس کے عدد میں سے دو کا عدد کم ہوگیا اس لیئے اٹھارہ رہگئے واللہ اعلم اور جب قرض کا ثواب صدقہ سے مضاعف ہونا معلوم ہوگیا تو اسی سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ نصوص سے ثابت ہے کہ دس حصہ تک ثواب کا بڑھنا یہ ادنی درجہ ہے ورنہ تفاوت خلوص سے اس سے بھی بڑھکر سینکڑوں ہزاروں تک پہونچتا ہے پس جب صدقہ کا ثواب دس سے زائد بھی ہوتا ہے اور قرض کا ثواب اُس سے مضاعف ہے اور اخیر میں ایک عشر منہا ہو جاتا ہے پس قرض کا ثواب بھی اٹھارہ تک محدود نہیں بلکہ کبھی چھتیس حصہ ہوگا یعنی چالیس حصہ ہو کر چار گھٹ جاوینگے اور کبھی اسی حصہ ہو کر اسمیں سے آٹھ گھٹ کر بہتر رہجاوینگے حتی کہ اگر صدقہ کا ثواب سات سو حصہ تک ہو تو قرض کا ثواب چودہ سو حصہ تک ہوگا جو اخیر میں بارہ سو ساٹھ رہجاوینگے تو کیا یہ فائدہ

نہیں ہے کہ ایک روپیہ قرض دیا اور آخرت میں مثلاً بارہ سو ساٹھ روپیہ کا ثواب ملا ؎

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را | کہ بہ یک گل میخری گلزار را
نیم جاں بستاند و صد جاں دہد | انچہ در وسعت نیاید آں دہد

اور یہ بھی تو بطور مثال کے فرض کیا گیا ورنہ جب صدقہ میں سات سو کی حد نہیں لقولہ تعالیٰ بعد قولہ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء واللہ واسع علیم ؕ تو قرض میں بھی بارہ سو ساٹھ کی حد نہو گی بلکہ اس سے بھی زیادہ توقع ہے کیا اس کو بھی فائدہ نہ کہیگا اور تضاعف ثواب القرض علی ثواب الصدقہ کی تقریر کی تفصیل میں جہاں خاطر فاتر کا حوالہ ہے بحیثیت مذکورہ کی قید اسلیئے لگائی گئی کہ اس سے کوئی نہ سمجھ جائے کہ قرض کا ثواب علی الاطلاق صدقہ سے مضاعف ہوتا ہی اور یہ سمجھکر یا تو صدقہ کی جگہ بھی قرض ہی دینے لگیگا اور یا کہ صدقہ میں بے رغبت ہو جاویگا اور اسمیں مسارہ سمجھے سو بات یہ ہے کہ مختلف احکام مختلف حیثیات سے ہوتے ہیں سو ایک حیثیت سے تو جس کا کہ ذکر ہوا قرض کا ثواب زیادہ ہے مگر دوسری حیثیات سے صدقہ کا ثواب قرض سے زیادہ ہوتا ہے مثلاً قرض میں واپسی ہوتی ہے صدقہ میں واپسی نہیں ہوتی اور اس وجہ سے صدقہ لینے والیکے قلب پر کوئی بار نہیں رہتا اور قرض لینے والیکے قلب پر بار رہتا ہی اور ہم نے قرض دینے میں فائدہ دنیویہ یہ بیان کیا ہے کہ باہم الفت و محبت و ہمدردی بڑہتی ہے گو یہ فائدہ مقصود نہیں مگر چونکہ واقعی ہی اس لیئے اسپر اگر کوئی خدشہ واقع ہو تو اس کا رفع کرنا ضروری ہی تو اسمیں ظاہراً ایک خدشہ ہے وہ یہ کہ ہم تو اکثر اسکے خلاف دیکھتے ہیں کہ قرض دینے سے پہلے الفت بھی قطع ہوجاتی ہے اور ہمیشہ کے لیئے باہم رنج و کدورت پیدا ہو جاتی ہے چنانچہ ایک تجربہ کار بزرگ کا ارشاد ہے ؎

مدہ شاں قرض دستاں نیم حبہ | فان القرض مقراض المحبہ

تو آلہ فصل کو آلہ وصل کہنا کیسے صحیح ہوگا دفع اس خدشہ کا یہ ہے کہ یہ قطع محبت اثر قرض کا نہیں ہے اس کا اثر تو وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی ازدیاد محبت والفت بلکہ یہ اثر اکثر مستقرضین یعنی لینے والونکی بدتدبیری کا ہے یہ اکثر لوگوں کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ قرض لیکر بیفکر ہو جاتے ہیں باوجود گنجایش کے اور تمام فضول کارروائیوں کے بھی قرض کے ادا کا اہتمام نہیں کرتے بعضے تو بہت ہی ٹالکر دیتے ہیں اور بعضے دیتے ہی نہیں اگر تقاضا کیجیے برا مانتے ہیں اور انکی اس حرکت سے مقرض یعنی قرض دینے والیکو کلفت ہوتی ہے اور جب یہی کلفت روزمرہ مدتوں تک پہونچے تو ضرور اس کا اثر یہ ہوگا کہ محبت قلب سے نکلجاویگی اور رنج و شکایت پیدا

ہو جاویگی تو اپنی بے عنوانی کے اثر کو قرض کیطرف منسوب کرنا بڑی غلطی ہے پس خدشہ رانشاً واساساً منقطع ومنقطع ہو گیا لیکن معمولی کلفت سے تنگدل ہو کر قرض دینے کا سلسلہ بند نہ کرنا چاہیئے کیونکہ یہ بھی اجر سے خالی نہیں احادیث میں اسی کم تنگدلی پر وعدۂ ثواب آیا ہے کہ اگر کوئی چیز کہیں رکھکر بھول جاوٗ اور اُسکی تلاش میں قدرے پریشانی ہو پھر وہ ملجاوے تو اسمیں بھی ثواب ہے تو قرض وصول نہونے پر یا وقت پر وصول نہونے پر تو اس سے بہت زیادہ پریشانی ہوتی ہے تو اسمیں اس سے زیادہ اجر کیوں نہ ملیگا اسلیئے بقدر تحمل اتلاف کو بھی برداشت کر لینا چاہیے لیکن اسی کے ساتھ قرض لینے والیکو بھی وصیت کرتا ہوں کہ اُسکو بھی چاہیئے کہ قرض دینے والے کا احسان مانے اور اُسکو تکلیف نہ دے اور وقت پر اُسکی امانت پہنچاوے تاکہ پھر بھی قرض لینے کا منہ رہے اور اس نادہندی کی بدولت آپس میں اکثر قرض نہیں ملتا پھر کافروں سے سودی لیتے ہیں اور تباہ ہوتے ہیں ورنہ اگر وقت پر دوسرے کا حق پہنچ جایا کرے تو بہت مسلمان ایسے ہیں کہ وہ خود اپنی مصلحت سے اپنے روپیہ کا قرض کا چلتا رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں کہ حفاظت سے بچتے ہیں اور تجارت کو یہ لوگ پسند نہیں کرتے یا تو بوجہ احتمال خسارہ کے اور یا بوجہ توحش تعلقات کے یا بوجہ عدم مناسبت کے تو ایسے لوگوں کا روپیہ قرض میں بآسانی مل سکتا ہے اور غیر قوموں کو سود دیکر اپنا گھر تباہ ہونے سے بچا سکتے ہیں لیکن معاملات خراب ہیں لیکر دینا نہیں چاہتے دو چار جگہ ٹھوکر کھا کر سب سے متوحش ہو جاتا ہے اور بقول شخصے دودہ کا منہ جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے وہ کسی کو بھی قرض نہیں دیتا اور ایک باب عظیم خیر کا بند ہو جاتا ہے جسکا وبال ان نادہندوں کی گردن پر ہوگا اس کوتاہی مذکور کا حاصل تو قرض نہ دینا ہے جس کا مفصل بیان ہو چکا۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ قرض تو دیدیتے ہیں لیکن تقاضا بیڈھب کرتے ہیں وقت آنے پر مہلت دینا جانتے ہی نہیں حالانکہ نص قرآنی وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ تنگدست نادار کو مہلت دینا واجب ہے اور اُسکی بھی فضیلت احادیث میں آئی ہے۔

ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے بدون سود کے قرض نہیں دیتے پھر سود کے طریقے مختلف ہیں بعضی صورتیں تو وہ ہیں جنکو یہ لوگ بھی سود سمجھتے اور کہتے ہیں یعنی آدہ آنہ روپیہ پر لینا یا آنہ روپیہ پر لینا اور بعضی وہ صورہیں جن کو سود ہی نہیں سمجھتے مگر واقع میں وہ سود ہیں جیسے رہن رکھکر اُس سے نفع حاصل کرنا اسکا سود ہونا مع جواب شبہات عوام و خواص کے رسالہ صفائی معاملات میں احقر نے ثابت کر دیا ہے اور بھی تاجروں میں بہت صورتیں متعارف ہیں پھر ان دونوں قسم کے سود لینے والوں میں بعضے ایسے جری ہیں

کہ اس کو حلال سمجھتے ہیں کوئی بعض عبارات فقہیہ سے بزعم خود تمسک کرتا ہے کوئی تمدنی وقومی مصلحتوں کو شریعت پر مقدم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کوئی حربی کی روایت کو پیش کرتا ہے علمار شکراللہ تعالیٰ سعیہم نے ان سب کی اچھی طرح اپنی تحقیقات لسانیہ وکتابیہ میں خدمت کردی ہے بندہ نے بھی بقدر ضرورت رسالہ صفائی معاملات میں جس کا اوپر حوالہ ہے اور رسالہ تحذیر الاخوان میں اور اپنی تفسیر بیان القرآن تحت آیۃ یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا الخ میں اسکی کافی بحث لکھدی ہے اس کا مطالعہ منصف کے لیے انشاراللہ تعالیٰ کافی ہے اور سود کی ان صورتوں میں سے کوئی صورت ظاہر میں بھی تو کسی ضابطہ فقہیہ پر منطبق نہیں بجز ایک صورت بیع بالوفار کے اور ایک صورت اسکی بھی خارج از ضابطہ ہے تفصیل یہ ہے کہ اس وقت کے عرف میں بیع بالوفار کے دو معنے مشہور ہیں ایک تو یہ کہ زید نے عمرو سے کہا کہ ہم کو ہزار روپیہ قرض دیکر ہمارا باغ رہن رکھ لو اس شرط پر کہ اگر ہم دس سال کے اندر ہزار روپیہ ادا کردیں تو اپنا باغ چھوڑا لیں اور اگر نہ ادا کریں تو وہ باغ اسی ہزار روپیہ میں تمہارے ہاتھ بیع ہے اور دوسرے یہ کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم ہمارا باغ ہزار روپیہ میں خرید لو اور زرثمن ہم کو دیدو اور یہ وعدہ ہے کہ اگر ہم دس سال میں تمہارا زرثمن واپس کردیں تو تم ہمارا باغ واپس کردو اور بیع کا اقالہ یعنی فسخ کردو سو اول معنے کے اعتبار سے تو بالاجماع حرام اور سود ہے اور دوسری صورت کو بھی فقہار متقدمین نے منع کیا ہے لیکن بعض متاخرین نے لوگوں کو مبتلا سود دیکھکر اجازت دیدی ہے اگر کسی شخص کا دل بوجہ غایت بمروتی کے ویسے قرض دینے کو گوارا نہ کرے اور بوجہ ضعف قوت تقوی کے وہ متقدمین کے قول کو بھی نہ لے تو بجز سود کی اور صورتوں سے بیع بالوفار بالمعنی الثانی پھر غنیمت ہے کہ حرمت اسکی متفق علیہ تو نہیں لوگوں کی کم ہمتی پر نظر کرکے بادل ناخواستہ کہتا ہوں کہ خیر اسی کو کرلیا کریں اور ویسے تو بچیں یہ بحث تھی قرض کے متعلق کوتاہی کی اور ایک ان اعمال مالیہ مقصودہ بالذکر میں سے کسیکو کوئی چیز عاریتاً دینا ہے اسمیں بھی بعضے لوگ بہت بخل کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اسمیں بخل کرنے کو ناپسند اور اعمال منافقین سے فرمایا ہے حیث قال فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون الذین ھم یراءون ویمنعون الماعون ۵ اور اسی حکم میں ہے وہ چیز جو بطور عاریت نہ مانگی جاوے بطور تملیک ہی مانگی جاوے لیکن ہو وہ بہت کم قیمت جیسے ایک تولہ نمک جیسے ایک لوٹہ پانی جہاں پانی کی فراغت ہو جیسے ایک مٹھی گھاس اور عاریت جیسے دیگچی پتیلی چمٹا۔ قلم بنانے کو چاقو ایک خط لکھنے کے لیے قلم دوات ومثل ذلک البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً ایک شخص کا تجربہ ہو گیا ہے کہ وہ چیز لیکر نہیں دیتا یا خراب کردیتا ہے یا بے پروائی سے کہیں ڈالدیتا ہے اہتمام کرکے ادا نہیں کرتا تو ایسے شخص کو عاریت

دینے سے انکار کردینا جائز ہے لیکن کم قیمت چیز کے دینے سے کسی سے بھی انکار نہ کرے ۔
ان طاعات مذکورہ کے علاوہ اور بھی تطوعات مالیہ ہیں کہ ؐدقتاً فوقتاً اُنکو عمل میں لانا موجب نفع خلائق ہے جیسے مہمانوں کی خدمت استادونکی اور پیرونکی خدمت دوستوں کو ہدیہ دینا روزہ داروں کے لئے افطاری لے آنا اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور بعض صورتوں میں اقارب کی خاص خدمات و انفاق واجب ہے جسکی تفصیل کتب فقہیہ میں مذکور ہے۔ بالخصوص جو صدقات جاریہ ہیں جیسے مساجد کی اعانت تعمیر یا لوٹا بوریہ دینے سے مدارس اسلامیہ کی اعانت کنواں بنا دینا پل بنا دینا راہ پر درخت لگا دینا قرآن مجید یا کتب دینیہ وقف کر دینا ومثل ذلک کہ ان کا ثواب مرنیکے بعد بھی لکھا جاتا ہے اب میں طاعات مالیہ کی فہرست میں ان مذکورات بعد الزکوٰۃ پر اکتفا کرتا ہوں طالب ذہین صاحب فہم اور متروک صورتوں کو اس سے بخوبی سمجھ کر عمل کر سکتا ہے

اصلاح معاملہ موتے

یہ معاملے تین قسم کے ہیں ایک قبل الموت یعنی مرضؔ کی حالت میں دوسرے وقت الموت یعنی موت کے بہت قریب تیسرے بعد الموت یعنی موت کے بعد جبتک اُسکے متعلق کوئی تذکرہ یا کوئی کارروائی جاری رہے اور ان تینوں قسموں میں مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں جو اختصار کے ساتھ ذکر کی جاتی ہیں۔

حالت مرض اسمیں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ بوجہ غایت ترحم مریض کو نماز کے وقت کی اطلاع نہیں کرتے اور نماز پڑھنے کے لیئے اُس سے نہیں کہتے کہ اُسکو تکلیف ہوگی بعضے مریض تو خود بھی جاہل یا کاہل ہوتے ہیں گو پہلے سے نماز کے پابند ہوں مگر مرض میں ریا تو اس وسوسہ سے کہ کپڑے خراب ہیں بدن ناپاک ہے یا صاف نہیں ہو یا یہ کہ وضو و غسل نہیں کیا جاتا اور تیمم کو دل نہیں گوارا کرتا اور اس سے طبیعت صاف نہیں ہوتی ومثل ذلک نماز قضا کر دیتے ہیں یہ تو جہل ہے اور یا کم ہمتی سے کہ کون اہتمام کرے تیمم کا پانچ سیدھا کرنیکا کہ اسمیں تکلیف ہوتی ہے اگرچہ وہ تحمل سے زائد نہیں مگر کسیقدر آرام تو فوت ہوتا ہے اور دل کو سمجھا لیتے ہیں کہ اچھے ہو کر سب پوری کر لینگے اس لیئے نماز چھوڑ دیتے ہیں اور یہ کاہلی ہے علاج اُسکا یہ ہے کہ اُنکو سمجھا جاوے کہ شریعت نے ہر حال میں آسانی کی رعایت کی ہے بدن یا پارچہ کا صاف ہونا تو کچھ فرض نہیں اگر میلے ہیں ہونے دو اسی طرح نماز پڑھو اور اگر ناپاک ہیں تو اگر اُنکے پاک کرنے میں زیادہ

ؔ اس سے مطلق مرض مراد ہے گو اُسکے بعد صحت بھی ہو جاوے ۱۲ منہ

تکلیف نہیں ہوتی تو پاک کرنا کیا دشوار ہے آخر تھوڑی بہت مشقت سے تو کوئی کام بھی خالی نہیں چنانچہ مرض میں دوا پینا کیا مشقت نہیں بعض اوقات کروٹ بدلنا مشقت ہے مگر مصلحت بدنی کے لیے اسکو گوارا کرتے ہیں اگر نماز کے لیے بھی کہ مصلحت روحانی ہے جسکی رعایت بدن سے بھی اہم اور اقدم ہے کسیقدر مشقت گوارا کرلی جاوے تو کیوں گرانی ہے اور اگر پاک کرنے میں سخت تکلیف ہوتی ہے تو بدون پاک کیے ہوئے نماز پڑھ لو کہ شرع کی اجازت ہے صرح الفقہاء بہ اور وضو اور غسل اگر نہیں ہوسکتا تو تیمم کی اجازت ہے اور اگر وضو ہوسکتا ہو اور غسل نہ ہوسکتا ہو تو وضو کرلو اور بجائے غسل کے تیمم کرلو اور طبیعت کا صاف ہونا نہونا کوئی چیز نہیں اور اگر نماز نہ پڑھی تو اس سے طبیعت کونسی صاف ہوگئی اگر آدمی کو حس ہو تو معلوم ہو کہ اس سے اور بھی گندی اور میلی ہوجاتی ہے یہ تو جہل کا علاج ہے اور ناپاک کپڑے اور بدن کے پاک کرنیکے متعلق جو ابھی مضمون لکھا گیا ہے وہ علاج ہے کاہلی کا بھی کہ کم و بیش مشقت تو ہر کام میں ہوتی ہے مثلاً ناگوار دوا پیتے ہی ہیں بلکہ ترقی کرکے کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات غذا کھانے میں بھی بعض مشقتیں لاحق ہوجاتی ہیں مثلاً مرچ لگ گئی منہ جل گیا لقمہ گلے میں اٹک گیا یا شوربے وغیرہ کا بلکہ بعض اوقات پانی کا پھندا پڑ گیا کیسی بری حالت ہوجاتی ہے بعض اوقات پان کھانے میں چونہ زیادہ ہوا یا تیز ہوا اور منہ اور زبان کے ٹکڑے اڑ گئے مگر ان عارضی مشقتوں کے سبب کوئی بھی کھانا پانی نہیں چھوڑتا اگر اسی مریض کو کہا جاوے کہ تم منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلکر اگر فلاں شخص سے جاکر ملو جو کہ یہاں سے ایک فرلانگ پر ہے تو تم کو دس روپیہ یا سو روپیہ یا ہزار روپیہ ملجاویں تو اس وقت یہ ساری مشقتیں راحت معلوم ہونے لگیں تو کیا خدا تعالیٰ کے یہاں کا اجر اتنی قدر بھی نہیں رکھتا خصوصاً جبکہ دنیوی کاموں سے بہت زیادہ ان دینی کاموں میں سہولت رکھی گئی ہے چنانچہ جب کھڑے نہ ہوسکیں بیٹھکر پڑھیں اگر بیٹھ نہ سکیں لیٹے لیٹے پڑھیں اور رکوع سجدہ سر کے اشارے سے کریں اور ایسا شاذ و نادر ہے کہ اسقدر ضعف ہوجاوے کہ سر سے بھی اشارہ نہ کرسکے لیکن اگر اتفاق سے ایسی نوبت آجاوے تو پھر شریعت کی سہولت دیکھیے کہ نماز کا مؤخر کردینا اور بعد میں قضا کرلینا اس حالت میں جائز فرما دیا پس ان سہولتوں کے بعد کسی کے پاس کیا عذر ہے اور یہ خیال کہ اچھے ہوکر قضا پڑھ لینگے نہایت ہی جرأت کا خیال ہے کیا ان کے پاس کوئی سند یا تحریر اس معاہدہ کا ہے کہ تم یا اس مرض سے ضرور اچھے کردیے جاوینگے ممکن ہے کہ یہ ان کا اخیر ہی مرض ہو مرض میں بوجہ اسکے کہ ہر مرض پیام موت ہے آدمی کو زیادہ تنبہ اور تہیۂ آخرت کیطرف زیادہ توجہ چاہیے ؎

شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

یہ تو اُن مریضوں کا ذکر تھا جن کو خود بھی جہل یا کسل سے نمازوں کا اہتمام نہیں ہوتا بعض مریض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو پورا اہتمام ہے لیکن مرض کے غلبہ سے اُن کو پورے طور سے اوقات وغیرہ کی اطلاع نہیں ہوتی یا نماز کے وقت کچھ نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے یا غایت ضعف سے آنکھیں بند ہو کر غفلت سی ہو جاتی ہے لیکن اگر اُن کو نماز کے لیے آگاہ کیا جاوے تو ہرگز کوتاہی نہ کریں مگر اوپر کے لوگ اس وجہ سے کہ اُن کو اُس مریض کی راحت جسمانیہ کے ساتھ تو اعتنا ہے لیکن دین کی کچھ مبالات نہیں اُس مریض کو اطلاع ہی نہیں کرتے یا اگر اُس کو کسی طرح اطلاع بھی ہو گئی تو اُسکی امداد نہیں کرتے مثلاً اُسکے لیے پانی یا تیمم کے لیے کلوخ نہیں لاتے اُسکی چارپائی قبلہ کی طرف نہیں بدلتے اُسکو پاک کپڑا نہیں بدلوا دیتے اس تساہل میں یا تو پھر غافل ہو گیا یا اُسپر بھی کسل غالب آگیا اور اسطرح اُسکی نماز برباد ہوئی ان لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اپنے عزیز کی تھوڑی سی معمولی تکلیف گوارا نہیں اُسکے دوزخ میں جلنے کی تکلیف کیسے گوارا کر لیتے ہیں اور اگر غایت بیرحمی سے اُسکی یہ تکلیف گوارا کر لیں تو اپنی کیسے گوارا کر لینگے اس لیے کہ یہ تعاون فی الدین واجب ہے اور یہ امر بالمعروف بالید کی ایک فرد ہے جو کہ محل قدرت اور توقع قبول میں فرض ہے اور اگر یہ وسوسہ ہو کہ جب اُسکو اوقات نماز کا ہوش نہیں ہے تو بیہوشی میں نماز معاف ہوتی تو اس کا دفعیہ یہ ہے کہ اس بیہوشی میں نماز معاف نہیں ہوتی وہ وہ بیہوشی ہے کہ جس میں آگاہ کرنے سے بھی آگاہ نہ ہو پھر اُسمیں بھی مطلقاً معافی نہیں بلکہ یہ تفصیل ہے کہ اگر چھ نمازیں متصل بیہوشی میں گذر جاویں تب تو بالکل معاف ہے یعنی نہ ادا نہ قضا اور اگر اس سے کم بیہوشی ہے مثلاً چار نمازیں یا پانچ نمازیں اس حال میں گذر گئیں تو اُس وقت تو ادا کا مکلف نہیں مگر ہوش میں آنے کے بعد اُنکی قضا واجب ہوگی اور اگر قضا میں سستی کی تو فدیہ کی وصیت مرتے وقت واجب ہوگی اور اگر وصیت میں بھی غفلت ہوئی تو وارث کو ثواب ہوگا اگر فدیہ ادا کر دیا لیکن اس صورت میں اپنے حصہ میں سے ادا کرے مشترک ترکہ سے ادا نہ کرے۔

بعضے مریض یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ باوجودیکہ وضو سے کوئی ضرر نہیں پھر تیمم کر لیتے ہیں بعض دفعہ اور لوگ وضو سے روکتے ہیں کہ میاں تیمم کر لو شرع میں آسانی ہے اسی طرح بعض دفعہ باوجود قدرت علی القیام بیٹھکر نماز پڑھ لیتے ہیں بعض دفعہ نماز ہی میں باوجود قدرت ضبط کے غایت کم ہمتی سے کراہتے ہیں آہ آہ خوب صاف لفظوں سے کہتے ہیں اور اسکی پرواہی نہیں کرتے کہ ہماری نماز رہیگی یا جاویگی سو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مطلق مرض سے تیمم یا قعود کی اجازت نہیں اسمیں ابواب فقہ کی تحقیق کرنا ضروری ہے اسطرح قدرت

ضبط ہوتے ہوتے آہ یا ہائے وغیرہ کرنے سے نماز جاتی رہتی ہے نماز بڑی احتیاط کی چیز ہے اُس کو بیگار نہ سمجھے
بعضے ان ظاہری بے احتیاطیوں کے مقابل ایک دقیق بے احتیاطی کرتے ہیں جو ظاہراً اُن کے زعم میں بڑا
تقویٰ ہے وہ یہ کہ خواہ اُن پر کچھ ہی مصیبت گذر جائے خواہ کیسا ہی مرض بڑھ جاوے اور خواہ مر ہی جاویں
مگر تیمم جانتے ہی نہیں مر جاینگے چھینٹے کھینگے مگر وضو ہی کرینگے سو حقیقت میں اس غلو کے معنے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ نے
ایسا حکم دیا ہے جو واقع میں ناقص ہے اسلئے ہم اسکو نہیں قبول کرتے اصل میں شیطان کی مطرودیت کا مبنیٰ اُس کا
یہی خیال ہے کہ یہ حکم حق تعالیٰ کا نامناسب ہونیکے سبب قابل عمل نہیں یہ معصیت تو اُسکے عقیدہ کی ہوئی
اور اگر اسکو کوئی ضرر شدید پہونچا..... تو اہلاک نفس سے معصیت عملی ہوگی خوب فرمایا ہے ؎

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا — ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ

حدیث لیس من البر الصیام فی السفر اور دوسری حدیثیں بھی اسکی صاف ادلہ ہیں یہ کوتاہیاں تو نماز کے
متعلق تھیں ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ مریض کا ستر چھپانے کا اہتمام نہیں کیا جاتا اگر زانو کھل گیا تو کوئی پروا
نہیں کی جاتی اگر ران کھل گئی تو کچھ خیال نہیں کیا جاتا اگر بضرورت تداوی کسی موقع کے کھولنے اور دیکھنے
کی حاجت ہوئی تو اسکی احتیاط نہیں کہ بقاعدۂ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ اُتنا ہی بدن کھلے جسکے کھلنے
کی ضرورت ہے یا صرف اُنھیں لوگوں کے سامنے کھلے جن کا تعلق اس تداوی سے ہے وہ بھی دیکھتے ہیں اور
دوسرے حاضرین اور عیادت کرنے والے بھی بے تکلف دیکھینگے بلکہ اُس کو ہمدردی سمجھینگے غرض نہ دوسروں کو
دیکھنا جائز اور نہ مقدار ضرورت سے زیادہ دیکھنا جائز یہاں تک کہ اگر عورت کے جننے کے وقت کافر دائی حاضر ہو تو موقع
تولد کا دیکھنا تو اُسکو اگر حاجت ہو درست ہے لیکن بوجہ اسکے کہ کافر عورت نامحرم مرد کے حکم میں ہے اُسکے روبرو
عورت کو سر کھولنا حرام ہوگا کیونکہ اُس کا کھولنا بلا ضرورت ہے اسی طرح اگر عورت کے ہاتھ میں فصد لی جاوے تو
فصاد کو تو موقع فصد کا دیکھنا جائز ہے مگر دوسرے حاضرین کو وہاں سے ٹلجانا یا آنکھ بند کر لینا یا منہ پھیر لینا
واجب ہے اوروں کو اجازت نہیں کہ اُسکے ہاتھ کا وہ حصہ کھلا ہوا دیکھیں اسیطرح ختنہ میں اگر کچھ سیانا ہو چکا
کھلا ہوا بدن دیکھنا جائز نہیں تو ختان کو تو بقدر ضرورت دیکھنا درست ہے دوسروں کو درست نہیں اسی طرح اگر کسی کو
مستورہ میں دنبل وغیرہ میں شگاف دیا جاوے تو جراح یا ڈاکٹر کے سوا یا ایسے شخص کے سوا جسکے دیکھنے میں کوئی
مصلحت معالجہ کی ہو دوسروں کو اس موقع کے دیکھنے کی اجازت نہیں یہ جزئیات استطراداً ذکر کر دیئے گئے
اصل مقصود بیان کرنا مریض کے ستر کا ہے

یہ حماقت شعار اتنا نہیں سمجھتیں کہ اس وقت کا تو مقتضا یہ تھا کہ اگر وہ خود بھی بچوں کو یاد کرتا تو اُسکو کہا جاتا
کہ تم حق تعالیٰ کیطرف خیال رکھو البتہ اگر بہت ہی یاد کرے تو سرسری طور پر سامنے کر دیں تاکہ اس کا دل
اُن میں اٹکا نہ رہے لیکن اگر خود یاد نہ کرے تو ہرگز اُسکو یاد نہ دلاوے اور یہ بھی مقتضا تھا کہ بچوں کو وہاں سے
ہٹا دیا جاتا تاکہ وہ پریشان نہوں اور اگر وہ گھبراتے تو اپنے آنسو پوچھکر اُن کو دلاسا دیا جاتا کہ تم کیوں گھبراتے
ہو اُس سے زیادہ ہم تمھارے شفیق اور خدمت کرنے والے موجود ہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تطییب قلب مسلم
اور تسلیہ محزون عبادت عظمیٰ ہے اسی طرح بیوی کی تسلی کرتے کہ بھائی لاعلاج بات کا علاج تو ہماری قبضہ
سے باہر ہے اور اس کا علاج تمھاری پریشانی سے بھی نہیں ہو سکتا باقی تمھاری راحت رسانی اور دلجوئی کی
لیئے ہم حاضر ہیں تم اسقدر پریشان نہو غرض اسمیں ایک تو یہ پریشانی ہے دوسرے وہی مخلوق کیطرف
اُسکو متوجہ کرنا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اسی طرح بعضے مرد بھی جو زنانہ مزاج کے ہیں وہ بھی یہی ناشائستہ
حرکت کرتے ہیں اسی واسطے سخت ضرورت اس امر کی ہے کہ قرب موت کے وقت میت کے پاس عاقل دیندار
لوگ ہوں اگر گھر کی عورتیں اتفاق سے ایسی ہوں تو اُن کے رہنے کا مضائقہ نہیں ورنہ مردوں میں جو ایسے
لوگ ہوں اُنکو پاس رہنا چاہیے اور وہ ان سب امور کی احتیاط اور انتظام رکھیں بعضے لوگ یہ کرتے ہیں کہ بدفالی
کے خیال سے یا قلت مبالات بالدین کی وجہ سے نہ اُس وقت یٰس پڑھیں اور نہ پڑھنا گوارا کریں یا اسطرف
التفات نہ کریں اور نہ کلمہ کلام کا اہتمام کریں نہ اُسکو متوجہ کریں جبکہ اُس کو ہوش ہو اور نہ خود اسمیں مشغول ہوں
جبکہ اُسکو ہوش نہو بلکہ دنیا کے فضول قصوں میں خصوص اُن بکھیڑوں میں جنکی ضرورت بعد میں ہوگی مگر
ابھی سے مشغول ہو جاتے ہیں بعض جگہ تو کوئی اُسکے پاس بھی نہیں رہتا اور وہ تنہا ہی ختم ہو جاتا ہے سب
ادھر اُدھر مال و متاع پر قبضہ کرنے کی فکر میں بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور بعض جگہ اسلیئے اُس کے پاس نہیں
پھٹکتے کہ اُسکی بیماری لگ جانے کا خوف ہوتا ہے اول تو بعض.... محققین کے نزدیک نفس تعدیہ ہی غلط ہے
دوسرے اگر بعض کے قول پر کہیں ہوا بھی تو بلا اذن خالق نہیں ہوتا اور نہ اذن دائم ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ
شاہد ہے کہ اکثر جگہ کچھ بھی نہیں ہوتا پھر کتنی سنگدلی کی بات ہی کہ اپنے کو تو ضرر محتمل سے بھی بچایا اور
اپنے ایک بھائی مسلمان کو یعنی اُس مریض کو ضرر متیقن میں مبتلا کیا کیونکہ اسطرح تنہا رہ جانے سے اسکی
بعض ضروریات میں فرو گذاشت ہونے سے اسکو تکلیف بھی ہوگی اور اسکی دلشکنی بھی ہوگی اور ان کے
[illegible] اگر یہ بیمار گرفتار ہوں یا یوں بھی ہو جاویگا تو کتنی کلفتیں

اُس پر جمع ہوئیں اور ان محتاط صاحب کی ایک وہمی احتیاط ہوئی تو ایسی احتیاط خاک ڈالنے کے قابل ہے اور افسوس تو یہ ہی کہ جو طبقہ ادّعاء زہد کے نعرے لگاتا ہی وہی اس لغو احتیاط میں زیادہ حصہ لیتا ہی۔ یہ تو انکی شکایت تھی جو کہ مریض کیلئے خواہ پاس رہ کر یا اُسکو تنہا چھوڑ کر اُسکے متوجہ الی اللہ کرنیکا اہتمام نہیں کرتے بعض لوگ ان کے مقابلہ میں دوسری طرف غلو کرتے ہیں یعنی بزعم خود اُسکو متوجہ الی اللہ کرنے میں اسقدر متشددانہ برتاؤ کرتے ہیں کہ اُسکے پیچھے ہی پڑ جاتے ہیں کہ وہ ذرا غافل ہوا اور اُسپر تقاضا شروع ہوا کہ کلمہ پڑھنا استغفار پڑھنا اور اگر اُس کو ہوش نہوا تو برابر اُسکے سر ہوتے ہیں جبتک کہ وہ اُن کا حکم نہ مانے اور اگر ہوش آگیا اور اُسنے پڑھ بھی لیا تو اسپر کفایت نہیں کرتے پھر پڑھواتے ہیں چاہتے ہیں کہ اموختہ کی طرح پڑھتا ہی رہے دم نہ لے اللہ بچاوے اس جاہلانہ زہد خشک سے۔ اس بات میں علماء کا یہ ارشاد ہی کہ اگر وہ ہوش میں ہو تو اُسکو بسہولت کلمہ و استغفار کی طرف متوجہ کریں اور جب وہ ایکبار پڑھ لے توبہ کر لے پھر چھوڑ دیں پھر جبتک وہ کوئی دنیا کا کلام نہ کرے دوبارہ پڑھنے کو نہ کہیں وہ مرض میں اور نزع میں پریشان ہوتا ہے اگر اُسکے قلب میں تنگی پیدا ہو کر کلمہ و استغفار سے (نعوذ باللہ) کراہت و ناگواری ہوئی یا خدانخواستہ منہ سے انکار نکل گیا تو کس درجہ امر منکر ہے گو اُسوقت کا ایسا فعل بھی قواعد شرع سے قابل اعتراض نہیں کیونکہ وہ وقت پورے شعور اور پورے اختیار کا نہیں ہی لیکن تاہم عام دیکھنے سننے والوں کی نظر میں اُس میت کی کتنی رسوائی ہے جس کا سبب یہ زاہد خشک بنا ہے اور اگر وہ بالکل بیہوش ہی تو اُسکو کچھ پڑھنے وڑھنے کیلئے نہ کہیں اُسکے قریب پکار پکار کر سورہ یسین شریف اور کلمہ کلام وغیرہ پڑھتے رہیں تاکہ اگر قدرے ادراک ہو یا ہو جاوے تو قلب سے تو اُدھر متوجہ رہے اور اسی توجہ میں خاتمہ ہو بعضے آدمی اس سے بڑھکر یہ کرتے ہیں کہ اخیر وقت تک اُس سے باتیں کرانا چاہتے ہیں اور بڑھکر اس لیئے کہا کہ ان زاہدان خشک نے تو اُس سے کلمہ ہی پڑھوانا چاہا تھا جو کہ دین کا کام ہے اُنہوں نے دنیا کی باتیں کرانا چاہا یعنی جہاں وہ ذرا بیہوش ہوا اُسکو پکارتے ہیں کہ میاں فلانے ذرا آنکھ تو کھولو مجھکو تو دیکھو میں کون ہوں تم کیسے ہو کچھ کہو گے کسی بات کو دل چاہتا ہے اور اسی طرح کی خرافات لغویات میں اُسکو دق کرتے ہیں ان عقل کے پتلوں سے کوئی پوچھے کہ یہ ان باتوں کا وقت ہی اگر اُس کا مرض مرض موت نہیں ہے اور اچھا ہو جاویگا .... تو اچھا ہو جانیکے بعد جتنی چاہے باتیں کر لیجیو اس وقت اُسکو کیوں

تکلیف دیتے ہو مرض میں ایسا تعب ہوتا ہے کہ بات کرنا تو بڑی بات ہی بات سُننا بلکہ کسی طرف
دیکھنا خیال کرنا گراں گذرتا ہے اور یہ بزرگ اس سے مجلس آرائی کی توقع رکھتے ہیں اور اگر
اس کا مرض مرض موت ہی تو ایسی باتیں کرنا اور بھی برا ہے۔ کیونکہ قطع نظر تکلیف سے یہ
سمجھنا چاہیے کہ اب اسکو دنیا میں بہت تھوڑا وقت ملیگا سو اُسکو تو اچھے مصرف میں صرف
کرنا چاہیے البتہ اگر کوئی ایسی بات ہو جو شرعاً ضروری ہی مثلاً کسی امانت کو پوچھا جاوے کہ
تمنے کہاں رکھدی ہی یا قرضہ اور لین دین کے بارہ میں پوچھا جاوے جس کا حال بدون اُسکے
دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہو سکتا یا کافی نہیں ہو سکتا یا اور اسی قسم کا کوئی حق واجب ہو اُسکے
کے متعلق پوچھ پاچھ کرنیکا مضائقہ نہیں بلکہ ضروری ہی بشرطیکہ اُسکو زیادہ تنگی اور تکلیف نہ ہو جو
تحمل سے زاید ہو سو ایسی بات درحقیقت دنیا کی بات نہیں اسلئے واجب ہی جو طاعت کی فرد اعظم ہی
اور چونکہ صورتاً دنیا ہی کی بات ہی اس لئے بہتر ہے کہ ایسی بات کا جواب لینے کے بعد پھر تہلیل
و استغفار پر ختم ہو جاوے بشرائط مذکورہ سابقاً بعض لوگ قریب مرگ کو روبقبلہ کرنیکا مسئلہ سن کر یہ
کرتے ہیں کہ اُسکا تمام بدن اور منہ پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اگر وہ نزع روح میں بدن یا گردن کو حرکت
دے جو حرکت اضطراریہ ہوتی ہے تو پھر مروڑ تروڑ کر رُخ بدل دیتے ہیں سو خوب سمجھ لینا چاہیے
کہ اس مسئلہ کا یہ مطلب نہیں بلکہ مطلب یہ ہی کہ جب اُسپر شاق نہو یا وہ بالکل بیحس وحرکت ہو
جاوے اُسوقت روبقبلہ کردیں نہ یہ کہ اُس سے کشاکشی کر کے اُسکو تکلیف پہنچادیں (در مختار)
ایک بے احتیاطی یہ ہوتی ہی کہ اُسوقت اکثر نامحرم عورتیں بھی اُسکے سامنے آکھڑی ہوتی ہیں گویا
پردہ ضروری نہیں رہتا سو اگر اُسکو اتنا ہوش ہی کہ وہ دیکھتا سمجھتا ہی تب تو اُسکے سامنے آنا
ایسا ہی جیسا تندرست کے سامنے آنا مرض سے احکام معاف نہیں ہو گئے اور اگر اُسکو اتنا ہوش
نہیں ہی تو بہت سے بہت اُس نے نہ دیکھا مگر اُن عورتوں نے تو اُس نامحرم مرد کو بلا ضرورت
دیکھا جسکی ممانعت حدیث افعمیاوان انتما الستما تبصرانہ میں مصرح ہی اور اگر کہا جاوے کہ اُس
وقت تو کسی مفسدہ کا احتمال نہیں ہی سو جواب یہ ہی کہ اول تو حکم عام ہے مفسدہ کی قید نہیں ہے
دوسرے ہمنے مفسدہ بھی دیکھا ہی بعض عورتیں اُسوقت دیکھ کر عاشق ہو گئی ہیں اور عمر بھر خیال اسکے
بخس میں مبتلا رہی ہیں گو اُن کے ایقاع کی گنجایش نہیں رہی تو العینان تزنیان ۔ اور

القلب بن گئی تو صادق آگیا ایک کوتاہی جو نہایت عام ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے کہتے ہیں کہ شوہر کو مہر معاف کردے اور وہ معاف کردیتی ہے اور شوہر اس معافی کو کافی سمجھ کر اپنے کو دین مہر سے سبکدوش سمجھتا ہے اور اگر کوئی وارث مانگے بھی تو نہیں دیتا اور نہ اُس کا دینا ضروری سمجھتا ہے سو خوب سمجھ لیا جائے کہ اسوقت کی معافی وصیت ہے اور وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی جبتک کہ سب ورثہ بشرط بلوغ اُسکو منظور نہ کریں اور اگر بعض جائز رکھیں بعض نہ رکھیں تو صرف جائز رکھنے والوں کے حصہ کے قدر نافذ ہوگی باقی باطل ہوگی اور نابالغ تو اگر جائز بھی رکھیں تو صحیح نہیں پس اس صورت میں جو وارث نابالغ ہیں اُنکے حصہ کا مہر اور اسی طرح جو بالغ وارث جائز نہ رکھیں اُن کے حصے کا مہر بھی واجب الادا ہوگا اور وہ معافی اُن کے حق میں محض باطل ہے مثلاً اُس عورت کے وارث علاوہ شوہر کے تین بھائی ہیں ایک نابالغ اور دو بالغ جن میں سے ایک نے اس معافی کو منظور کیا اور دوسرے نے نامنظور کیا اور مہر چھ سو روپیہ تھا تو اس صورت میں یہ حکم ہوگا کہ تین سو تو حصہ شوہر کا ہیں آکر معاف ہوگئے اور سو روپے بالغ منظور کرنے والے کے حصہ میں آکر معاف ہوگئے آگے دو سو روپے رہے سو ایک سو نامنظور کرنیوالے کا حق اُس شوہر کے ذمہ ہے اور سو اُس نابالغ کا حق اُسکے ذمہ ہے یہ دو سو روپے ادا کرنا ہونگے یہ مختصر تذکرہ ہوا حالت موت کیوقت کی بعض کوتاہیوں کا اب حالت بعد الموت کے متعلق لکھا جاتا ہے۔

حالت بعد الموت

اس میں اسقدر امور غیر مشروعہ شائع ہیں جن کا احصار مشکل ہے اُن میں سے اکثر کو میں نے اصلاح الرسوم فصل چہارم میں مفصل و مدلل لکھا ہے یہاں صرف اُنکی فہرست لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ دفن میں اعزا وغیرہ کے انتظار میں دیر کرنا قبر پر اناج لیجانا۔ جانماز اور اوپر کا چادر اترکہ میں سے خریدنا میت کے کپڑے بلا تقسیم ورثا کے مساکین کو دیدینا۔ تیجہ دسواں وغیرہ کرنا۔ برادری کو یا مساکین کو تفاخراً کھانا دینا۔ کئی بار عورتوں کا جمع ہونا جس میں ایک اجتماع انقضاء عدت کے دن ہوتا ہے۔ بلا ضرورت دور دور سے مدتوں تک مہمانوں کا آنا اور میت والوں پر بار ڈالنا۔ خاص قواعد کیساتھ میت کے گھر اوّل روز کسی عزیز کے یہاں سے کھانا آنا۔ حفاظ وغیرہ کو کچھ دیکر قرآن مجید پڑھوانا مدت تک سوگ کرنا یہ تو عام اموات کیساتھ معاملہ ہوتا ہے اور بعض معاملہ خاص بزرگوں کے ساتھ

ہوتے ہیں جس کو رسالہ مذکور کے باب مذکور کی فصل دوم و سوم میں ذکر کیا گیا ہی جیسے عرس و فاتحہ
مروجہ کے منکرات اور شب برات کا حلوا اور عاشورہ کا کھچڑہ اور شربت کہ اُن کی بحث بھی بہت
مبسوط لکھدی ہی اگر شوق ہو اُس میں لاحظہ فرمالیا جاوے اب بعض وہ معاملات اس تیسری حالت
کے متعلق مختصراً لکھتا ہوں جو اُس میں نہیں لکھے گئے پس اُن میں سے ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے
تقویٰ کے جوش میں آکر ترکہ مشترکہ میں بلا وصیت میت نماز روزہ کا فدیہ دلواتے ہیں سو اُسمیں
حکم یہ ہے کہ اگر وہ وصیت کرے تو ثلث میں سے دینا حق ورثار پر مقدم ہے اور اگر وہ وصیت نہ
کرے جس کو دینا ہو خاص اپنے حصے ترکہ یا اپنے پہلے مال سے دے ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض
لوگوں نے بجائے فدیہ کے ایک حیلہ اختراع کیا ہی کہ ایک قرآن مجید لاتے ہیں اور تمام عمر کی نماز و
روزہ بلکہ کہیں کہیں کے معاصی کا بھی حساب لگا کر اُس قرآن کی اتنی بڑی قیمت تجویز کرکے کسی مسکین کو
دیدیتے ہیں اور اُس کا نام اسقاط رکھا ہی چونکہ وہ رسم کسی قاعدہ فقہیہ پر منطبق نہیں اسلیے محض باطل
ہے ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعض لوگ مردہ کو دفن کرکے قبر پر اذان کہتے ہیں چونکہ شریعت میں کہیں وارد
نہیں اسلیئے واجب الترک ہی۔ ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعض دیہات میں جہاں کوئی نماز پڑھنے والا میسر
نہیں میت کو بدون نماز جنازہ کے دفن کر دیتے ہیں میں نے ایک بار خطبہ میں جبکہ بہت دیہاتی
جمع تھے اسکی تدبیر بتلادی تھی کہ اگر ایک آدمی بھی وضو کرکے جنازہ سامنے رکھکر کھڑا ہو کر صرف
چار بار اللہ اکبر کہدے تو نماز فرض جنازہ کی ادا ہو جاویگی کیونکہ رکن اس نماز کا یہی چار تکبیریں ہیں
باقی دعائیں وغیرہ سنت ہیں سو جہاں ایسا موقع ہو اتنا ہی کرلیں ترک فرض کی معصیت سے تو
محفوظ رہیں گے ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ مردہ کو قبر میں رکھکر صرف مُنہ تو قبلہ کیطرف متوجہ کردیتے
ہیں باقی سارے بدن کو کروٹ نہیں دیتے سو کتب فقہ میں مصرح ہے کہ تمام بدن کو اچھی طرح کروٹ
دیدینا چاہیئے۔ ایک کوتاہی یہ کرتے ہیں کہ قبر میں رکھنے کے بعد اُس کا منہ کھول کر قبر کو دکھانا ضروری
سمجھتے ہیں سو شریعت میں اسکی کچھ اصل نہیں۔ ایک کوتاہی یہ ہی کہ قبر میں عہد نامہ یا شجرہ وغیرہ
رکھتے ہیں اور میت کے گلنے سڑنے سے اُسکی بے ادبی ہوتی ہے سو اسکو بھی ترک کرنا چاہیئے۔
البتہ جس چیز کا ادب شریعت میں اس درجہ کا نہیں اُس کا قبر میں رکھدینا درست ہی جیسے
کسی بزرگ کا کپڑا وغیرہ۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے قبر پختہ بناتے ہیں جس کی نصاً

حدیث میں ممانعت آئی ہے ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے جو بنص
قرآن حرام اور ظلم ہے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضی بیوہ عورتیں اپنے کو تمام منقولات کا مالک سمجھتی
ہیں یہ بھی ظلم ہے جو چیز شوہر نے اُسکو ہبہ کردی ہو وہ تو بیشک اُسکی ہے ورنہ اور سب ترکہ مشترک ہے
حسب فرائض سب کو دینا چاہیے ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو چیز جس وارث کے قبضہ میں آجاتی ہے وہ
اُس کو چھپا ڈالتا ہے مگر یاد رہے کہ قیامت کو سب اُگلنا پڑیگا ایک کوتاہی سہی کا شعبہ یہ ہے کہ
اگر دلھن اپنے میکے میں مرجاوے تو اُسکے تمام سامان پر وہ لوگ قبضہ کرلیتے ہیں اور اگر سسرال
میں مرجاوے تو وہ قابض ہوجاتے ہیں ہمنے کہیں تقسیم شرعی ہوتے سُنا ہی نہیں اس میں
بھی اوپر کی وعید کو یاد رکھنا چاہیئے۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بجز قرضہ تمسک کے دست گردان قرض
جو میت کے ذمے ہو اور دلیل شرعی سے ثابت ہو اُسکو کوئی شاذ و نادر ترکہ سے ادا کرتا ہے
صاف انکار کردیتے ہیں جیسا کہ میت کا جو ایسا ہی قرضہ اوروں کے ذمے ہے اور لوگ اُس کو
بھی مکر جاتے ہیں دونوں امر صریح ظلم ہیں خصوص میت پر اگر قرضہ ہو تو ورثہ کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ بروئے
حدیث اُسکی روح جنت میں جانیسے معلق رہیگی جبتک قرض نہ ادا ہو تو کیا اپنے عزیز کیلئے اتنا بڑا
حرمان گوارا ہوگا۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ کبھی میت کے وارثوں میں وہ بچہ بھی ہوتا ہے جو ابھی بطن
مادر میں ہے ہمکو یاد نہیں کہ کسی مستفتی نے سوال میں کبھی اسکو ظاہر کیا ہو اور ہم جواب دینے والے
لوگوں کی بھی کوتاہی ہے اس کا احتمال ہی نہیں ہوتا اور سائل سے اسکی تحقیق ہی نہیں کرتے
مذہب کا ضروری مسئلہ ہے بہت زیادہ قابل اعتنا کے ہے بدون اسکے تولد کے تقسیم ترکہ کی
صورت معلق رہیگی بعد تولد کے صحیح سوال قایم ہوگا ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعض جگہ کفن میں میت
کی لنگی باندھی جاتی ہے جو بالکل بدعت ہے بعض اردو خوانوں کو ازار یا اس کا ترجمہ لنگی
دیکھ کر دھوکہ ہوا ہے سو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بھی پورا چادرا ہی ہوتا ہے چونکہ لنگی کے حصہ کا وہ
چادرا مشروع ہوا ہے اس لئے اُس کا نام یہی ہوگیا۔ ایک کوتاہی یہ ہے کہ بعضے لوگ شوہر کو
اُسکی مردہ بیوی کا مُنہ نہیں دیکھنے دیتے نہ اُسکے جنازہ کا پایہ پکڑنے دیتے ہیں یہ محض لغو ہے
میت کو ہاتھ لگانا تو بلا ضرورت جائز نہیں لیکن مُنہ دیکھنا درست ہے اور پایہ پکڑنا مستحب ہے
بلکہ اگر کوئی محرم قبر میں اُتارنیوالا نہ ہو تو اور اجنبیوں سے شوہر احق ہے اور عورت کیلئے تو مردہ شوہر

کو دیکھنا اور ہاتھ لگانا بھی درست ہے۔ ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعض جگہ نماز جمعہ کے انتظار میں جنازہ کو رکھے رہتے ہیں کہ زیادہ نمازی نماز پڑھیں گے سو یہ بالکل جائز نہیں جسقدر جلد ممکن ہو نماز اور دفن سے فراغت کرنا واجب ہی۔ ایک کوتاہی یہ ہی کہ بعضے اموات کسی خاص شخص سے نماز پڑھوانے یا کسی خاص مقام پر دفن ہونے کی وصیت کر جاتے ہیں تو احیا اُس کا اسقدر اہتمام کرتے ہیں کہ بعض اوقات بعضے واجبات شرعیہ بھی ضائع ہو جاتے ہیں سو جان لینا چاہیے کہ ایسی وصیتیں شرعاً لازم نہیں ہیں اگر کوئی امر خلاف شرع لازم آوے تو اُسپر عمل جائز بھی نہیں۔

الحمد للہ قسم سوم سے بھی فراغت ہوئی۔ اسوقت ذہن میں یہی امور ظاہر ہوئے جو انشاء اللہ تعالیٰ قریب قریب کافی ہیں باقی اگر کوئی اور بات قابل تحقیق خیال میں آوے تو علماء سے رجوع کر لیا جاوے جیسا حالت قبل موت کے بیان کے ختم پر بھی عرض کیا ہی

اصلاح معاملۃ السفر

منجملہ اُن امور کے جنمیں انقلاب واجب الاصلاح واقع ہوا ہے سفر بھی ہی جو ایک معمولی روزانہ کی حالت ہی جس کی وجہ سے اسکے انقلاب کی طرف ذہن بھی نہیں جاتا۔ مگر ہماری بے علمی اور بدعملی سے اتنا بڑا خفیف امر بھی اس انقلاب سے محفوظ نہیں رہا چنانچہ مختصراً اُسکو بھی لکھا جاتا ہی سو منجملہ اُن کوتاہیوں کے جو سفر کے متعلق ہیں ایک یہ ہی کہ بکثرت سفر بلاضرورت کیا جاتا ہے جسکو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد میں ناپسند فرمایا ہے کہ جب سفر میں تمہاری حاجت پوری ہو جاوے تو اپنے گھر جلدی لوٹ آؤ سو اسواسطے کہ سفر سے کھانے پینے سونے میں خلل پڑتا ہی اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ جب بلاضرورت اقامت سفر پسند نہیں تو اُسکا احداث تو بدرجہ اولیٰ ناپسند ہوگا کیونکہ احداث سے ابقاء اہون اور اسہل ہے اور واقعی جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے سفر میں تمام سامان ضروری آسایش کا مختل ہو جاتا ہی اور جس طرح طبعی آسایش میں خلل پڑتا ہی اُسی طرح شرعی زندگی میں یعنی دینی معمولات میں بھی اختلال واقع ہوتا ہی جو مبتدی کیلئے خصوصیت کیساتھ اور منتہی کیلئے بھی ایک درجہ میں مضر ہے اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ ایک حدیث میں نص ہے کہ اگر مرض یا سفر کے سبب معمولات میں

خلل پڑتا ہی تو حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتے ہیں کہ میرے بندہ کیلئے اتنا ہی ثواب لکھو جتنا حالت صحت وحضر میں لکھتے تھے اھ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اختلال معمولات اوراد کا مضر نہیں جواب یہ ہی کہ اُس سفر کیلئے ہی جو بضرورت ہو اسلئے کہ اوپر غیر ضروری سفر کا ناپسندیدہ ہونا ثابت ہو چکا ہی تو اسکو اجر کے باب میں عذر کیسے کہا جاویگا اور اجر کی قید اسلئے لگائی کہ ایسے سفر میں قصر صلوٰۃ کی مشروعیت پر شبہ نہو حتیٰ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تو سفر معصیت میں بھی قصر مشروع ہے تو اس قید سے یہ شبہ جاتا رہا حاصل یہ ہی کہ قصر تو احکام دنیویہ سے ہی اسکے لئے سفر کا مرضی یا نا مرضی ہونا مانع نہیں بخلاف اجر کے کہ احکام اخرویہ میں سے ہی اس کا مدار رضا پر ہے جیسے ایک شخص کسی دنیوی غرض سے قتال کرکے شہید ہو جاوے تو اُسکے متعلق جو احکام دنیویہ ہیں مثلاً غسل نہ دینا وغیرہ وہ تو اس صورت میں بھی مرتب ہو جاوینگے باقی جو احکام اخرویہ ہیں مثلاً اجر و ثواب و درجات وہ مرتب نہوں گے جبتکہ وہ قتال عنداللہ مرضی و پسندیدہ نہو کہ نیت خالص اعلاء کلمۃ اللہ کی ہو اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ کھانے سونے میں خلل پڑنا تو مجاہدہ ہے اور مجاہدہ ہی اصل طریق ہے تو اس کا سبب کہ سفر ہے کسی حال میں ناپسندیدہ نہونا چاہئے کیونکہ اول تو ہر اختلال فی الطعام والمنام مجاہدہ نہیں مجاہدہ وہی ہی جو بغرض اصلاح نفس کیا جاوے تو اگر ایسا ہی ہو تو اُس میں کلام نہیں چنانچہ عنقریب اُسکے جواز کی تحقیق آتی ہے کلام تو اُس سفر میں ہے جو محض بلا مصلحت معتد بہا کیا جاوے مثلاً صرف تعطیل پوری کرنے کو یا محض شہر کی سیر کرنے کو یا نمائش دیکھنے کو و نحو ذلک یا اس سے بڑھکر کسی معصیت کی تحصیل و تکمیل کو اس میں کونسی اصلاح نفس ہے پس اس میں جو اختلال ہوگا وہ مجاہدہ کس طرح ہوگا اور یہ بھی شبہ نہ کیا جاوے کہ بہت سے بزرگوں سے منقول ہی کہ اُنہوں نے اپنی تمام عمر ہی سیر و سیاحت میں گذار دی ایک جگہ قرار ہی نہیں لیا اور ظاہر ہے کہ تمام عمر کسی کو حاجت نہیں رہتی تو اُنہوں نے کیا حدیث کے خلاف کیا جواب یہ ہی کہ حاجت منحصر دنیوی اور نفسانی ہی حاجت میں نہیں ہے اس سے زیادہ اپنی اصلاح اور حفظ دین کی حاجت ہی سو بعضے بزرگوں کو اپنے تجربہ سے یا کسی شیخ کامل کی تشخیص سے قیام میں مضرتیں محسوس ہوئیں مثلاً مخلوق سے زیادہ تعلق ہو جانا۔ لوگوں کا معتقد ہو جانا جبکہ اس سے عجب وغیرہ کا اندیشہ ہو یا بد اندیشوں سے اندیشہ ضرر لاحق ہونا و مثل ذلک او سفر

میں ان آفات سے نجات دیکھی اور غوائل سفر سے محفوظ رہنے کی اُمید دیکھی اس لئے سفر اختیار کر لیا سو وہ سفر بلا ضرورت نہوا جیسا کہ سیر میں مذکور ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اکثر سفر میں رہتے تھے سو اختلاف مذاق سے مصلحتیں بدل جاتی ہیں مگر اس کا تشخیص کرنا کہ ہمارے لئے سفر نافع ہی یا مضر موقوف ہی بڑی بصیرت پر ہر شخص کو اپنی رائے پر وثوق نہ کر لینا چاہیے کسی شیخ کامل سے ضرور مشورہ کر لے کہ اُسکی اور اُس کے متعلقین اہل حقوق کے مصالح پر عمیق نظر کر لے اور جس طرح دینی مصلحت مبیح سفر ہے اسی طرح دنیوی مصلحت بھی جو حسب قواعد شرع بھی مصلحت ہو مجوز سفر ہے جیسا تلاش معاش حلال کیلئے سفر کرنا یا تعدیل مزاج کیلئے سفر کرنا جبکہ طبیب نے تجویز کیا ہو یا کسی دوست یا قریب سے ازدیاد محبت وسرور کیلئے سفر کرنا یا کسی نافع تحقیق کیلئے سفر کرنا بشرطیکہ اُس میں غلو نہو جیسا بعض شایقان تحقیقات جدیدہ کو غلو ہو گیا ہے کہ اُن کی مساعی شاقہ اس مثل کا مصداق ہو جاتی ہیں کوہ کندن وکاہ برآوردن جن کی مذمت اس آیت میں بھی ہی وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھم اشد منھم بطشا فنقبوا فی البلاد الآیۃ

اور جب بلا ضرورت سفر مذموم ہے تو معصیت کیلئے سفر کرنا تو بہت ہی قبیح ہوگا پھر بعض امور تو صورۃً بھی معصیت ہیں جیسے کسی نامحرم عورت سے نفسانی خواہش پورا کرنے کو سفر کرنا یا ناچ رنگ دیکھنے کیلئے سفر کرنا یا نامشروع رسوم شادی میں شریک ہونیکے لئے سفر کرنا و مثل ذلک۔ اور بعض امور عوام کے نزدیک طاعات و قرب ہیں مگر اہل علم کے نزدیک معصیت ہیں جیسے آجکل کے اعراس میں جانا مزارات پر نذر و نیاز کیلئے حاضر ہونا یا عوام کے نزدیک مباح ہیں اور اہل علم کے نزدیک قبیح ہیں جیسے اُن شادیوں میں یا براتوں میں شریک ہونا جن میں ناچ رنگ وغیرہ نہو لیکن تفاخر و ناموری کے سارے کام ہوں عوام تو یہ سمجھ کر تسلی کر لیتے ہیں کہ اسمیں ڈومنی نہیں ناچ نہیں گناہ کی کیا بات ہی لیکن اہل علم کے نزدیک جس طرح یہ امور معصیت ہیں اسی طرح کبر و فخر و ریا و جاہ کا سامان سب معصیت ہی ان دونوں میں فرق کرنا اہل علم کی نظر میں محل تعجب ہے ولنعم ما قیل ؎

ریا حلال شمارند و جام بادہ حرام | زہے شریعت و ملت زہی طریقت و کیش

اور بعض امور ایسے دقیق ہیں کہ بعض اہل علم بھی اُن کو مباح یا قربت سمجھتے ہیں مگر محققین اُنہیں

فی العلم ہی اُسکی نہ تک پہنچکر اُس کو روکتے ہیں مثلاً شیخ کامل کی زیارت کیلئے سفر کرنا جبکہ والدین مانع ہوں ظاہر میں اہل علم بھی اس خیال میں مبتلا ہیں کہ پیر کا حق والدین سے زیادہ ہی کیونکہ وہ مربی روح ہی اور والدین مربی جسم ہیں سو حقیقت یہ ہی کہ اگر یہ مقدمہ علے الاطلاق بھی ہو تو دوسرا مقدمہ ہنوز محتاج اثبات ہی یعنی ہر مربی روح کا حق ہر مربی جسم سے زیادہ ہی بات یہ ہی کہ تربیت روح کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ تو تربیت فی الفرائض والواجبات کا ہے اس میں تو واقعی شیخ کا حکم مقدم ہی حکم والدین پر اور وہ بھی نہ اسوجہ سے کہ وہ شیخ ہی بلکہ اسوجہ سے کہ وہ واجبات شرعیہ کی طرف رہبری کر رہا ہی اور اگر والدین اُس سے روکتے ہیں تو معصیت کی طرف بلاتے ہیں اور لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق قانون شرعی ہی پس واقع میں یہاں خالق کی اطاعت مقدم ہوئی مخلوق کی اطاعت پر نہ کہ شیخ کی اطاعت مقدم ہوئی اطاعت والدین پر اور ایک مرتبہ تربیت فی التطوعات کا ہی سو اسمیں والدین کا حکم مقدم ہی تطوعات پر نہ اسوجہ سے کہ اطاعت مقدم ہوگئی ہی خالق کی اطاعت پر بلکہ اسوجہ سے کہ یہاں خالق کا امر ہی جسمیں ان تطوعات کیلئے الخالق نے مخلوق کی احتیاج کی رعایت فرماکر خود یہ حکم فرمادیا کہ اسی کی مصلحت کی رعایت کرو سو فی الواقع یہاں بھی خالق ہی کی اطاعت ہوئی۔ دوسری مثال جن کی قعر تک راسخین فی العلم ہی پہنچتے ہیں سفر کرنا طالب علم دین کیلئے جبکہ والدین مانع ہوں کہ یہاں بھی ظاہراً تحصیل علم دین مقدم ہے مگر غور طلب بات یہ ہی کہ آیا ہر درجہ تحصیل علم کا واجب و فرض ہے کہ وہ اطاعت والدین پر مقدم ہو سو اس میں بھی مثل امر بالا وہی تفصیل ہے کہ ایک درجہ واجب کا ہی وہ مقدم ہے حقوق والدین پر مگر وہ اردو میں بھی حاصل ہو سکتا ہی اور وہ عربی کے مختصر نصاب سے بھی حاصل ہو سکتا ہی اُسکے لئے تبحر فی العلوم النقلیہ والعقلیہ کی کون ضرورت ہی کہ خواہ والدین کو کیسی ہی جسمانی یا روحانی کلفت ہو مگر یہ بدون زواہد ثلثہ کے ایک ایک حرف کو دھوئے ہوئے ادھر رُخ نہ کرینگے اور ایسے مضیعین حقوق تو عاصی ہوتے ہی ہیں میرے نزدیک تو جو لوگ اُنکے طبق و سبق کا انتظام کرتے ہیں وہ بھی ملامت سے نہ بچیں گے کہ اعانت کرتے ہیں امر غیر مشروع پر اور ایک مضمون اس باب میں اس سے زیادہ نازک ہی وہ یہ کہ بعض ظاہر بین یہانتک تو پہنچ جاتے ہیں کہ صورت مذکورہ میں شیخ کی یا اُستاد کی خدمت و صحبت میں رہنا نہ چاہیئے بلکہ والدین کی خدمت و اطاعت کرے مگر اُن کو اس میں اس قدر غلو ہو جاتا ہی

۵۱ ایسا ہی [illegible] ومنصوص [illegible] زیارت [illegible] کے سفر [illegible]

اکثر رمضان کا آخری جمعہ نہایت اہتمام کرکے جامع مسجد دہلی میں جا کر پڑھتے ہیں ۱۲ منہ۔ [illegible] بعض الاعمال [illegible] للدین۔

کہ اس سے نیچے کی تہ کو نہیں دیکھتے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ طالب جس کام میں مشغول ہے وہ
مندوب ہے اور اطاعت والدین کی واجب ہے اور واجب مقدم ہے مندوب پر پس اس شخص کو
مجبور کرتے ہیں کہ اپنے شغل کو چھوڑ کر والدین کے پاس جاوے سو اس نے اتنا تو صحیح سمجھا کہ
واجب مقدم ہے مندوب پر مگر غلطی یہ ہوئی کہ اسکو مندوب سمجھ لیا اور غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ اُسکے
جزو حالی کو دیکھا جزو مآلی کو نہیں دیکھا بعض امر ایسا ہوتا ہے کہ باعتبار حال کے وہ غیر ضروری
نظر آتا ہے لیکن باعتبار مآل کے مقدمہ ہوتا ہے کسی امر واجب کا اور ظاہر ہے کہ مقدمہ واجب کا
واجب ہے پس اس بناء پر وہ واقع میں واجب ہی ہوتا ہے اور واجب کا تقدم حق والدین پر ہوتا ہے
اسلئے ان ظاہر بینوں کا حکم اس میں غلط ہو جاویگا اور یہ امر اس قدر دقیق ہے کہ بعض دفعہ
اہل ظاہر اسکو قبول کرنے میں بھی تامل کرتے ہیں محققین نے یہاں تک کہا ہے کہ اگر خلوت و
ریاضت سے طبیعت ملول ہو جاوے اور قرائن سے معلوم ہو کہ اگر اس حالت کو امتداد ہوگا تو
طبیعت بیکار ہو جاویگی تو اُس شخص پر واجب ہے کہ خلوت کو چھوڑ کر تفریح مباح میں مشغول ہو
باہر نکلے دوستوں سے ہنسے بولے جب طبیعت میں تازگی و نشاط پیدا ہو جاوے تب پھر خلوت
میں بیٹھ جاوے ان محققین پر بڑی ملامت کیگئی ہے کہ اوراد کو جو کہ طاعات ہیں منہی عنہ اور مزاح کو
جو کہ دین کا کام بھی نہیں واجب کہتے ہیں مگر جو شخص علوم شرعیہ میں اتقان و امعان کا درجہ رکھتا
ہے اُسکو اس حکم میں کچھ بھی تعجب نہوگا حدیث تو اس سے زیادہ کی تصریح کر رہی ہے وہ حدیث یہ
ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشاب پاخانہ کے دباؤ کیوقت نماز پڑھنے کو منع فرمایا
ہے سو دیکھئے کہ پیشاب و پاخانہ تو مزاح سے بھی ادون ہے اور فرض نماز اوراد سے بھی اعلے ہے
جب اس شخص پر خاص حالت میں نماز کو تو حرام اور تغوط کو تو واجب فرمایا تو اُن بعض محققین پر
ملامت کی کیا گنجائش ہے تو اس مزاح کے وجوب کا سبب یہی ہے کہ تعطل و بطالت و کسل کا علاج
واجب ہے تاکہ اُس کا اثر فرائض و واجبات تک نہ پہنچ جاوے اور اس واجب کا طریق عادۃً
اس شخص کیلئے یہی مزاح ہو گیا تھا اس لیے یہ مزاح بھی واجب ہو جاویگا۔ اسی طرح بعض حالات
میں مبصر کو کسی خاص شخص کی استعداد دیکھ کر ادراک ہوتا ہے کہ اگر اُسکو تبحر فی العلوم و احاطہ
نقلیات و عقلیات کا نہوا یا یہ شخص کسی شیخ کامل کے پاس چندے نہ رہا تو آیندہ کسی وقت

اسکے کسی ضروری جزو دین میں خلل واقع ہونا غالب ہے اور اُسکی حفاظت ہی واجب اور اُس کا طریقہ یہی تبحر و تفرغ للعبادۃ الی مدۃ معدودۃ ہے اسلئے یہ مبصر اس شخص کیلئے اس مندوب ظاہری کو واجب کہیگا اور اُس ظاہر بین کے حکم و تجویز کو غلط سمجھے گا چنانچہ محققین کے کلام میں ایسی تصریحات موجود ہیں پس اُس ظاہر بین کو چاہیے کہ وہ حدیث الشاہد یری مالا یراہ الغائب پر عمل کرکے اپنی رائے پر وثوق نہ کرے اور اُس طالب کو تقدیم حق والدین کی رائے نہ دے خضر علیہ السلام کے تصرفات کا مبنی یہی مآل بینی تھی گو وہ کمال موسوی سے اسلئے بڑھا ہوا نہ تھا کہ منشاء اس مآل بینی کا کشف تھا اور اُن واقعات کو فراست اور بصیرت سے کوئی تعلق نہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کا کلام یہی تھا اسلئے اُن کی نظر سے یہ امور غائب رہے اور ادراک بصیرت ادراک کشف سے افضل و اکمل ہے اسلئے افضل موسیٰ ہی تھے بعض جگہ اُس مبصر کے نزدیک خود اس طالب پر تو اندیشہ اس کا نہیں ہوتا کہ بدون تبحر فی العلوم کے اس کا کوئی ضروری دینی جزو مختل ہو جاویگا مگر یہ طالب ہی ایسے مقام کا رہنے والا جہاں جہل و فساد غالب ہے اور اسکے ساتھ ہی کسی کو تحصیل علم دین کی طرف توجہ نہیں جس سے انکی اصلاح ہو پس گو اس نواح والوں پر بطریق فرض کفایہ یہی تبحر واجب ہے مگر کوئی اس میں مشغول نہیں تو سب ہی گنہگار ہونگے اور ان سب میں یہ طالب بھی گنہگار ہوگا اور گناہ سے بچنا واجب ہے اسلئے اس واجب پر نظر کرکے یہ مبصر اس طالب کو رائے دیگا کہ تم والدین کے امر کو چھوڑ کر تبحر علوم میں حاصل کرو اور اپنی قوم کی اصلاح کرو اسلئے ایسے مشتبہ مواقع میں اپنی یا محض ظاہر پرست کی رائے پر وثوق نہ کرے کسی محقق حکیم مبصر جامع ظاہر و باطن سے فتویٰ لیکر اُس کا اتباع کرے تیسری مثال ایسے امور دقیقہ کی جن کو بعض اہل علم بھی مباح یا قربت سمجھتے ہیں مگر محققین راسخین اُسکو روکتے ہیں سفر کرنا حج نفل کیلئے ظاہراً قربت معلوم ہوتا ہے مگر بعض اشخاص کے خاص حالات سے محقق کو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا حج کرنا اسلئے مضر ہوگا کہ یا تو اس سے فرض نماز کی پابندی نہوگی۔ یا اہل و عیال کے حقوق واجبہ ضائع ہونگے یا قلت زاد راہ کے سبب تکلیفیں اُٹھاویگا اور اسکے قلب میں بیت اللہ یا صاحب البیت سے تنگی و شکوہ پیدا ہوگا جیسا بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے یا یہ کہ سوال حرام میں مبتلا ہوگا و نحو ذلک۔ اور یہ سب معاصی ہیں اور معصیت کا

سبب بھی معصیت ہی اسلئے وہ محقق اس شخص کو حج سے منع کرتا ہی اسلئے کہ جس طرح مقدمۃ الواجب واجب قاعدہ ہی اسی طرح مقدمۃ الحرام حرام بھی ایک قاعدہ ہی جس میں بعض اوقات مثل قاعدہ بالاظاہر بینوں سے غلطی بھی ادر اُن کو اہلِ بصیرت کے بعض احکام پر استعجاب بھی ہونے لگتا ہے چنانچہ ایک محقق کا یہانتک قول ہے کہ اگر کسی شخص کو شریعت سفر حج کی اجازت نہ دے اور قراین قویہ سے یہ معلوم ہو کہ اگر وہاں کے حالات اس شخص کے سامنے بیان کیئے جائیں گے تو اس کو اسقدر شوق ہو گا کہ یہ اضطرارًا سفر میں چل کھڑا ہو گا تو ایسے شخص کے سامنے ایسے شوق انگیز حالات بیان کرنا تک جائز نہیں ان محقق پر اس حکم میں بیحد ملامت ہوئی کہ توبہ توبہ وہاں کے حالات بیان کرنیکو منع کر دیا مگر ان بزرگ معترضوں نے یہ نہ دیکھا کہ جس دلیل سے یہ منع کر رہے ہیں آیا اُسکے کسی مقدمہ میں کوئی خدشہ ہی اگر ہے تو اُسکو صاف کرنا چاہیے اگر نہیں ہی تو ماننا چاہیے مقدمات کو تسلیم کر کے نتیجہ میں کلام کرنا محض تحکم و اعتساف و کجروی و بیراہی ہے یہی ہے وہ قاعدہ جس کی بنا پر محققین اکثر بدعات کو منع کرتے ہیں اور عامی نظر کے لوگ یا اہلِ تعنت اُن سے اُلجھتے ہیں اسی کو کہا ہی ؎

وکم من عائب قولاً صحیحا وآفتہ من الفہم السقیم

یہانتک ذکر تھا اُس کوتاہی کا جو سفر شروع کرنیکے متعلق واقع ہوتی ہی بعض کوتاہیاں بعد سفر شروع کرنیکے ہوتی ہیں مثلاً بعضے آدمی رفیقان سفر سے ذرا ذرا بات پر اُلجھتے ہیں کہیں اسپر کہ تم اپنی باری میں جاگے کیوں نہیں کہیں اسپر کہ اسباب ہم اُٹھاتے ہیں تم کیوں نہیں اُٹھاتے کہیں اسپر کہ تم نے گاڑی کا کرایہ زیادہ دیا یا کہیں اور زیادہ خرچ کر دیا خصوص سفر حج میں کہ گنوار بھی نوابی مزاج کا ہو جاتا ہی سو یہ بات سخت بدخلقی میں داخل ہی اوّل تو یہ امور قابل خیال و مطالبہ کے نہیں دوسرے اگر ان کا مطالبہ ہی رفیق سے مطلوب ہی تو اُس کا یہ طریق نہیں کہ یہ اُسکے عیب چھانٹے اور وہ اُسکے عیب نکالے بلکہ طریقہ سہل اور مجرب النفع یہ ہی کہ تم اُس سے کچھ مت کہو خود برابر کام کئے جاؤ اس سے وہ خود شرمایگا اور خود بھی کام کریگا اور اگر وہ اس سے بھی متاثر نہو اور تم میں صبر و تحمل نہو تو بہتر ہے کہ اُس سے عقد رفاقت قطع کر دو اور جواب دیدو کہ اب سے ہم تم رفیق نہیں بس مثل دیگر مسافروں کے اُس سے معاملہ رکھو کہ نہ دوستی و شرکت اور نہ دشمنی و مزاحمت بعض

لوگ رفیقوں سے تو اچھا معاملہ رکھتے ہیں لیکن دوسرے مسافروں سے بدخلقی کرتے ہیں کبھی اپنے نفس کے لئے اور کبھی اپنے رفیق کیلئے بخصوص ریل ہیں کہ اکیلا آدمی یا دو آدمی کئی کئی آدمیوں کی جگہ گھیر کر کچھ خود پھیل کر کچھ اسباب و بستر پھیلا کر بیٹھتے ہیں اور نئے آنیوالوں کو اکثر تو آنے ہی نہیں دیتے طرح طرح کے حیلے کرتے ہیں کبھی زور ظلم سے بھی کام لیتے ہیں اور اگر وہ چلے ہی آئے تو اُن کو بیٹھنے کی جگہ نہیں دیتے کئی کئی اسٹیشن وہ لوگ کھڑے ہو کر قطع کرتے ہیں اور اُن کو ذرا مروت و رحم نہیں آتا یہ نہیں سوچتے کہ اگر ہم اُن کی جگہ ہوتے اور یہ ہماری جگہ تو ہم اُسوقت ان سے کس معاملہ کے متمنی ہوتے پس وہی معاملہ ہم کو ان سے کرنا چاہئے اور نہ یہ سوچتے ہیں کہ یہ شرعاً بھی جائز نہیں جیسے کہ اور بھی بعض ناجائز امور کا ریل میں ارتکاب کیا جاتا ہے جس کی جزئیات کو بقدر ضرورت ہمارے محب و مکرم مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی نے ایک رسالہ کی شکل میں جمع فرمایا ہے جس کا نام رفیق سفر یا زاد المسافرین ہے اور جو انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب طبع ہو جائیگا۵ اس لئے ہم ایسے جزئیات کے ذکر کا اس جگہ اہتمام نہیں کرتے اور یوں بلاقصد کوئی جزئیہ قلم میں آجاوے وہ اور بات ہے بعضے آدمی مشترک سواری میں (جیسے گھوڑا گاڑی یا اونٹ گاڑی یا موٹر یا ریل) ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ جس سے دوسروں کو اذیت ہو خاص کر ایسے غربا کو اذیت جو ان کی وجاہت کے سبب انکے سامنے دم بھی نہ مار سکیں مثلاً سگرٹ پینا اور دھواں باہر چھوڑنے کا کوئی خاص اہتمام نہ کرنا یا شب کیوقت غل مچا کر باتیں کرنا یا گانا بجانا یا اور کوئی بیہودہ ہنسی مذاق کرنا یا کوئی قول یا فعل فحش اختیار کرنا اور اُس کو مشغلہ سفر سمجھنا چاہئے تو یہ کہ دوسروں کو راحت پہنچاوے اور اگر اسکی توفیق نہو تو کم از کم اسپر تو عمل رکھیں۔ مصرعہ۔ مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان۔

بعضے آدمی مالک سواری سے بدعہدی کرتے ہیں مثلاً معاہدہ ہوا ہے چار آدمی کے بٹھلانے کا اور بٹھلا دیے پانچ چھ اگر وہ نزاع بھی نہ کرے تب بھی اُسکو جائز نہ سمجھنا چاہئے اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ جب خاموش ہو گیا تو راضی ہی ہے کیونکہ بعض اوقات خاموشی بوجہ مروت و لحاظ ہوتی ہے مگر دل سے رضا نہیں ہوتی تو ایسی خاموشی کافی نہیں اور بعض دفعہ وہ نزاع بھی کرتا ہے مگر خواہ مخواہ اُسکو دباتے ہیں کبھی کہتے ہیں میاں ابی کیا بیمروتی ہے کبھی کہتے ہیں کہ میاں سواریاں ہی کیا ہیں وہ تو بچے ہی ہیں کبھی کہتے ہیں کہ ارے بھائی دو پیسے زیادہ لے لینا کبھی کہتے ہیں

۵ یہ رسالہ طبع ہو چکا ہے ۔

کہ کبھی دوسرے وقت سمجھ لینا اور واہی تباہی عذروں سے کام لیتے ہیں اور اس سے بحث نہیں کہ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے سیدھی بات تو یہ ہے کہ جب معاہدہ بدلے تو مالک سے صاف اطلاع کرے اور اسکے متعلق مستقل گفتگو کرکے جس طرح باہم طے ہوجاوے اُس کیموافق عمل کرے محض اپنے جی کو سمجھا لینا کافی نہیں بعضے آدمی مزدور کی مزدوری نہیں ٹھیر لیتے پھر بعضے تو بلا کسی ضابطہ کے جو جی میں آیا دیدیا خواہ دوسرا راضی ہو یا نہو اس کا ظلم ہونا تو ظاہر ہی ہے اور بعضے اپنے زعم میں بیراہی سے بچتے ہیں اور ضابطہ کی پابندی کرتے ہیں یعنی اُس محکمہ کے قواعد کے موافق کہ فی عدد اسقدر دیا جاوے دیدیتے ہیں۔ اسی طرح گاڑی وغیرہ کا کرایہ گھنٹوں کے حساب سے دینے کو کافی سمجھتے ہیں ہمنے خود دیکھا ہے کہ بعض اوقات دوسرا آدمی یعنی مزدور اور گاڑی والا اپنی نارضامندی تصریحًا ظاہر کرتا ہے کہ صاحب ایک پیسہ تو فلانا ہی لے لیگا دیکھیئے کیسا وزنی اسباب ہے اس کا تو زیادہ دینا چاہیئے فی عدد کا حساب تو مختلف مقدار کی گٹھڑیوں میں ہے دیکھیئے چاروں گٹھڑیاں بڑی ہی بڑی ہیں مشکل سے اُٹھائی ہیں ایک ایک عدد دو دو آدمیوں کے اُٹھانے کا ہے آپ اس کا بھی اُسی حساب سے دیتے ہیں غرض اس طرح سے وہ اپنی نارضامندی کا اظہار کرتا ہے مگر یہ حضرات ان سب معروضات کو یہ کہکر ٹالدیتے ہیں کہ صاحب ان لوگوں کی یہ عادت ہی ہوتی ہے غرض التفات ہی نہیں کرتے اگر وہ زیادہ بولا دھمکاتے ہیں حملہ بھی کرتے ہیں وہ غریب خاموش ہوکر رہ جاتا ہے سو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ عقد اجارہ میں خود مزدور یا مالک کی رضامندی شرط ہے کوئی ضابطہ مقرر ہو جانا شرعًا کافی نہیں یہ مسئلہ تسعیر کا ہے جس کو فقہاء نے ناکافی لکھا ہے البتہ اُس سے منتفع ہونیکی ایک صورت ہے جو شرع کے موافق ہے وہ یہ کہ پہلے سے ہی کہدیا جاوے کہ دیکھو ہم اس ضابطہ کیموافق دینگے اس کے بعد جب اُس نے کام شروع کردیا یا سواری میں بٹھلالیا اب وہ اُسکے حق میں حجت اور لازم ہوگیا۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے بعضے آدمی اسباب شرط سے زیادہ لادلیتے ہیں بلکہ بعضے کچھ شرط ہی نہیں کرلیتے اور سواری والا یہ سمجھ کر خاموش ہوجاتا ہے کہ معمول کیموافق ہوگا مگر عین وقت پر اُسکے زعم میں ثابت ہوتا ہے زیادہ تو وہ تکرار کرتا ہے اور باہم اختلاف اور نزاع ہوتا ہے پھر جو بھی غالب آگیا سو اس میں شرعی حکم یہ ہے کہ جہاں سواری کا مالک خود کہدے کہ اس سے

زیادہ اسباب نہ رکھا جائے اور پھر اُس سواری کو یہ کرایہ کرے تو اس شرط کو اس نے منظور کر لیا پھر اُس سے زیادہ لیجانا کسی طرح جائز نہیں جبتک وہی راضی نہو اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مالک کا راضی ہونا شرط ہے جس نے شرط ٹھیرائی ہے کسی دوسرے ملازم وغیرہ کا راضی ہونا کافی نہیں البتہ اگر ملازم کو اختیارات شرط ٹھیرانیکے بھی دیے گئے ہوں تو پھر اُسکی رضا بھی کافی ہے یہاں سے ریل میں قانون سے زاید اسباب لیجانیکا حکم اور یہ بھی کہ اگر ریلوے کے ملازم چھوٹے بڑے زیادہ کی اجازت دیدیں تو اس کا ناجائز ہونا بھی معلوم ہو جاویگا خواہ وہ کچھ لیکر اجازت دیں یا ویسے ہی رعایت کریں کیونکہ وہ ریل کے مالک نہیں اور اگر مالک کی طرف سے کوئی شرط و قانون وغیرہ نہیں ہے تو پھر اُس سے کرایہ کرتے وقت یا تو دکھلا دے کہ یہ اسباب ہے یا وزن بتلادے کہ اتنا ہوگا اُس سے زیادتی ناجائز ہوگی میں نے اپنے بعض اساتذہ کتب ابتدائیہ سے رئیس الاتقیا حضرت مولانا مظفر حسین صاحب قدس سرہ کی حکایت سنی ہے کہ اسباب دکھلانیکے بعد اگر کوئی شخص ایک خط بھی دیتا تھا کہ فلاں شخص کو دیدیجیے تو فرما دیتے تھے کہ گھوڑے والے سے اجازت لیلو کیونکہ یہ مشروط سے زاید ہے میرا اس حکایت کے نقل کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ یہاں تک رعایت واجب ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ دیکھیے احتیاط والے امر غیر واجب تک کی رعایت و اہتمام کرتے ہیں جس سے غرض یہی ہوتی ہے کہ دوسرے دیکھنے والے واجب کا تو خیال کرینگے تو مطمح نظر اُن کا تعلیم ہی ہے اب اُسکے بعد شبہ غلو یا تقشف کا بھی زایل ہوگیا سو اس حالت میں ہمکو امور واجبہ کی تو رعایت و اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ غلطیاں تو معاملات کے متعلق نہیں جو سفر میں ہوتی ہیں بعض غلطیاں دیانات کے متعلق ہوتی ہیں مثلاً بعضے آدمی سفر میں نماز چھوڑ دیتے ہیں اور جی کو سمجھا لیتے ہیں کہ وضو اور نماز میں بڑی مشکلیں پڑتی ہیں اسلئے قضا کرلیں گے مگر کوئی اُن سے پوچھے کہ وہ مشکلیں قابل برداشت ہیں یا ناقابل برداشت اگر قابل برداشت ہیں تو فرض کیلئے برداشت کرو اور اگر ناقابل برداشت ہیں تو جو لوگ سفر میں نماز کے پابند ہیں وہ کیسے برداشت کرتے ہیں واللہ اگر کسی خفیف سی دنیوی غرض کی تکمیل میں اس سے بدرجہا زائد اہتمام کرنا پڑے تو خوشی خوشی سب گوارا کریں مگر وہ تو دین ہی کے نام سے روح قبض ہوتی ہے بعضے نماز تو پڑھتے ہیں لیکن اُسکے شرائط و ارکان کی

کچھ پرواہ نہیں کرتے کوئی تیمم ہی کر رہا ہے اور پانی اسٹیشن پر یا نل کے اندر موجود مگر طبیعت قبول نہیں کرتی کہ وہ پانی پاخانہ کا ہے گو اس میں پاخانہ ملا ہوا نہیں مگر منسوب تو پاخانہ کی طرف ہے غضب کی بات ہو کہ شریعت کے ہوتے ہوئے دینیات میں طبیعت کو ترجیح دی جاوے پھر تیمم بھی کپڑے پر جس پر غبار بھی ندارد جو اجازت تیمم کی صورت میں بھی جائز نہیں اور تختہ پر گرد موجود ہے مگر اسکو یہ کہکر اڑا دیا کہ اس کا کیا اعتبار کاش اگر مسایل شرعیہ کی تحقیق کرتے تو یہ مسئلہ بھی ان کو معلوم ہوتا کہ ایسی صورت میں ان کے اس وہم ہی کا کچھ اعتبار نہیں اصل اشیا میں طہارت ہے جبتک تختہ کا نجس ہونا یقینی نہوا سوقت تک طاہر ہی ہے بعضے استقبال قبلہ ہی کی ضرورت نہیں سمجھتے محض اسلئے کہ رخ سیدھا کرنے میں قدرے تکلف کرنا پڑتا ہے سو اگر دیکھا جاتا کہ یہ لوگ دنیا کے کسی کام کیلئے خفیف مشقت بھی گوارا نہیں کرتے تو ان کے اس عذر کو سنا جاتا گو سننے کے بعد اس کا غلط ہونا سمجھا دیا جاتا کہ دینی احکام کو دنیاوی مصالح پر قیاس نہیں کر سکتے کہ یہ تمہارے اختیاری امور ہیں اور وہ بوجہ ایجاب الٰہی کے غیر اختیاری تو ایک کا قیاس دوسرے پر چہ معنے لیکن جب دنیوی مقاصد کیلئے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی جاتی ہیں اس حالت میں تو نماز کے باب میں ان کا یہ عذر قابل سماعت بھی نہیں تا بقبول چہ رسد بعضے آدمی کھڑے ہو کر نہیں پڑھتے باوجودیکہ کھڑے ہو سکتے ہیں سو انکی نماز بھی نہیں ہوتی البتہ اگر قیام پر قدرت نہو یعنی کسی سہارے سے بھی کھڑے نہو سکیں تب البتہ بیٹھ کر پڑھنا درست ہی اس مسئلہ میں لوگ بحالت مرض بھی سخت غلطی کرتے ہیں یعنی ذرا مشقت ہو گئی اور بیٹھ کر نماز پڑھنے لگے درمختار و ردالمختار میں تصریح ہے کہ اگر کسی سہارے سے کھڑا ہو سکے تب بھی کھڑا ہونا فرض ہے اسی طرح اگر آدھی قرارت میں کھڑا ہو سکتا ہے یا بقدر تکبیر تحریمہ کھڑا ہو سکتا ہے تو اتنا ہی کھڑا ہونا فرض ہی بعضے آدمی باوجودیکہ جماعت کر سکتے ہیں مگر پھر تنہا تنہا پڑھ لیتے ہیں۔ بعضے آدمی سمجھتے ہیں کہ جماعت کیلئے اتحاد مکان شرط ہے اور ہر درجہ جدا مکان ہی ایک درجہ میں اتنی جگہ نہیں اس لئے جماعت نہیں کرتے سو ہمارے نزدیک تو دوسری گاڑی تو بیشک دوسرا مکان ہے لیکن ایک گاڑی کے متعدد درجے سب ایک ہی مکان ہیں ان میں جماعت ہو سکتی ہے اور اگر کسی صاحب علم کی بھی تحقیق ہو یا کسی عالم کی اس تحقیق میں کوئی تقلید کرتا ہو کہ ہر درجہ جدا مکان

جبتک یوں کریں کہ ایک ایک درجے میں دو دو آدمی جماعت کرلیں اگر اصوات کا تزاحم ہو تو ایک ہی وقت میں ورنہ آگے پیچھے اور چونکہ یہ مسجد محلہ نہیں اس لئے اس میں تکرار جماعت کا اختلاف بھی نہ ہوگا بعضے آدمی ان بے احتیاطیوں کے مقابلہ میں اس قدر محتاط بنتے ہیں کہ اُن کی احتیاط درجۂ تشدد تک پہنچ جاتی ہے مثلاً ریل کے اندر ہرگز نماز نہ پڑھیں گے اسٹیشن ہی پر اُترنا فرض سمجھیں گے جس میں بعض اوقات طرح طرح کی پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے مثلاً اسباب ریل ہی میں رکھا ہے اور کچھ جاتا رہا یا کم از کم طبیعت اُدھر مشغول رہی یا دوسرے مسافروں نے اُنکی جگہ پر قبضہ کرلیا یا نہیں کیا لیکن اُنکو اس احتمال پر پریشانی رہی اور مثلاً گاڑی نے سیٹی دیدی اور اُن کو نیت توڑنا پڑی یا ایسا نہیں کیا لیکن مضطرب ہوگئے اور بعض اوقات گاڑی چھوٹ گئی اور اُنکے اسباب کا نقصان یا سفر کا حرج ہوا اُسوقت خود نماز سے قلب میں خدانخواستہ تنگی پیدا ہوئی یا خود اُن کو تنگی نہیں ہوئی لیکن جو لوگ ہمیشہ دین کو مخل دنیا کہا کرتے ہیں اور اسوجہ سے اُنکو دین سے توحش ہے اُن کا تنفر اور توحش اور بڑھگیا اور اُنکی فہرست میں ایک عدد اور بڑھ گیا کہ دیکھئے دین پر عمل کرنے سے یہ پریشانی اور مضرت ہوتی ہے اور اُس جاہل کو کون سمجھائے کہ اُسکی پریشانی کا سبب خود اُس کا تشدد ہے نہ کہ دین سو حدیث یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا۔ ظاہرا قول اور فعل دونوں کو عام ہے اور اسپر بعض اوقات ایک طرہ اور ہوتا ہے کہ اسٹیشن پر اُتر کر جماعت کرانے کے لیئے امام صاحب ایسے تجویز ہوتے ہیں کہ وہ فرصت کا وقت پاکر قرارت میں تطویل اور رکوع اور سجود میں اطمینان سے تعدیل شروع کردیتے ہیں اگر گاڑی نہ بھی نکلے تب بھی مقتدیوں کو خصوص اسلیئے کہ مجمع میں مختلف طبائع کے لوگ ہوتے ہیں کیسی بیتابی ہوتی ہے گویا ان بزرگ کو عمر بھر میں آج ہی موقعہ امامت کا ملا ہے نہ تو اس سے پہلے کبھی میسر ہوا اور نہ آیندہ کو امید ہے اس لیئے اس وقت کو غنیمت سمجھا اور عمر بھر کا ارمان آج ہی نکالنا ضروری ہوگیا اسی طرح دو بزرگواروں کی حکایت ہے کہ ریل میں اپنے رفقاء کیساتھ سوار تھے ایک صاحب نے تو یہ کیا کہ نماز ظہر کیلیئے اُترے اور پڑھکر مصلے ہی پر وظیفہ شروع کردیا کہ میں تو عصر پڑھکر اُٹھونگا بیچارے رفیق مصیبت میں آگیئے کہ منزل دور اور عصر تک کا حبس اور ایک صاحب مغرب کیوقت اُترے اور نماز کے بعد صلواۃ الاوابین شروع کردی اور تاریکی بڑھنا شروع ہوئی اور منزل کسی قدر فاصلہ

اور مقام خطرناک سو شریعت ایسے تشددات کو پسند نہیں کرتی جس سے خود کو یا اُس سے بڑھکر دوسروں کو کلفت وضیق ہو یہاں راز معلوم ہوا ہوگا اس ارشاد کا ان اللّٰہ یحب ان یوتی رخصہ کما یحب ان یوتی عزائمہ یعنی رخصت پر عمل کرنے میں بھی بہت سی صلحتیں ہیں کہ وہ سبب ہو جاتا ہے دین کے ساتھ انس اور بشاشت اور انشراح اور انبساط اور دلچسپی کا اور یہ مقصد عظیم ہے مقاصد نوامیس الٰہیہ سے یہ کوتاہیاں قطع مسافت کے متعلق تہیں بعض کوتاہیاں عارضی قیام کے متعلق ہیں یعنی کسی مقام پر ایک دو شب مثلاً قیام کیا خواہ سرائے میں یا کسی خاص میزبان کے پاس اگر سرائے میں قیام کیا ہی تو وہاں بھی ان امور کا لحاظ ضرور ہے کہ دوسرے مسافروں کو اس سے کلفت نہ ہو اور سرائے کے ٹھیکہ دار کو بھی تکلیف نہ دیجاوے مثلاً بعضے لوگ بلا ضرورت شور وغل مچاتے ہیں بلا ضرورت جاگتے ہیں اور رفقہ کے ساتھ قصہ کہانیاں ہانکتے ہیں بعضے آدمی گاتے بجاتے ہیں جس سے دوسرے مسافروں کے آرام ونوم میں خلل پڑتا ہی بعضے ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے مسافر کے کرہ میں سے جبکہ وہ کہیں چلا گیا ہو چارپائی اُٹھالاتے ہیں وہ غریب آکر پریشان ہوتا ہی اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ بھٹیارہ سے مانگ لیں اور اگر نہ ملے مجبوری ہے ان کو کیا حق ہے کہ دوسرے کی سابق قبضہ کی ہوئی ہے لیں کہ شریعت کے بھی خلاف ہے اور مروت سے بھی بعید ہی اگر یہی معاملہ ان کے ساتھ ہو تو کیسی دلپر گذرے تو انصاف کا مقتضا یہ ہے کہ آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند اور مثلاً بعضے لوگ باوجودیکہ پیشاب پاخانہ کے لیے خاص مواقع ہیں مگر کوٹھڑی ہی میں موت لیتے ہیں یا کہیں گذرگاہ مسافران پر ایسا کرتے ہیں جس سے بعض اوقات ٹھیکہ دار کو صاف کرانا پڑتا ہے اور بعض اوقات دوسرے مسافر کو تکلیف ہوتی ہی مثلاً بعض لوگ چلتے وقت ٹھیکہ دار کا حساب صاف کرکے نہیں جاتے یا تو چپکے نکل گئے یا نزاع واختلاف کرکے گئے اس میں علاوہ گناہ کے جس میں حق اللہ وحق العبد دونوں ضائع کئے ایک خرابی یہ ہوتی ہے کہ دوسرے مسافروں کا بھی اعتبار جاتا ہی اور اُن کیلیے ضوابط سخت تجویز کئے جاتے ہیں اور اس کا سبب یہ شخص بنتا ہی ایسے ہی لوگوں کی نسبت حدیث میں مفتاح الشر ومغلاق الخیر آیا ہی اور اگر کسی میزبان کے پاس ٹھہرے ہیں تو اُس میں بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں کہ بدون اسکے کہ اُس کو اپنی آمد کی اطلاع دیں اسکے

پاس بدون کھانا کھائے بیوقت جا پہنچتے ہیں کہ اُس وقت اُسکو کھانا تیار کرانے میں کلفت
ہوتی ہی اگر حساب سے پہنچنے کا وقت ناوقت ہو تو چاہیے کہ کھانیکا انتظام پہنچنے کیوقت بطور
خود کرلیں اور فارغ ہوکر وہاں جاویں اور جاتے ہی اطلاع بھی کردیں۔ بعضے یہ کوتاہی کرتے ہیں
کہ اوّل اُسکو اپنی آمد کے وقت سے اطلاع تو دیدی ہی مگر اُس وقت پہنچے نہیں وہ بیچارہ
اسٹیشن پر آیا سواری کا کرایہ دیا وقت صرف کیا کھانا پکوایا اور یہ نواب صاحب ذرا رائے بدلنے
سے یا کسی دوسرے میزبان کے اصرار کرنیسے پھسک گئے بعض اوقات وہ کئی کئی وقت اسی
طرح تکلیف اُٹھاتا ہی اور اُن کو یہ توفیق بھی نہیں ہوتی کہ وقت موعود آنیکے قبل اُسکو مکرر اُس
ارادہ کے فسخ یا تبدیل کی اطلاع کردیں خوب یاد رکھو کہ یہ سب اسلام کے خلاف ہی گو لوگ
اُسکو سرسری سمجھتے ہیں حدیث میں نص ہی المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ پھر
جب اسکے ید اور لسان سے دوسرا سالم نرہا تو یہ مسلم بدرجۂ مقصودہ فی الحدیث کہاں رہگیا مگر
مشکل یہ ہی کہ آجکل بزرگی تسبیح پڑھنے کا نام رہگیا کسی کی راحت و کلفت کی پرواہ ہی نہیں
یہی وجہ ہے کہ اس خاص کوتاہی میں بہت سے ثقات و منسوبین الی العلم والدین بھی مبتلا ہیں
اور اس کا قبح ذرا اُن کے قلب میں نہیں بعضے ایسا کرتے ہیں کہ کھانا کھا کر پہنچے مگر جاتے ہی اُسکو
یہ اطلاع نہیں کی کہ میں کھانا کھا چکا ہوں اس وقت اہتمام نہ کیا جاوے وہ بیچارہ نہ تو علم غیب پڑھا
ہوا ہے اور نہ لحاظ سے یہ پوچھ سکتا ہے کہ آپ کھانا تو نہیں کھاچکے غرض اُسنے احتمال پر کھانا تیار
کیا جب اُنکے سامنے کھانا آیا آپنے نہایت بیرحمی سے ایک جملہ میں اُسکے تمام انتظام کا خون
کردیا کہ میں تو کھاچکا تھا بندۂ خدا پہلے کس نے منہ بند کرلیا تھا کہدینا تھا۔ بعضے ایسا کرتے
ہیں کہ کھانا کھانے بیٹھے اُس وقت فرماتے ہیں کہ میں تو گوشت نہیں کھاتا میں تو مرچیں نہیں
کھاتا ظالم اگر پہلے ہی اُسکو اطلاع دیدیجاتی تو کیا مشکل تھا اب وہ مظلوم فکر میں پڑگیا کہیں پڑوس
سے بھیک مانگتا پھرتا ہی کہیں گھر میں گھی شکر تلاش کرتا ہی غرض زر دادن و درد سر خریدن کا
مصداق بنگیا بعضے ایسا کرتے ہیں کہ بے اطلاع میزبان کے کہیں چلدیے اب وہ تلاش کرتا
پھرتا ہی اور گھر بھر بھوکا بیٹھا ہے یا تو وقت گذر کر آئے تب سب کا روزہ کھولا یا آکر کہدیا کہ مجھکو
فلاں شخص نے اصرار کرکے کھلادیا تھا میں نے انکار بھی کیا مگر اُس نے مانا ہی نہیں اس بدسلیقے

کو یہ خبر نہیں کہ کسی کی ایسی دلجوئی کب جائز ہے کہ دوسرے کی دل شکنی ہو اور وہ بھی ایسے شخص کی جس کا حق مقدم اور سابق ہو بعض آدمی ایسا کرتے ہیں کہ دوسرے کی دعوت قبول کر لی اور میزبان سے اجازت لینا تو کجا اُسکو اطلاع بھی نہیں کی بعضے ایسا کرتے ہیں کہ رخصت ہونیکا قصد دل میں کر لیا مگر میزبان کو نہیں بتلایا اب عین وقت پر آرڈر سنا دیا کہ میں اس گاڑی میں جاؤں گا سواری کا انتظام کردو اُس کا سامان ضیافت بھی ضائع گیا اور بعض اوقات خصوص قصبات میں عین وقت پر سواری کے انتظام میں بھی دشواری ہوتی ہے غرض یہ سب پریشان کرنیکی باتیں ہیں جن سے احتیاط واحتراز واجب ہے - اب بعض کوتاہیاں اپنے گھر والوں سے متعلق رہ گئیں اُن کے ذکر پر مضمون کو ختم کرتا ہوں مثلاً سفر میں جاکر گھر والوں کو ایسے بھولے کہ اُن کو اپنی خیریت تک کی اطلاع نہیں دی اُن سے اپنا تو اطمینان کر لیا کہ سب کو بعافیت چھوڑ کر آیا تھا اب بھی بعافیت ہوں گے مگر وہ تو پریشان ہیں کہ سفر میں ہزاروں حوادث محتمل ہوتے ہیں اُن کو بھی تو مطمئن کرنا چاہیئے تھا اور مثلاً اُن کو اپنی واپسی کیوقت کی اطلاع دی مگر اُسوقت نہیں پہنچے وہ بیچارے اُس اجنبی میزبان سے بھی زیادہ پریشان ہوتے ہیں اُسکو تو صرف اپنی تکلیف سے پریشانی ہوئی اور گھر والوں کو تو تعلق محبت کے سبب یہ بھی پریشانی ہوتی ہے کہ خدا جانے خیریت بھی ہوگی اور مثلاً باوجود اطلاع کرسکنے کے بلا کسی مصلحت کے دفعۃً گھر آجانا احادیث میں اسکی بھی ممانعت ہے جس کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ شریف عورتیں شوہر کے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے زیب و زینت چھوڑ دیتی ہیں سو ایسا نہو کہ اُس مبتذل حالت میں دیکھ کر اُسکو نفرت ہو جاوے جو بنیاد ہو جاوے مصالح خانہ داری کے انہدام کی اگر پہلے سے اطلاع ہو تو وہ آراستہ اور پیراستہ تو ہو جاوے ممکن ہے کہ سفر کی کوتاہیوں کی فہرست اور بھی طویل ہو سکے مگر فی البدیہہ جو خیال میں آئیں وہ لکھدیں فہیم آدمی ان ہی کے اُصول سے دوسری کوتاہیوں کی بھی اصلاح کر سکتا ہے فقط

واللّٰہ الموفق لسبیل لا وکس فیہ ولا شطط

اصلاح معاملہ بہ تعلیم نسوان

ہر چند کہ بعد ورود حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ وغیر ذلک

من النصوص الموجبۃ لتحصیل العلم علی الرجال والنساء اس مبحث پر مستقل کلام کرنیکی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی خصوص جبکہ اسکے بہت قبل اسی میں مجملاً اس سے تعارض بھی ہوچکاہی لیکن بعض وقعات وخصوصیات کے ذکر زیادہ اُن میں ہندوستانی مستورات کے حالات ہیں جنکا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتاہی اس باب میں مستقل اور کسی قدر مفصل گفتگو کیئے جانیکو مقتضی ہونیکے سبب اس کا بقدر ضرورت مکرر ذکر کیا جاتاہی سو جاننا چاہیئے کہ اس مقدمہ میں جہانتک تتبع کیا گیا تین خیال کے لوگ ہیں ایک وہ کہ تعلیم نسوان کے نہ مخالف ہیں نہ حامی مگر تعلیم کا اہتمام نہیں دوسرے وہ کہ اسکے مخالف ہیں تیسرے وہ کہ اسکے حامی ہیں اور ان سب سے مختلف کوتاہیاں واقع ہوتی ہیں چنانچہ اوّل طبقہ کی کوتاہی جو سب کوتاہیوں سے اشد و اعظم ہے یہ ہی کہ سرے سے مستورانکو تعلیم دینے ہی کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی نہ مردونکے نزدیک اور نہ خود ان مستورات کے نزدیک اور دلیل ان لوگوں کی جو انکے اشتباہ کا منشار ہوگیا ہی یہ ہے کہ کیا عورتوں کو کوئی نوکری کرنا رکھیاہی جو ان کے پڑھانے کا اہتمام کیا جاوے معلوم ہوتاہی کہ ان لوگوں نے نہ تعلیم کی غرض سمجھی اور نہ اُن نصوص و روایات میں غور کیا جو مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے ایک درجہ میں تحصیل علم کو فرض و واجب قرار دے رہے ہیں اور نہ اُس تعلیم کو سمجھا جو کہ فرض ہی سو سمجھ لینا چاہیئے کہ علوم سے غرض نوکری نہیں ہی کیونکہ جو علم علی العین واجب التحصیل ہے وہ علم معاش نہیں ہی بلکہ وہ علم دین ہے جس سے انسان کے عقاید و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق درست ہوں جس کا ثمرہ دنیا میں اولئک علی ھدی من ربھم کی دولت اور آخرت میں اولئک ھم المفلحون کی بشارت ہے سو اُس کا وجوب ظاہر ہے سمعاً بھی عقلاً بھی دلائل سمعیہ یہ ہیں طلب العلم واجب علی کل مسلم (ھب عن انس) طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم (الدیلمی عن علی) طلب الفقہ حتم واجب علی کل مسلم (ک فی تاریخہ عن انس) تعلموا العلم وعلموہ الناس (قط عن ابی سعید وھب عن ابی بکر) تعلموا العلم قبل ان یرفع (الدیلمی عن ابن مسعود وعن ابی ھریرۃ) یا ایھا الناس علیکم بالعلم قبل ان یقبض (طب والخطیب عن ابی امامۃ) یا ایھا الناس خذوا من العلم قبل ان یقبض العلم (حم والدارمی طب وابو الشیخ فی تفسیرہ وابن مردویہ عن ابی امامۃ) ویل لمن لا یعلم (حل عن حذیفۃ) کذا فی

کنز العمال وغیر ذلک من النصوص العامۃ للرجل والمرءۃ۔
اور دلیل عقلی یہ ہے کہ اصلاح عقائد و اعمال کی فرض ہے اور وہ موقوف ہے اُن کی تحصیل علم پر چنانچہ ظاہر ہے اور فرض کا موقوف علیہ فرض ہے پس تحصیل علم فرض ہوا اور ہر چند کہ موقوف ہونا عمل کا علم پر بالکل بدیہی ہے مگر اس سے ترقی کر کے کہا جاتا ہے کہ حسی بھی ہے چنانچہ بے علم عورتیں جس حالت میں ہیں سب دیکھتے ہیں کہ نہ اُن کو شرک و کفر کی کچھ تمیز ہے نہ ایمان اور اسلام کی کچھ محبت ہے جو چاہیں خدا تعالیٰ کی شان میں بک دیتی ہیں جو چاہیں احکام شرعیہ کے مقابلے میں زباندرازی کر بیٹھتی ہیں اولاد کیلئے یا شوہر کو مسخر کرنیکے لئے ٹوٹنے ٹوٹکے جادو منتر جو کچھ کوئی بتلا دیتا ہے بلا امتیاز مشروع نامشروع کے سب ہی کچھ کر گذرتی ہیں جب عقاید ہی میں یہ حالت ہے تو نماز و روزہ کا تو کیا ذکر ہے حتی کہ بعض کی نوبت ترک سے گذر کر استخفاف بلکہ تشائم و تطیر تک پہنچ جاتی ہے یعنی بعض تو باوجود فرض سمجھنے کے اُس کو ترک ہی کر دیتی ہیں اور بعض اُسکی وقعت بھی نہیں کرتیں کوئی ضروری امر نہیں سمجھتیں اور بعض اُسکو منحوس و موجب مضرت اعتقاد کرتی ہیں اور یہ دو درجہ کفر صریح ہیں اور اوّل فسق و کبیرہ ہے اور جب نماز و روزہ میں یہ کیفیت ہے جس میں ایک پیسہ خرچ بھی نہیں ہوتا تو زکوٰۃ اور حج جس میں پیسہ کا بھی خرچ ہے اس کو تو پوچھو ہی مت اور جب عقاید و اعمال دیانت کا یہ حال ہے تو معاملات کی درستی کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ نماز و روزہ کی صورت تو دین کی ہے اور معاملات تو عوام کی نظر میں بالکل دنیا ہی کی شکل رکھتے ہیں اسلئے اُنکی درستی کا اہتمام تو خاص ہی خاص لوگ کرتے ہیں جاہل مستورات کیا درستی کرینگی پھر جب معاملات کیساتھ یہ طرز عمل ہے تو معاشرت کی اصلاح تک تو کہاں ذہن جاویگا کیونکہ معاملات کو حقوق العباد تو سمجھا جاتا ہے بخلاف معاشرت کے کہ اُس میں یہ پہلو بھی ظاہر نہیں ہے اسلئے اُس کا بالکل ہی اہتمام کم ہے پھر جب معاملات و معاشرت تک اتنی بے پروائی ہے تو اخلاق باطنی مثل تواضع و اخلاص و خوف و محبت و صبر و شکر و نخوت و بخل کی طرف تو کیا توجہ ہوگی کیونکہ معاملات کا زیادہ اور معاشرت کا اُس سے کم دوسروں تک تو اثر پہنچنا معلوم ہے نیز اُنپر بعض اوقات نیکنامی و بدنامی کا ترتب بھی ہو جاتا ہے بخلاف اخلاق باطنی کے کہ اُس کا غالب اثر بھی اپنی ہی ذات تک محدود ہے اور بوجہ خفا کے

دوسروں کو اُن کا علم بھی کم ہوتا ہے جس سے نیک نام یا بدنام کر سکیں اسلیئے اُس کا اہتمام تو بالکل ہی ندارد ہے حتیٰ کہ بہت سے خواص میں بھی تا بہ عوام چہ رسد۔ بہرحال ان سب امور دینیہ میں قلت مبالات کا اصل منشاء و سبب قلت علم دین ہے پھر جہاں بالکل ہی علم نہو (اور اس سے بڑھکر یہ فطرۃً عقل بھی کم ہو کیونکہ طبقہ اناث قدرتی طور پر ناقص العقل ہوتی ہیں غرض جہاں نہ عقل ہو نہ علم ہو) تو وہاں تو امور مذکورہ میں کوتاہی کی کیا حد ہوگی غرض عقل اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں کہ بدون علم کے عمل کی تصحیح ممکن نہیں اور عمل کی تصحیح واجب اور فرض پس تحصیل علم دین کا فرض ہونا جیسا اوپر دعویٰ کیا گیا ہے عقلاً بھی ثابت ہو گیا اور سمعاً فرض ہونا اُس سے اوپر بیان کیا گیا ہے تو دونوں طرح تحصیل علم دین فرض ہوا پس اُن لوگوں کا یہ خیال کہ جب عورتوں کو نوکری کرنا نہیں ہے تو اُنکی تعلیم کیا ضرور ہے محض غلط ٹھیرا یہ جواب ہوا اُنکی مذکورہ کوتاہی کا البتہ اسپر یہ شبہ ہو سکتا ہی کہ علم دین کی فرضیت سے تعلیم بطریق متعارف کا واجب ہونا لازم نہیں آتا کہ مستورات کو کتابیں بھی پڑھائی جاویں بلکہ یہ فرض اہلِ علم سے پوچھ پاچھ رکھنے سے ادا ہو سکتا ہی سو اسکی تحقیق یہ ہی کہ واقعی یہ بات صحیح ہے اور ہم تعلیم متعارف کو فی نفسہ واجب بھی نہیں کہتے لیکن یہاں تین مقدمے قابل غور ہیں اوّل یہ کہ مقدمہ واجب کا واجب ہوتا ہے گو بالغیر سہی جیسے جو شخص پیادہ سفر حج قطع کرنے پر قادر نہو اور اُس شخص کے زمانہ میں ریل اور آگبوٹ ہی ذریعہ قطع سفر کا متعین ہو اور اُسکے پاس اسقدر وسعت و استطاعت بھی ہو تو اس شخص پر واجب ہوگا کہ سفر کا عزم کرے اور ریل اور آگبوٹ کا ٹکٹ خرید کر اُس میں سوار ہو سو ریل اور آگبوٹ کا ٹکٹ خریدنا اور اُسپر سوار ہونا فی نفسہ شرعاً فرض نہیں لیکن چونکہ ایک فرض کا ذریعہ ہے اسلیئے یہ بھی فرض ہوگا مگر بالغیر پس یہ مقدمہ تو ثابت ہو چکا دوسرا مقدمہ یہ ہی کہ تجربہ سے معلوم ہو گیا ہی کہ علم کا اذہان میں قابل اطمینان درجہ میں محفوظ رہنا موقوف ہی کتب کے پڑھنے پر جو کہ تعلیم کا متعارف طریق ہے اور محفوظ رکھنا علم دین کا واجب ہی پس بنا بر مقدمہ اولیٰ بطریق متعارف اُسکا تعلیم کا جاری رکھنا بھی واجب ہی البتہ یہ واجب علی الکفایہ ہے یعنی ہر مقام پر اتنے آدمی دینیات پڑھے ہوئے ہونے چاہئیں کہ اہلِ حاجت کے سوالوں کا جواب دیسکیں تیسرا مقدمہ یہ ہی کہ یہ

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علمار کا پایا جانا مستورات کی ضروریات دینیہ کے لئے کافی وافی نہیں دو وجہ سے اول پردہ کے سبب (کہ وہ بھی اہم الواجبات ہی) سب عورتوں کا علمار کے پاس جانا قریباً ناممکن ہی اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جاوے تو بعض مستورات کو تو گھر کے ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا ہی اہتمام نہیں ہوتا تو وہ دوسروں کیلئے سوال کریگا کیا اہتمام کرینگے پس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق ازبس دشوار ہے اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہوگئی یا کسی کے گھر میں باپ بیٹا بھائی وغیرہ عالم ہیں تب بھی بعض مسایل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں ایسی بے تکلفی شوہر سے ہوتی ہی تو سب شوہروں کا ایسا ہونا خود عادتاً ناممکن ہے تو انکی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اسکے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور عام مستورات اُن سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کیا کریں پس کچھ عورتوں کو بطریق متعارف تعلیم دین دینا واجب ہوا پس اُس شبہ کا ہی جواب ہوگیا اور ثابت ہوگیا کہ لکھے پڑھے مردوں کی طرح عورتوں میں ایسی تعلیم ہونا ضروری ہے اور اس غلط خیال عدم ضرورۃ تعلیم النسوان کا بالکلیہ استیصال ہوگیا۔

اب دوسرے طبقہ کے متعلق کچھ لکھا جاتا ہی جو تعلیم نسوان کے مخالف ہیں اور اسکو سخت ضرررسان سمجھتے ہیں دعویٰ اُن کا یہ ہی کہ ہمنے لکھی پڑھی عورتوں کو اکثر آزاد اور بیباک اور قلیل الحیا اور مکار اور عفت سوز دیکھا ہی خاصکر اگر لکھنا بھی جانتی ہوں تو اور بھی شوخ چشم ہوجاتی ہیں جس کو چاہا خط لکھ بھیجا جس کو چاہا پیام وسلام پہنچا دیا اسی طرح دوسرونکو بھی طمع ہوتی ہی کہ اپنے نفسانی جذبات کو اُن تک بذریعہ تحریر پہنچا دیتے ہیں اور اُن کے پاس پہنچتی ہیں کبھی تو وہ بھی متاثر ہوکر نرم جواب دیتی ہیں اور سلسلہ بڑھتا ہے یہانتک کہ جو کچھ واقع ہونا ہے واقع ہوتا ہی اور کبھی جواب نہیں دیتیں اور سکوت کرتی ہیں تو مریض القلب لوگ اس سے بھی استدلال کرتے ہیں انکے نیم راضی ہونے پر پھر وہ لوگ آیندہ کے پیام وسلام وتحریر سے اس کمی کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ گوش زدہ اثر سے وارد قاعدہ اکثر یہ ہی پھر بعض کا طرز بیان جادو نشان ہوتا ہی پھر نسوانی طبائع معمولی طور پر

نرم بھی ہوتی ہیں تو شیطان کا جال پھیل جانا زیادہ عجیب نہیں ہوتا اور اگر کسی مکتوب الیہا نے ناراضی بھی ظاہر کی اور اسی ناراضی کا جواب کاتب تک بھی پہنچادیا ہی مگر اپنے شوہر یا خاندان کے خوف سے کہ خدا جانے کیا گمان کرینگے اور کیا معاملہ کرینگے اپنے گھر والوں سے اُس کا اخفا کرتی ہیں اور اسطور پر وہ کاتبین ہر طرح کی مضرت سے محفوظ رہتے ہیں اسلئے اُن کی جسارت بڑھتی ہی اور پھر دوسرے موقع پر اسکی سلسلہ جنبانی کرتے ہیں اور ان سب واقعات کا مبنی اُن مستورات کا تعلیم یافتہ ہونا ہے اگر وہ ناخواندہ ہوں تو اُن کے پاس کوئی مضمون بھیجنے سے اندیشہ ہوگا دوسرے کے مطلع ہونے کا اور یہ سبب ہوجاویگا اس باب کے مسدود ہوجانیکا اور یہ مفسدہ اُس صورت میں زیادہ محتمل ہی جبکہ کسی عورت کے مضامین اخباروں میں بھی چھپنے لگیں اور اُن مضامین کو دیکھ کر سخن شناس شیاطین اندازہ کرتے ہیں کاتبہ کے رنگ طبیعت اور جذبات اور خیالات کا تو اس شرارت کے شرارے وہاں زیادہ پھیلتے ہیں بالخصوص اگر وہ کلام نظم بھی ہو تو اور بھی آفت ہی اور اس زمانہ میں تو ایک اور غضب ہے کہ افتخار کیلئے صاحب مضامین کا نام اور پتہ تک صاف لکھدیا جاتا ہی کہ فلانے کی بیوی فلانے کی بیٹی فلاں جگہ کی رہنے والی اور یہ تمامتر خرابیاں انکے لکھے پڑھے ہونیسے پیدا ہوتی ہیں اور اگر ان خفیہ ریشہ دوانیوں کی کسی طور پر شوہر یا اہل خاندان کو اطلاع ہی ہوگئی تو چونکہ لکھا پڑھا آدمی ہوشیار اور سخن سازی پر زیادہ قادر ہوتا ہے وہ ایسی تاویلیں کریں گی کہ کبھی اُنپر حرف ہی نہ آویگا اور اُلٹا مُنہ ناک بنادیں گی مکاری سے رودیں گی کہ ہم کو یوں کہا کہیں خودکشی اور کنوئیں میں ڈوبنے کی دھمکی دیں گی حتی کہ اُس غریب بازپرس کرنے والیکو خوشامد کرنا پڑیگی اور ڈر کے مارے پھر بھی زبان تک نہ ہلاویگا۔

ایک خرابی اس تعلیم یافتہ طبقہ اناث میں یہ ہوتی ہے کہ ہر طرح کی کتابیں منگا کر پڑھتی ہیں عشق بازی کے قصے سازش اور لگاوٹ کے ناول شوق انگیز غزلیں پھر اُن سے طبیعت بگڑتی ہے کبھی ایسی غزلیں ذرا کھل کر پڑھتی ہیں کہ دروازہ میں یا پڑوس اور محلہ میں یا کھڑکی پر آواز جاتی ہے اور آواز پر کوئی فریفتہ ہوکر درپے ہوجاتا ہے اور اگر وہ ناکام بھی رہا تاہم رسوائی اور پریشانی کا سبب تو بنا ہی جاتا ہی یہ ہے خلاصہ ان صاحبوں کے خیالات کا اور میں ان واقعات کی

تحذیب نہیں کرتا لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ان صاحبوں نے کوتاہ نظری سے کام لیا واقعات کے حقایق میں غور نہیں کیا اصل یہ ہے کہ ان سب خرابیوں کی ذمہ دار تعلیم نہیں ہے بلکہ طرز تعلیم ہے یا نصاب تعلیم ہے یا طرز عمل ہے یا سوء تدبیر ہے یعنی یا تو یہ ہوا ہے کہ ایسی کتابیں نہیں پڑھائی گئیں جن سے احکام حرام وحلال اور تفصیل ثواب وعقاب اور طریقہ تہذیب اخلاق معلوم ہو اور جس سے خوف وخشیت ومعرفت وعظمت حق حاصل ہو اُنکو صرف حرف شناس بنا کر چھوڑ دیا ہے اور اُنہوں نے اپنی رائے سے اردو کے مختلف رسالوں کا مطالعہ کر کے لکھنے پڑھنے کی مہارت بڑھائی ہے اور تعلیم یافتہ کا لقب پاکر اس طرح تعلیم کو بدنام کیا ہے تو ظاہر ہے کہ محض حرف شناسی کو نہ تعلیم کہہ سکتے ہیں اور نہ حرف شناسی اصلاح اعمال واحوال کی کفالت کر سکتی ہے اور یا یہ ہوا ہے کہ باوجود نصاب تعلیم کے مفید وکافی ہونیکے اوس نصاب کے مضامین کو قلب میں جمانیکی کوشش نہیں کیگئی اور عمل کی نگرانی نہیں کی گئی مثلاً اسکی ضرورت ہے کہ جس روز کسی لڑکی نے یہ مسئلہ پڑھا کہ غیبت گناہ ہے اسکے بعد اگر وہ غیبت کرے تو فوراً اُسکو یاد دلادے کہ دیکھو تم نے کیا پڑھا تھا اُسکے خلاف کرتی ہو اور مثلاً اُن کو پردہ کی ضرورت یا پست آواز سے بولنے کی تاکید پڑھائی گئی اور پھر اسمیں کوتاہی یا غفلت کا مشاہدہ ہوا فوراً اُسکو روکنا چاہیے یا اُن کو حرص مال وزیور کی مذمت پڑھائی تھی پھر اُنہوں نے کسی تکلف کے کپڑے یا غیر ضروری زیور کی ہوس کی تو فوراً اُنکو متنبہ کیا جاوے اسی طرح اُمید ہے کہ اخلاق فاضلہ واعمال صالحہ کا ملکہ اُن میں پیدا ہو جاویگا اور یا یہ ہوا ہے کہ اُن کی خود طبیعت اور طینت ہی میں صلاحیت اور قابلیت نہیں ہے تو اس صورت میں ع تربیت نا اہل را چوں گردگان بر گنبد ست کا اور شعر ؎

شمشیر نیک ز آہن بد چون کند کسے ... ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس

کا مضمون ہے یہ گفتگو تو خود اُن کے احوال واعمال کے متعلق تھی اور جو افعال دوسرے شریر لوگوں سے شمار کرلئے ہیں اُن کا انسداد سوء تدبیر سے ہوتا ہے اسکے انسداد کی اچھی تدبیر یہ ہے کہ فاسطہ کے ساتھ نہایت سختی کیجاوے اور اپنے مردوں کو بالکل صاف صاف اطلاع دیدی جاوے غرض مفاسد کے اسباب یہ ہیں جب یہ ہے تو اس میں عورتوں کی کیا تخصیص ہے یہی اسباب فساد

اگر مردوں کو پیش آویں وہ بھی ایسے ہی ہونگے پھر کیا وجہ کہ عورتوں کو تعلیم سے روکا جاوے اور
مردوں کو تعلیم میں ہر طرح کی آزادی دیجاوے بلکہ اہتمام کیا جاوے اس فرق کی وجہ بعد تامل
بجز اسکے کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ عورت سے صدور قبائح یا اُسکی طرف نسبت قبائح عرفاً موجب
ذلت و رسوائی ہے اور وہی امور اگر مرد سے صادر ہوں یا اُس کی طرف منسوب ہوں تو وہ عرفاً موجب
ذلت اور رسوائی نہیں ہے اسلیئے عورت کیلیئے اُن مفاسد کے احتمال کو موانع تعلیم سے قرار دیا ہے
اور مردوں کیلیئے نہیں باقی شرعاً ظاہر ہے کہ اس باب میں مرد و عورت یکساں ہیں اگر عورت کیلیئے
معصیت مذموم و قابل لوم ہے تو اُسی درجہ میں مرد کیلیئے بھی اور اگر مرد کیلیئے موجب طہارت و نزاہت
ہے تو اُسی درجہ میں عورت کیلیئے بھی پس جب شرعاً دونوں برابر ہیں اور عرفاً متفاوت پس اس تفاوت
سے عملاً متاثر ہونا یعنی ایک کیلیئے ان احتمالات کا اعتبار کرنا دوسرے کیلیئے نکرنا صاف عرف کو
شرع پر ترجیح دینا ہے جو بہت بڑا شعبہ ہے جاہلیت کا جس کا منشا کبر اور ترفع ہے وبس اور یہ صرف
میرا ہی دعویٰ نہیں بلکہ مدعا علیہم کا اقرار بھی ہے چنانچہ بکثرت ان لوگوں کی زبان سے سُنا گیا ہے کہ میاں
مرد کا کیا ہے اُسکی مثال تو برتن کیسی ہے کہ دس دفعہ سن گیا اور جب دھو دیا صاف ہو گیا اور عورت
کی مثال موتی کی آب کیسی ہے کہ اگر ایک دفعہ اُتر گئی پھر چڑھ ہی نہیں سکتی اس کے معنے
دوسرے لفظوں میں صاف یہ بھی ہیں کہ مردوں کیلیئے معصیت کو خفیف سمجھتے ہیں اور عورتوں
کیلیئے شدید تو علاوہ کبر کے اس میں تو فتویٰ استخفاف کے جاری ہونیکا بھی اندیشہ اور
سخت اندیشہ ہے۔ اب صرف تیسرے طبقہ کے متعلق کلام باقی رہگیا جو تعلیم کے حامی تو ہیں
لیکن اُس تعلیم کی تعیین میں یا اُسکے طریقہ کی تجویز میں اُن سے غلطی ہوئی چنانچہ اُن میں سے
بعض کا بیان بضمن اصلاح خیال طبقہ ثانیہ کے اوپر ہو چکا ہے مثلاً اُن کو صرف حرف شناس
بنا کر چھوڑ دینا پھر اُن کا اپنی رائے سے مختلف رسالوں کا مطالعہ کرنا اور مثلاً بعد تعلیم کے عمل کی
نگرانی نہ کرنا جس کی متعدد مثالیں بھی ساتھ ساتھ مذکور ہوئی ہیں اور بعض کا بیان اب کیا جاتا
ہے مثلاً بعض مستورات کو بجائے علوم دینیہ پڑھانیکے اُن کو تاریخ و جغرافیہ یا اس سے بڑھ کر
انگریزی پڑھاتے ہیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ انجیل پڑھانے ہیں جس کی وجہ صرف تقلید اہل یورپ
کی ہے یعنی اُن کے نصاب تعلیم میں شائستگی کو منحصر سمجھنا اس کی بنا ہے مگر یہ خیال نہیں کرتے

کہ ہم میں اور اُن میں اگر رسوم و عادات و طبائع و خواص کا بھی فرق نہو تاہم سب سے
بڑا فرق مذہب ہی کا ہے کہ ہم مذہب اسلام کا التزام کئے ہوئے ہیں اور وہ یا تو کوئی مذہب
نہیں رکھتے اور زیادہ اُن میں ایسے ہی ہیں اور یا ہمارے مذہب کے مغائر دوسرا مذہب رکھتے ہیں
اسلئے اُن کے یہاں یا تعلیم مذہبی بالکل نہو گی صرف زبان کی تعلیم ہوگی یا دنیوی معلومات کی
تعلیم ہوگی اور یا دوسرے مذہب کی تعلیم ہوگی بہرحال اُن لوگوں کی اس تعلیم کا تو ایک خاص
مبنی ہے لیکن ہم لوگ اگر اُن کی تعلیم کو اختیار کریں تو اُس کا کیا مبنی ہے جب غرض تعلیم سے انکی
اور ہے جس کا ابھی ذکر ہوا اور ہماری غرض اور ہے جس کا مختصر بیان طبقہ اولیٰ کی اصلاح
خیال کے ذکر میں ہوا ہے یعنی اصلاح عقاید و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق اور یہ
غرض منحصر ہے علم دین میں تو ظاہر ہے کہ ہم کو اُن کی تعلیم کا اختیار کرنا ہر طرح بے ربط ہے البتہ
اگر کسی کو تحصیل معاش کی بھی حاجت واقع ہونیوالی ہو تو بعد علوم دینیہ کے اُسکو اُن علوم کا
حاصل کر لینا بھی مضائقہ نہیں جو اُس زمانہ میں معاش کا موقوف علیہ ہو جیسے اس وقت انگریزی
و تاریخ جغرافیہ وغیرہ باقی الخیل کی اُس شخص کو بھی ضرورت نہو گی اور ظاہر ہے کہ کسب معاش
کی حاجت صرف مردوں کو ہوتی ہے اور عورتیں اوّل اسوجہ سے کہ اُن کا نان و نفقہ مردوں کے
ذمہ ہے دوسرے اسوجہ سے کہ اسلام میں پردہ کی تاکید ہے اور وہ ابواب خاصہ معاش کے
جو خاص علوم پر موقوف ہیں پردہ کیساتھ حاصل نہیں کئے جاسکتے اسلئے عورتوں کیلئے یہ تعلیم
بالکل فضول اور اُن کے وقت کی اضاعت ہوگی بلکہ فضول سے متجاوز ہو کر ہر طرح مضر
ہوگی جیسا کہ عنقریب اُن مضار کا بیان بھی آویگا۔ بہرحال یہ علوم جن کا لقب تعلیم جدید ہے
عورتوں کیلئے ہرگز زیبا نہیں البتہ فنون دنیا میں سے بقدر ضرورت لکھنا اور حساب اور کسی
قسم کی دستکاری کہ اگر کسی وقت کوئی سرپرست نہ رہے تو عفت کیساتھ چار پیسے کما سکے
یہ مناسب ہے رہا قصہ شائستگی کا تو جس کا دل چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ علم دین کی برابر
دنیا بھر میں کوئی دستور العمل اور کوئی تعلیم شائستگی اور تہذیب نہیں سکھلاتا چنانچہ ایک وہ شخص
لیجئے جسپر علم دین نے پورا اثر کیا ہے اور ایک وہ شخص لیجئے جسپر تہذیب جدید نے پورا اثر
کیا ہو پھر دونوں کے اخلاق اور معاشرت و معاملہ کا موازنہ کیجئے تو آسمان و زمین کا تفاوت

پائیگا البتہ اگر تصنع و تکلف کا نام کسی نے تہذیب رکھ لیا ہو تو اُسکی یہی غلطی ہوگی کہ ایک مفہوم کا مصداق اُس نے غلط ٹھیرالیا اور اگر کسی کے ذہن میں اسوقت کوئی دیندار ایسا آیا جس میں تہذیب حقیقی کی کمی ہو سو اُسکی وجہ یہ ہوگی کہ اُس نے علوم دینیہ کا پورا اثر نہیں لیا یعنی دین کے اجزار متعدد ہیں عقاید و اعمال و معاملات و معاشرت و اخلاق باطنہ بعضے لوگ صرف نماز و روزہ کے احکام کے جاننے کو علم دین اور ان احکام کی پابندی کرنیوالے کو دیندار لقب دیتے ہیں سو خود یہی غلط ہے سب اجزار مذکورہ کے احکام ضروریہ کا اچھی طرح جاننا علم دین اور سب کی پابندی دینداری ہے سو جس کو دیندار لقب دیکر قلیل التہذیب قرار دیا گیا ہے وہ واقع میں سب اجزائے دین کا مستوعب نہیں اور کلام اسمیں ہے جس نے سب اجزار کا اثر لیا ہو پس وہ شبہ رفع ہو گیا بندہ نے اس قسم کے شبہات کے جواب کیلئے رسالہ حقوق العلم لکھا ہے (جو قابل ملاحظہ ہے) غرض تہذیب علم دین کی برابر کسی علم سے حاصل نہیں ہو سکتی یہی علم دین تو تھا جس نے سلف میں اپنے اثر سے وہ اخلاق و شائستگی پیدا کی کہ خود یورپ کو بھی اُس کا اعتراف بلکہ اُس سے اعتراف بھی ہے مگر ہم اپنے گھر کی دولت سے بیخبر ہو کر دوسروں سے اُسکی دریوزہ گری کر رہے ہیں۔ و للہ در العارف الرومی حیث قال ؎

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر | تو ہمین جوئی لب نان در بدر
تا بزانوئی میان قعر آب | وز عطش وز جوع گشتستی خراب

بعضے آدمی اپنی لڑکیوں کو آزاد و بیباک عورتوں سے تعلیم دلاتے ہیں یہ تجربہ ہے کہ مصحبت کے اخلاق و جذبات کا آدمی میں ضرور اثر ہوتا ہے خاصکر جب وہ شخص مصحبت ایسا ہو کہ متبوع اور معظم بھی ہو اور ظاہر ہے کہ استاد سے زیادہ ان خصوصیات کا کون جامع ہوگا تو اس صورت میں وہ آزادی و بیباکی ان لڑکیوں میں بھی آویگی اور میری رائے میں سب سے بڑھکر جو عورت کا حیا اور انقباض طبعی ہے اور یہی مفتاح ہے تمام خیر کی جب یہ نہ رہا تو اس سے بجز نہ کوئی خیر متوقع ہے نہ کوئی شر مستبعد ہے ہر چند کہ اذا فاتک الحیاء فافعل ما شئت حکم عام ہے لیکن میرے نزدیک ما شئت کا عموم نساء کیلئے بہ نسبت رجال کے زیادہ ہے اسلئے کہ مردوں میں پھر بھی عقل کسی قدر مانع ہے اور عورتوں میں اسکی بھی کمی ہوتی ہے اس لئے کوئی مانع ہی نہ رہیگا۔

اسی طرح اگر اُستانی ایسی نہو لیکن ہم سبق اور ہم مکتب لڑکیاں ایسی ہوں تب بھی اسی کے قریب مضرتیں واقع ہونگی اس تقریر سے دو جزئیوں کا حال بھی معلوم ہو گیا ہوگا جن کا اس وقت بے تکلف شیوع ہی ایک لڑکیوں کا عام زنانہ اسکول بنانا اور مدارس عامہ کی طرح اُس میں مختلف اقوام اور مختلف طبقات اور مختلف خیالات لڑکیوں کا روزانہ جمع ہونا گو معلمہ مسلمان ہی ہو اور یہ آنا ڈولیوں ہی میں ہو اور گو یہاں آکر بھی پردہ ہی کے مکان میں رہنا ہو لیکن تاہم واقعات نے دکھلادیا ہی اور تجربہ کرادیا ہی کہ یہاں ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کا اُن کے اخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہی اور یہ صحبت اکثر عفت سوز ثابت ہوئی ہے اور اگر اُستانی بھی کوئی آزاد یا مکار ملگئی تو کریلہ اور نیم چڑھا کی مثال صادق آجاتی ہے اور دوسری جزئی یہ کہ اگر کہیں مشن کی میم سے بھی روزانہ یا ہفتہ وار نگرانی تعلیم یا صنعت سکھلانیکے بہانہ سے اختلاط ہونے لگے تب تو نہ آبرو کی خیر ہے اور نہ ایمان کی مگر افسوس صد افسوس ہی کہ بعضے لوگ ان آفات کو مایۂ افتخار سمجھکر خود اپنے گھروں میں بلاتے ہیں میرے نزدیک تو ان آفات مجسمہ سے بچّی تو بچّی اور تابع ہوکر تو کیا ذکر کسی بڑی بڈھی مسلمان عورت کا متبوع ہوکر بھی عمر بھر میں ایک بار ہمکلام ہونا بھی خطرناک ہے جن مضرتوں کے ذکر کا اوپر وعدہ تھا اُن میں سے بعض یہی ہیں اور بعض کا ذکر اوپر دوسرے طبقہ کے منشاء خیال کے ضمن میں ہو چکا ہی اسلم طریق لڑکیوں کیلئے یہی ہی جو زمانہ دراز سے چلا آتا ہی کہ دو دو چار چار لڑکیاں اپنے اپنے تعلقات کے مواقع میں آویں اور پڑھیں اور حتی الامکان کوئی ایسی اُستانی ملجاوے جو تنخواہ نہ لے تو تجربہ سے یہ تعلیم زیادہ بابرکت اور بااثر ثابت ہوئی ہے اور بدرجہ مجبوری اس کا بھی مضایقہ نہیں اور جہاں کوئی ایسی اُستانی نہ ملے اپنے گھر کے مرد پڑھادیا کریں پڑھانیکا تو یہ طرز ہو اور نصاب تعلیم یہ ہو کہ اوّل قرآن مجید حتی الامکان صحیح پڑھایا جاوے پھر کتب دینیہ سہل زبان کی جن میں تمام اجزائے دین کی مکمل تعلیم ہو (میرے نزدیک اسوقت بہشتی زیور کے دسوں حصے ضرورت کیلئے کافی ہیں) اور اگر گھر کا مرد تعلیم دے تو جو مسائل شرمناک ہوں اُنکو چھوڑ دے اور اپنی بی بی کے ذریعہ سے سمجھوا دے اور اگر یہ انتظام بھی نہو سکے تو اُنپر نشان کر دے تاکہ اُن کو یہ مقامات محفوظ رہیں پھر وہ سیانی ہوکر خود سمجھ لیں گی یا اگر عالم شوہر میسر ہوا اُس سے پوچھ لیں گی یا شوہر کے ذریعہ سے

کسی عالم سے تحقیق کرالیں گی (چنانچہ بندہ نے بہشتی زیور کے دستور العمل میں جو ٹائیٹل پر مطبوع ہوا ہے اس کا خلاصہ لکھدیا ہی مگر بعضے لوگ اُس کو دیکھتے ہی نہیں اور اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ اگر کوئی مرد پڑھانے لگے تو ایسے مسایل کس طرح پڑھاوے اس لیئے ان کا لکھنا ہی کتاب میں مناسب نہ تھا کیسی کچی سمجھ ہی) بہشتی زیور کے اخیر میں مفید رسالوں کا نام بھی لکھدیا گیا ہے جن کا پڑھنا اور مطالعہ عورتوں کو مفید ہی اگر سب نہ پڑھے ضروری مقدار پڑھکر باقیوں کو مطالعہ میں ہمیشہ رکھیں اور تعلیم کے ساتھ اُن کے عمل کی بھی نگرانی رکھیں اور اس کا بھی انتظام کریں کہ اُن کو تدریس کا شوق ہو تاکہ عمر بھر علمی شغل رہے تو اس سے علم و عمل کی تجدید و تحریز ہوتی رہتی ہی اور اسکی بھی ترغیب دیں کہ مطالعہ کتب مفیدہ سے کبھی غافل نہ رہیں اور ضروری نصاب کے بعد اگر طبیعت میں قابلیت دیکھیں عربی کی طرف متوجہ کریں تاکہ قرآن و حدیث و فقہ اصلی زبان میں سمجھنے کے قابل ہو جاویں اور قرآن کا خالی ترجمہ جو بعض لڑکیاں پڑھتی ہیں میرے خیال میں سمجھنے میں زیادہ غلطی کرتی ہیں اسلیئے اکثر کیلیئے مناسب نہیں یہ تو سب پڑھنے کے متعلق بحث تھی رہا لکھنا تو اگر قرائن سے طبیعت میں بیباکی معلوم نہو تو کچھ مضایقہ نہیں ضروریات خانگی کیلیئے اسکی بھی حاجت ہو جاتی ہی اور اگر اندیشہ خرابی کا ہو تو مفاسد سے بچنا جلب مصالح غیر واجبہ سے اہم ہے ایسی حالت میں لکھنا نہ سکھلاویں اور نہ خود لکھنے دیں اور یہی فیصلہ ہے عقلا کے اس اختلاف کا کہ لکھنا عورت کے لئے کیسا ہی اب مضمون کو ختم کرتا ہوں ۔

اصلاح معاملہ بہ ادائے حقوق معلم و متعلم و شریک تعلم

علوم دینیہ کا جس طرح تعلیم و تعلم ضروری ہی اسی طرح اس تعلیم و تعلم کے سبب جن لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوتے ہیں اُن تعلقات کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہی اور یہ حقوق جس طرح فی نفسہا دلائل سے ضروری ہیں اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوا کہ برکات علمیہ کے موقوف علیہ ہونیکے اعتبار سے بھی ضروری ہیں اور جن سے یہ تعلقات ہوتے ہیں وہ تین جماعتیں ہیں اوّل معلمین یعنی اساتذہ دوسرے متعلمین یعنی تلامذہ تیسرے شرکا فی التعلم یعنی ہمدرس و ہم سبق پس ان تینوں جماعتوں کے کچھ حقوق و آداب ہیں اور مثل دیگر اعمال کے اُن میں بھی کم و بیش

کوتاہیاں کی جاتی ہیں چنانچہ مشاہدہ ہے کہ بعضے تو اُستاد کے حقوق و آداب بھی ادا نہیں کرتے پھر ان میں بھی دو قسم کے ہیں بعض تو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں اور بعضے اُس زمانہ میں تو کسی قدر رعایت کرتے ہیں مگر بعد مفارقت پھر مطلق اس کا اہتمام نہیں کرتے اور جو زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں یہ بھی دو قسم کے ہیں بعضے تو ظاہر ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں اور بعضے ایسا تو نہیں کرتے مگر جن حقوق و آداب کے سمجھنے میں کسی قدر سلیقہ کی حاجت ہے اُن میں کوتاہی کرتے ہیں اور ان سب میں اکثر عدد وہ ہیں جو بعد مفارقت پھر اُستاد کو یاد نہیں رکھتے اور سب میں بدتر وہ بدنصیب ہیں جو کسی نفسانی مقتضی سے اُستاد کے مخالف ہو جاتے ہیں یہ سب اقسام اُن لوگوں کے ہیں جو اُستادوں کا حق ادا نہیں کرتے اور ان مضیعین حقوق اساتذہ سے زیادہ عدد میں وہ حضرات ہیں کہ اپنی استادی کے زمانہ میں شاگردوں کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے اور اپنے حقوق واجبہ سے گذر کر غیر واجب بلکہ غیر جائز کے ادا کے بھی متوقع و منتظر رہتے ہیں اور قالاً یا حالاً اُن کا مطالبہ اُن سے کرتے ہیں اور ان سے بھی زیادہ وہ لوگ ہیں بلکہ غالباً قریب قریب کل ایسے ہی ہیں کہ ہمسبقوں کے حقوق کا تو اُنکے دل میں خطرہ بھی نہ گذرتا ہوگا گو کہیں دوسرے اسباب سے باہم دوستی بھی ہو جاتی ہو لیکن یہ بات کہ محض اس علاقہ سے باہم ایک دوسرے کے کچھ حقوق اپنے ذمہ سمجھتے ہوں یہ بات بہت نادر بلکہ قریب قریب معدوم ہے اور جب سمجھتے ہی نہیں تو سمجھ کر ادا کرنیکے اہتمام کا تو کیا ذکر ہے بلکہ بعض جگہ تو نہایت افسوس کی بات ہے کہ بجائے باہمی اُخوت، وفاق و رعایت حقوق کے ایک طرف سے یا کہیں دونوں طرف سے بغض و حسد و خلاف و عقوق دیکھا جاتا ہے اسلیئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ان سب حقوق کی کچھ کچھ جزئیات بطور نمونہ کے لکھدی جاویں خود اُن جزئیات کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ ایسے اصول ہاتھ آجاوینگے کہ اُن اصول سے دوسری غیر مذکور جزئیات کا سمجھنا اور رعایت کرنا سہل ہو جاویگا اور ہر چند کہ یہ تینوں قسم کے حقوق اور آداب میرے نزدیک فطری ہیں اور اگر کسی کی فطرت میں سلامتی ہو تو اُن کے معلوم کرلنے اور نیز عمل پر تقاضا کرنیکے لئے صرف یہ وجدان کافی ہے لیکن اس خیال سے کہ شاید کسی احتمال پرست کو گمان ہو کہ مثل دیگر حقوق کے یہ حقوق شریعت میں منقول نہیں قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اولاً نصوص کو نقل

کرکے ساتھ ساتھ اُن حقوق کی تقریر کرتا جاؤں اور حتی الامکان ترتیب کا بھی لحاظ رکھوں اس طرح کہ اول حقوق اُستاد کے پھر شاگرد کے پھر ہمدرس کے بیان کروں اور حتی الامکان اسلئے کہا کہ ممکن ہی کسی نص سے دو یا تین جماعتوں کے حقوق مفہوم ہوتے ہوں تو خاص اُس میں وہ ترتیب ملحوظ نرہیگی گو ایسا قلیل ہوگا ۔

اور جاننا چاہیئے کہ اُستاد عام ہی سبق پڑھانیوالے اور پوچھنے پر مسئلہ تبلانے والے اور ابتداءً امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنیوالے اور اصلاح نفس کے طریقے تبلانیوالے یعنی پیر کو اسی طرح شاگرد عام ہی تلمیذ متعارف اور سایل عن الدین اور مرید کو اسی طرح ہمدرس عام ہی متعارف ہم سبق اور کسی عالم کی مجلس میں شرکت کرنیوالوں اور پیر بھائیوں کو اور ثانیاً بعد سوق نصوص کے بطور تفریع یا توضیح یا تفصیل یا تتمیم کے کچھ جزئیات کی بھی تقریر کردوں کہ وہ بھی گویا اصل ہی کے ساتھ ملحق ہوگا ۔

حقوق وآداب معلّم

آیۃ ۔ لقد من اللہ علی المؤمنین الی قولہ تعالی یعلمھم الکتاب والحکمۃ الآیۃ (البتہ احسان کیا اللہ تعالی نے مومنوں پر الی قولہ) (سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت)

اس آیۃ کریمہ میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نعمت بعثت پر منت ہونیکی علت میں تعلیم کتاب وحکمت کو ذکر فرمانا صاف دلیل ہے کہ جو شخص کسی کو دین کی تعلیم کرے وہ اُس شخص کے حق میں نعمت الٰہی ہے اور اُس کی قدر وتعظیم اسپر لازم ہی اور اس تعلیم میں سبق پڑھانا اور مسئلہ تبلانا وغیرہ سب داخل ہیں کہ یہ سب تعلیم کے طریقے ہیں حتی کہ کسی کی تصنیف سے منتفع ہوجانا اس قاعدہ سے اُس کے شاگردوں میں داخل ہوجاتا ہے اُسکے حقوق بھی مثل اُستادوں کے ثابت ہوجاویں گے ۔

آیۃ ۔ قال لہ موسی ھل اتبعک الی آخر القصۃ (حضرت موسٰی نے حضرت خضر سے کہا کہ کیا میں تمہاری پیروی کروں)

ان آیتوں میں حضرت موسٰی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ہی اس سے چند حقوق وآداب ثابت ہوتے ہیں اول اُستاد کی خدمت میں خود شاگرد جایا کرے اُن کو تکلیف

نہ دے کہ آکر پڑھا دیا کریں دوم اگر اُستاد کسی اعتبار سے شاگرد سے رتبہ میں کم بھی ہو تب بھی اُسکا اتباع کرے۔ سوم جس بات کے پوچھنے کو وہ منع کرے نہ پوچھا کرے اُسکی مخالفت یا اُسکو تنگ نہ کرے۔ چہارم اگر کبھی غلطی سے اُسکے مزاج کے خلاف کوئی بات ہو جاوے تو معذرت کر لے پنجم اُسکے تنگ ہونے یا مرض وغیرہ سے کسل مند ہونیکے وقت سبق بند کر دے۔

آیۃ ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا الآیۃ (اے لوگو جو ایمان لائے ہو مت کہو سہا آجنا اور کہو انتظار کرو ہمارا اور سنو)

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اُستاد کے ساتھ گفتگو میں بھی ادب ملحوظ رکھے تا بمعاملات چہ رسد۔

آیۃ ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ الآیۃ (جز این نیست کہ مومن وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور جب ہوتے ہیں ساتھ رسول کے کسی اجتماعی بات پر تو نہیں جاتے جبتک اجازت نہ لے لیں۔

اس آیت سے اُستاد کا یہ حق ثابت ہوا کہ اُسکی خدمت سے بلا اذن نجاوے خواہ اذن صراحۃً ہو یا دلالۃً۔

حدیث ۔ عن ابن عمر من صنع الیکم معروفا فکافئوہ فان لم تجدوا ما تکافئونہ فادعوا لہ حتی تروا انکم قد کافأتموہ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم (جو شخص تمپر احسان کرے اگر تم اسکی مکافات کر سکتے ہو تو کر دو ورنہ اسکے لئے دعا کرو۔ یہانتک کہ تم سمجھ لو کہ تمنے اسکی مکافات کر دی۔

کیا کوئی شخص تعلیم دین کے معروف یعنی احسان ہونے سے انکار کر سکتا ہے جب اُسکا احسان ہونا مسلم ہو گیا تو اُسکے مکافات میں اُسکی ہر قسم کی خدمت مال سے جان سے داخل ہو گئی جو حدیث ہذا میں مامور بہ ہے اور جب کسی قسم کی استطاعت نہ ہو یا مفارقت کے بعد بعض استطاعت نہ رہے تو اُسوقت اقل درجہ دعا ہی سے یاد رکھنا ضرور ہے۔

حدیث ۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ رواہ احمد والترمذی۔ (جس نے آدمیوں کا شکر ادا نہ کیا اُس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ ادا کیا)

اس حدیث کے عموم میں استاد بدرجۂ اولیٰ داخل ہی کہ بہت بڑی نعمت یعنی علم دین کا واسطہ ہے اُسکی حق شناسی میں کوتاہی کرنا بنص حدیث حق تعالیٰ کی ناشکری ہی جس کا محل وعید ہونا نص قطعی سے ثابت ہی۔ قال تعالیٰ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم (مقابل شکرتم) ان عذابی لشدید الآیہ۔

یہ حدیثیں تو بعمومہا مدعا پر دال ہیں آگے خصوص کے ساتھ دلالت کرنے والی احادیث منقول ہیں۔

حدیث۔ عن معاویۃ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الاغلوطات (رواہ ابوداود)

(رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے (علوم میں) مغالط دینی سے منع فرمایا ہی)

اس سے ایک ادب اُستاد کا ثابت ہوا وہ یہ کہ بعض طلباء کی عادت ہی کہ خواہ مخواہ کتاب میں احتمالات نکالکر اُستاد کے سامنے بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں اور خود بھی سمجھتے ہیں کہ مہمل اعتراض ہیں مگر اپنی ذہانت جتلانے اور اُستاد کا امتحان کرنیکے لئے ایسی نامعقول حرکت کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ یہ مغالطہ ہوا کہ ظاہر کیا جاتا ہی کہ یہ مقام مشتبہ ہی حالانکہ خود اپنے نزدیک بھی مشتبہ نہیں اور اسی سے شاگرد کا بھی ایک حق ثابت ہوگیا وہ یہ کہ بعض مدرسین کی عادت ہی کہ کسی مقام پر خود بھی شبہ ہی مگر شاگرد پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے کچھہ گڑھ مڑھ کر تقریر کردیتے ہیں گویا اُسکو دھوکا دیتے ہیں کہ اس مقام کی یہی تقریر ہے حالانکہ خود اپنے کو بھی یہہ اطمینان نہیں۔

حدیث۔ عن انس بن مالک رضؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ھل تدرون من اجود جوداً قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال اللہ اجود اجوداً ثم انا اجود بنی آدم واجودھم من بعدی رجل علم علماً فنشرہ یاتی یوم القیامۃ امیراً وحدہ (رواہ البیہقی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہی اُنھوں نے ازراہِ ادب عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کا رسول دانائے حال ہی تو آپ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہی پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے کہ جس نے علم دین سیکھا اور اُسکو پھیلایا یہ شخص قیامت کے دن بمنزلہ ایک امیر کے آویگا۔ (بیہقی)

اس حدیث میں بعد اللہ و رسول کے سب سے زیادہ صاحب جود اُس عالم کو فرمایا ہی جو علم کو شائع کرے جس طریق سے بھی ہو خواہ تدریس سے یا وعظ و تلقین سے خواہ تصنیف سے اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر جود کرے اُس کا کتنا حق ہوتا ہی پس یہ مشیعین للعلم جن لوگوں پر جود خاص کر رہے ہیں اور وہ متعلمین ہیں یا آقتا ہم انپر انکا کیسا کچھ حق ہو جاویگا۔

حدیث۔ ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم کتب لامیر السریۃ کتابا وقال لا تقرأہ حتی تبلغ مکان کذا وکذا فلما بلغ ذلک المکان قرأہ علی الناس واخبرھم بامر النبی صلے اللہ علیہ وسلم (رواہ البخاری)

یعنی پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک امیر لشکر کو حکم نامہ لکھکر دیا اور (ایک مصلحت کے سبب) یہ فرمایا کہ جبتک فلاں مقام پر نہ پہنچ جاؤ اسکو مت پڑھنا۔ چنانچہ اُنہوں نے اسی کے موافق عمل کیا۔(بخاری)

اس حدیث سے ایک ادب ثابت ہوا جو طالب علموں پر لازم ہے وہ یہ کہ اُستاد اگر کسی کتاب پڑھنے سے کسی خاص وقت میں منع کرے مثلاً اُسکے نزدیک شاگرد کی استعداد سے زیادہ ہی اس مصلحت سے اسوقت پڑھنے سے منع کرتا ہی تو طالب علم کو چاہیئے اسپر عمل کرے جس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہر طرح مبارک ہی تھا اور اس کا پڑھنا اور جاننا ہر وقت عبادت تھا مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مصلحت سے ایک وقت معین کے قبل تک اُس کے مطالعہ سے منع فرمادیا اور اُن صحابی نے ویسا ہی کیا۔

حدیث۔ عن زید بن خالد الجھنی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم سألہ رجل عن اللقطۃ فقال اعرف وکاءھا او قال وعاءھا وعفاصھا ثم عرفھا سنۃ ثم استمتع بھا ولہ ان کنت فقیرا او الا تصدق بھا فان جاء ربھا فادھا الیہ قال فضالۃ الابل فغضب حتی احمرت وجنتاہ او قال احمر وجھہ فقال مالک ولھا

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے لقطہ (گری ہوئی چیز کے پانیکا) مسئلہ دریافت کیا تو آپنے فرمایا اُس کا سربند اور ظرف پہچان لے اور سال بھر تک اُسکی تعریف کرا اگر کوئی مالک نہ ملا اور تو محتاج ہو تو اُس سے نفع اُٹھا ورنہ صدقہ کردے پھر اگر اُس کا مالک آوے تو اُس کو دیدے اس سائل نے کہا کہ گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے اس سوال سے آپ پر آثار غصہ کے نمودار ہوئے حتی کہ رخسارہائے مبارک سرخ ہوگئے آپ نے فرمایا تجھے

معها سقاءها وحذاءها ترد الماء وترعى الشجر فذرها حتى يلقها ربها الحدیث (رواہ البخاری)

اس سے کیا کام ہے اُسکے ساتھ اُسکی مشک ہے اور اسکے موزے پانی پر جاکر پانی پی لیگی اور درختوں سے چارہ کھاتا ہے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بیڈھنگے سوال پر اُستاد غصہ کرے تو شاگرد کو چاہیے کہ اُس کو گوارا کرے مکدر نہ ہو جس طرح یہاں اُس صحابی نے بُرا نہیں مانا

حدیث۔ عن ابی ھریرۃؓ فی حدیث طویل وان ابا ھریرۃ کان یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشبع بطنہ ویحضر مالا یحضرون ویحفظ مالا یحفظون (البخاری)

ایک طویل حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے پیٹ بھر غذا ملنے پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ رہتے تھے اسقدر اور لوگ حاضر نہ رہ سکتے تھے اور لا بیتا اسقدر یاد کرتے تھے کہ اور لوگ نہ یاد کر سکتے تھے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر پیٹ بھرائی کھانا مل جاوے تو حتی الامکان اُستاد سے جدا نہو کہ اُسکی عنایت بھی بڑھ جاتی ہے اور فوائد علمیہ بھی حاصل ہوتے ہیں اور اُسکی خدمت کا بھی موقع ملتا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے موقع پر خدمتیں لینا بھی احادیث میں وارد ہے۔

حدیث۔ عن جریر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لہ فی حجۃ الوداع استنصت الناس۔ (رواہ البخاری)

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں خطبہ کے وقت حضرت جریرؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کردو (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُستاد کی تقریر کے وقت بالکل خاموش اور متوجہ رہنا چاہیے کسی سے بات نہ کرے کسی کی طرف التفات نہ کرے۔

حدیث۔ عن جابر ان عمر بن الخطاب اتی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول ھذہ نسخۃ من التوراۃ فسکت فجعل یقرء ووجہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر رضی اللہ ثکلتک الثواکل ما تری

حضرت جابر رضی اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ ایک نسخہ توراۃ کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نسخہ توراۃ کا ہے آپ سنکر خاموش ہو رہے حضرت عمر نے اُس کو پڑھنا شروع کیا اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہوا حضرت ابوبکر رضی

ما بوجه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال اعوذ بالله من غضب الله و رسوله المجد يث۔ رواه الدارمي

نے فرمایا کہ اے عمر روویں تجھکو رونے والیاں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کو تو دیکھ کہ ناخوشی کے آثار پائے جاتے ہیں حضرت عمر نے دیکھتے ہی فرمایا پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کے غصہ سے اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے غصہ سے۔ (دارمی)

اس حدیث سے ایک حق اُستاد کا ثابت ہوا کہ اگر وہ کسی بات پر غصہ کرے تو شاگرد کو معذرت کرنا اور اُس کو خوش کرنا ضرور ہی دوسرا حق شاگرد کا ثابت ہوا کہ اگر اُس سے کوئی امر مناسب صادر ہو تو اُسکو متنبہ کرنا ضرور ہے اور اس سے اُسکی اصلاح ہوتی ہی تیسرا حق شریک علم کا ثابت ہوا کہ اُس کی غلطی پر جب پر وہ خود مطلع نہوا ہو خیرخواہی سے مطلع کردے کہ وہ اُس کا تدارک کر اور وہ بھی اُسکو قبول کرلے۔ جیسا حضرات شیخین سے واقع ہوا۔

حدیث۔ فی الترغیب والترهيب للمنذري عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تعلموا العلم وتعلموا للعلم السكينة والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منه رواه الطبراني في الاوسط

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم سیکھو اور علم کیلیے سکینہ اور وقار اختیار کرو اور جس سے علم سیکھتے ہو اُسکے ساتھ تواضع اور ادب سے پیش آؤ۔ (ترغیب وترہیب)

اس حدیث میں ترغیب علم و اختیار وضع اہل علم کے ساتھ اُستاد کے ساتھ ادب و تواضع سے پیش آنیکا صریح امر ہی۔

اب بعد سوق نصوص کے واقعات پر نظر کرکے کچھ کوتاہیاں اس باب کیمتعلق عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہی سوچنا چاہیئے کہ جو لوگ اُستاد کے حقوق ضائع کرتے ہیں جیسا کہ تمہید مضمون میں بیان کیا گیا مختلف اقسام ہیں بعض تو خود زمانہ تحصیل علوم میں بھی کوتاہیاں کرتے ہیں پھر ان میں بعضے تو ظاہر حقوق میں بھی کوتاہی کرتے ہیں جیسے اُس کا ادب کرنا مثلاً آنے جانیکے وقت سلام نہ کرنا اُسکی طرف پشت کرکے بیٹھنا یا اُدھر پاؤں پھیلا دینا اور جیسے اطاعت کم کرنا مثلاً کوئی بات مان لی کسی بات کو ٹال دیا اور جیسے خلوص میں کمی کرنا مثلاً اُس سے فریب کرنا جھوٹ بولنا اپنی خوش تاویل کرنا اور جیسے خدمت میں کمی کرنا خواہ بدنی ہو مثلاً اُسکو پنکھا جھلنا اُس کا بدن

وابنا ومثل ذلک اور خواہ مالی ہو مثلاً حق تعالیٰ نے اپنے کو وسعت دی ہے اور اُستاد نادار ہے اُسوقت اُسکی خدمت میں کچھ نقد یا متاع یا طعام بطور ہدیہ کے پیش کرنا اس میں ایسے منکر ہیں کہ وہ بدنی خدمت کو عار اور ذلت سمجھتے ہیں اور بعضے مال سے دریغ کرتے ہیں خصوص اگر اُستاد ان کا تنخواہ دار ہو تو تنخواہ دیکر سب حقوق سے اپنے کو سبکدوش سمجھ بیٹھتے ہیں واقعی پھر کوئی حق واجب تو نہیں رہتا لیکن کیا واجب کے بعد تطوع کا کوئی درجہ نہیں خصوص جبکہ اُس میں اپنا ہی نفع ہو تجربہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اُستاد کا دل جسقدر خوش رکھا جاوے گا اُسی قدر علم میں برکت ہوگی میں نے ایک جگہ کسی بہت بڑے عالم کی حکایت لکھی دیکھی ہے کہ اُن کے اُستاد اُن کے وطن کی طرف اتفاق سے آئے تھے سو سب شاگرد اُن کی خدمت میں سلام کیلئے حاضر ہوئے اور یہ عالم بوجہ اس عذر کے کہ وہ اپنی والدہ کی خدمت میں مشغول تھے حاضر نہ ہو سکے چونکہ ایسی مشغولی نہ تھی کہ حاضر ہونیسے ضروری خدمتمیں کوئی حرج واقع ہوتا کسی قدر سستی سے ہی کام لیا اُستاد کو یہ کم توجہی ناگوار ہوئی اور یہ فرمایا کہ ببرکت خدمت والدہ کے انکی عمر تو طویل ہوگی مگر ہمارے حقوق میں کمی کرنیکے سبب انکے علم میں برکت نہوگی چنانچہ عمر تو بہت ہوئی لیکن تمام عمر گذر گئی نشر علم کے اسباب انکے لئے جمع نہوئے کچھ ایسے اتفاقات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہے کہ کبھی شہر میں رہنا ہی نصیب نہوا ہمیشہ گاؤں میں رہتے رہے جہاں نہ درس وتدریس کا موقع ملا نہ دوسرے طرق اشاعت علم کا غرض اُستاد کے تکدر سے علم کی برکت جاتی رہتی ہے اور اُسکی خوشی سے برکت ہوتی ہے پس جو حقوق واجب بھی نہیں ہیں اُن کی رعایت کرنیسے اپنا یہ نفع ہے اور غور کرنیکے قابل بات ہے کہ اگر اُستاد بھی اسی قاعدہ پر عمل کرے کہ تعلیم واجب سے زیادہ ایک حرف نہ بتلاوے ایک منٹ زیادہ نہ دے تقریر ایک بار سے زیادہ ہرگز نہ کرے تو کیا اس طرح سے اُسکو علم حاصل ہو سکتا ہے وہ بیچارہ اسکی تعلیم وتفہیم میں واقعی خون جگر کھاتا ہے تو اُسکو کیا زیبا ہے کہ اُسکے حقوق میں ضابطہ سے ایک اُنگل نہ بڑھے یہ تو نری بےحسی وقساوت ہے اور بعضے ایسے موٹے موٹے حقوق کی تو رعایت کرتے ہیں لیکن ایسے حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں جنکے سمجھنے میں سلیقہ کی ضرورت ہے مثلاً مطالعہ کم دیکھنا جس سے بلا عبارت پڑھنے میں غلطیاں ہونیسے یا مقام کے کم سمجھنے کے سبب اُستاد کو کئی بار تقریر کرنیکی ضرورت واقع ہونے سے یا اسی کم سمجھنے کے سبب فضول سوال کرنے سے اُستاد کو تنگی وانقباض

وپریشانی ہو تو گیا محسن کا یہی حق ہی کہ اُسکو بلاضرورت پریشان کیا جاوے اور یہاں بلاضرورت ہی ہے کیونکہ مطالعہ کے اہتمام سے یہ سب خلجانات رفع ہوسکتے تھے میں یہ نہیں کہتا کہ مطالعہ دیکھنے سے پھر عبارت میں غلطی یا فہم مطالب میں کمی نہیں ہوتی ضرور پھر بھی ہوتی ہے مگر اللہ تعالےٰ نے اُستادوں کو ایسی بصیرت عطا فرمائی ہی کہ وہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس نے اپنی کوشش صرف کی ہے یا نہیں پس باوجود بذل جہد کے جو کمی رہ جاتی ہے وہ چونکہ اسکی وسعت سے خارج ہے اُس سے تبعًا تنگدلی نہیں ہوتی اس میں اُس شاگرد کو معذور سمجھا جاتا ہے اور بے پروائی اور سستی معلوم ہونے سے بیحد ناگواری ہوتی ہی اور مثلاً اُستاد کی تقریر کے وقت دوسری طرف التفات کرنا کہ اُستاد تو اس کی طرف متوجہ اور یہ دوسری طرف متوجہ اس سے اُستاد کو بہت کوفت ہوتی ہی خصوص ایسی حالت میں جبکہ کوئی سوال بھی کرے ایسا کہ اگر توجہ سے تقریر سُنتا تو پھر یہ سوال ہی نہ کرتا اُسوقت اُستاد کو سخت شکایت ہوتی ہی کہ ناحق ہی مجھکو پریشان کر رہا ہے اور مثلاً ایسا سوال کرنا جس کا جواب یا جس کی لغویت خود بھی معلوم ہے جس طرح بعض طلبا کی عادت ہی کہ محض اپنی ذہانت دکھلانے یا اُستاد کا امتحان لینے یا محض مشغلہ و تفریح کی غرض سے دور از کار مہمل مہمل سوالات کیا کرتے ہیں جیسے ایک طالب علم کی حکایت سنی ہی کہ اُنہوں نے حدیث میں پڑھا کہ طلوع شمس کیوقت نماز نہ پڑھو تو آپ کیا فرماتے ہیں کہ لاتصلوا بھی عام اور طلوع شمس بھی عام خواہ کسی مقام کا طلوع شمس ہو اور یہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع ہوتا ہی رہتا ہی تو اس سے لازم آتا ہی کہ کسی شخص کو کسی وقت بھی نماز پڑھنا جائز نہو ہر چند اُسکو سمجھایا گیا کہ بھائی جہاں کا طلوع شمس ہو وہیں کے لوگوں کو اُس وقت کے اعتبار سے لاتصلوا کا حکم ہے مگر اُن بزرگوار نے مانا ہی نہیں یہی فرماتے رہے کہ نہیں صاحب دونوں ہی میں عموم ہی اُن سے کہا گیا کہ بھائی اس سے تو نماز کی فرضیت ہی لغو ہوئی جاتی ہی کہتے ہیں کہ خواہ کچھ ہو جائے۔ انصاف ہے کہ کیا یہ سوال قابل پیش کرنے کے ہی اور کیا سچ مچ اُس پاگل کو یہ شبہ تھا محض فضول دق کرنے کیلئے اُس نے یہ حرکت کی اور بجائے اسکے کہ اُسکے زعم کیموافق اُس کی ذہانت ظاہر ہوتی الٹا اُس کا کوڑھ مغز ہونا ثابت ہو گیا ایسے طالبعلموں کو کبھی علم نصیب نہیں ہوتا۔

غرض اُستاد کو کبھی پریشان نہ کرے بلکہ ادب کی بات تو یہ ہی کہ اگر اور کسی سبب سے یا اور کسی کے

سبب سے وہ پریشان ہو تو اسوقت یا تو سبق ملتوی کرے یا بجز بہت ہی ضروری بات کے زاید باتیں نہ پوچھے اور مثلاً تعیین سبق یا مقدار سبق میں اُستاد کی رائے نہ ماننا جیسے بعض طلبا کی عادت ہی کہ باوجود اُستاد کی رائے معلوم ہو جانیکے پھر اپنی رائے پر اصرار کرتے ہیں کہ ہم تو فلاں ہی کتاب شروع کرینگے یا اتنا ہی سبق پڑھیں گے یا فلاں ہی شخص سے پڑھیں گے ان امور میں تو طالب علم کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون - یعنی کہاں تجربہ کار اور کہاں ناتجربہ کار اسکو تو اسپر عمل کرنا چاہیئے ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغان گوید — کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کنایہ است از خلافت نفس کردن نہ کہ خلاف حق کردن یہ وہ حقوق ہیں کہ جن کے سمجھنے کیلئے سلیقہ کی ضرورت ہی - یہانتک یہ سب جزئیات ہوئیں اُن اضاعات حقوق کی جو زمانہ تحصیل علوم میں سرزد ہوتی ہیں - ایک قسم وہ ہیں جو بعد مفارقت کے اُستاد کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہوں مگر عمل کا اہتمام نہیں کرتے اور اس بلامیں بہت زیادہ ابتلاء ہے اور تو کیا کرتے کبھی خط بھیجنے کی اور اُستاد کی خیریت پوچھنے کی توفیق نہیں رہتی سمجھتے ہیں کہ اب کیا علاقہ رہا یا یہ کہ کیا مطلب رہا گیا صاحب محسن کا حق صدور احسان ہی کے زمانہ تک ہوتا ہے پھر نہیں رہتا اگر یہ بات ہی پس بعد بالغ ہو جانیکے والدین کے حقوق بھی رخصت ہو جاوینگے ولا قائل بہ پھر یہ ہی کہ گو صدور احسان کا اسوقت اُستاد سے نہیں ہو رہا لیکن اُس احسان کے آثار کا ظہور و ترتب تو اُسوقت بھی ہو رہا ہی بلکہ زیادہ اسی وقت ہو رہا ہی کیونکہ جتنا کمال علمی اسوقت تمہارا ظاہر ہو رہا ہی اُس کا منشاء و مبداء وہی انعام تعلیمی اُستاد ہی کا تو ہے - ونعم ما قیل فی نحو ھذا المعنی ؎

فعادوا فاثنوا بالذی کان اھلہ — ولو سکتوا اثنت علیہ الحقائب

غرض یہ ناسپاسی ہی کہ اپنا کام نکالا اور الگ ہوئے یہ تو پوری خود غرضی ہے سپاس گذاری یہی ہی کہ ہمیشہ جبتک جان میں جان ہی وہ وقت یاد رکھے کہ جب یہ اُسکے سامنے کتاب رکھکر بیٹھتا تھا اور یہی سمجھے کہ گویا ابھی اُس کے پاس سے پڑھکر اُٹھکر آیا ہوں اور پھر پڑھنے کیلئے جانا ہی تو اُس وقت جتنے حقوق کو یہ ضروری سمجھتا تھا جن کی بقدر ضرورت تفصیل بھی کر

ہو چکی ہو وہی حقوق اب بھی باقی ہیں ایسا کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ یوماً فیوماً علوم و برکات میں ترقی ہوگی قال تعالیٰ لئن شکرتم لازیدنکم الآیہ بلکہ ان حقوق کو ایسا مستمر سمجھے کہ اُستاد کی وفات کے بعد بھی وہ حقوق ملحوظ رکھے جو اسوقت ادا کئے جا سکتے ہیں اور اُن کا خلاصہ دو امر ہیں ایک اسکے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت کرنا دوسرے اُسکے اہل و اقارب کی تعظیم اور خدمت کرنا اسی طرح اُستاد کے دوستوں اور معاصرین کا احترام اور اگر اُن کو حاجت ہو تو اُن کی خدمت بھی کرنا۔ احادیث میں اس قسم کے حقوق والدین کے آئے ہیں اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن لوگوں کی فضیلت بیان فرمائی ہے جو بعد وفات نبویہ آپکے اہل کی خدمت کرینگے اور آپکی عترت سے محبت رکھیں گے اب صرف ان مضیعین حقوق اُستاد میں سے وہ لوگ رہگئے جن کو میں نے تمہید میں بدنصیب کہا ہے یعنی جو نفسانی اغراض سے اُستاد کے مخالف ہوجاتے ہیں اُن کی شان میں تقریراً یا تحریراً گستاخی کرکے ان اشعار کا مصداق بنتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیق ادب — بے ادب محروم گشت از فضل رب

ہر کہ گستاخی کند اندر طریق — باشد او در لجۂ حیرت غریق

بدز گستاخی کسوف آفتاب — شد عزازیلے ز جرأت رد باب

اُستاد تو وہ چیز ہے کہ اگر بضرورت دینیہ بھی اُس کے خلاف کرنا پڑے تب بھی کافر باپ کی طرح دین کے باب میں تو اُسکی موافقت نہ کرے لیکن ادب اور احترام اُس کا ترک نہ کرے کیونکہ وہ بھی ایک قسم کا یعنی روحانی باپ ہے گو تعارض حقوق کیوقت باپ سے یہ مرجوح ہو مگر حقوق غیر متعارضہ میں تو اُس کا بھی وہی حکم ہے آخر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں اسی تربیت روحانیت و تعلیم دینی ہی کے سبب تو یہ ارشاد ہوا ہے النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم وفی بعض القراٰت وھواب لھم۔ پس اُستاد بھی آپکا وارث و نائب ہو گو اس درجہ میں نہ سہی چنانچہ آپ کے حقوق علی الاطلاق آبائے نسبیہ پر مقدم ہیں اسوجہ سے آپکے حقوق حقوق الٰہیہ ہیں جو سب پر مقدم ہیں یہ مختصر بیان ہوا اقسام مضیعین حقوق و آداب اساتذہ کا اور ان سب اقسام میں ایک مشترک شکایت ہے وہ یہ کہ جو اساتذہ کسی مدرسہ سے تنخواہ پاتے ہیں اُن کے حقوق اور بھی ضعیف سمجھتے ہیں۔

افسوس یہ نہیں سمجھتے کہ جو بناء ہے ان حقوق کی وہ تنخواہ پانے سے منعدم نہیں ہوگئی تو مبنی کیسے مفقود ہوجاویگا اول تو تنخواہ کیا اس احسان کا بدل ہوسکتی ہے دوسرے دگر تنخواہ اُنہوں نے بھی دی ہو اُس سے زیادہ اُس نے اُن کو دیا یعنی علم اور اگر کہا جاوے کہ جب نیت اُسکی دنیا کی تھی تو احسان کم ہوگیا یہ بھی محض غلط ہے ثواب خواہ کم ہوجاوے مگر احسان تو ویسا ہی ہے اور شاید اس مقام پر بعض کو یہ خیال ہو کہ ہم فلاں اُستاد کے بہت حقوق ادا کرتے ہیں تو تتبع سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نرا اُستاد سمجھ کر حقوق ادا کم کرتے ہیں جس اُستاد کے حقوق کچھ ادا ہوتے ہیں اُن میں کوئی دوسرا کمال بزرگی وغیرہ کا سمجھ کر ایسا کرتے ہیں دیکھنا یہ ہے کہ جہاں نری اُستادی ہو وہاں کیا ہوتا ہے اگر وہاں بھی رعایت حقوق کی ہو تو قابل مدح وتحسین ہے اسی طرح بعض اساتذہ کو جاہ دنیوی حاصل ہونیسے اُسکی تعظیم وتکریم کی جاتی ہے وہ بھی کوئی دلیل شاگرد کی خوبی کی نہیں وہ اس سے خود اپنی بڑائی کا سامان کرتا ہے چنانچہ اگر اُستاد جاہ شہرت میں شاگرد سے کم ہوتا ہے بعض ناخلف اپنے کو اُسکی طرف منسوب کرتے ہوئے عار کرتے ہیں اگر ایسے اُستاد کا بھی حق ادا کرے تو مبارک حالت اور قابل قدر ہے۔

اب بعد بیان حقوق وآداب معلم کے اسی طرز مذکور پر کچھ حقوق متعلم یعنی شاگرد وغیرہ کے بیان کرتا ہوں کہ اولاً بعض نصوص اور ثانیاً بعض جزئیات از قبیل واقعات مذکور ہونگے۔

آیۃ - ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن الآیۃ

بُلا خدا کے راستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور مناظرہ کر اچھا اور نرم طریق سے۔

اس آیت سے نصاً معلوم ہوا کہ مستفیدین کیساتھ اگرچہ وہ طالب نہ ہوں کیونکہ آیت میں مدعوین ایسے ہی لوگ ہیں رعایت اُنکے مذاق واستعداد اور رفق وملاطفت کی رکھنا چاہیے اور اگر طالب بھی ہوں جیسے بالمعنی المتعارف طالب علم وغیرہم تو اُن کے ساتھ تو رعایت مذکورہ نہایت درجہ ضروری ہے اُنکے ساتھ ابتدائی خطاب میں بھی مثلاً کتاب کی تقریر میں کہ ادع میں بھی ابتدائی خطاب مراد ہے اور اُن کے سوالات کے جوابوں میں بھی خواہ تحقیقی جواب ہو یا الزامی کہ جادلھم سے یہی مقاولت مراد ہے۔

قرآن	ترجمہ
آیۃ ۸ ۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر الایۃ مع قولہ تعالیٰ السابق ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر الایۃ ۔	تم بہترین امت ہو لوگوں کی ہدایت کیواسطے پیدا کئے گئے ہو اچھی باتوں کا حکم کرتے ہو اور بُری باتوں سے منع کرتے ہو ۔ عـہ تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے جو خیر کیطرف لوگوں کو بلاوے

اِس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے علماء کو لوگوں کے نفع دینی پہنچانیکے لئے (کما یدل علی النفع اللام وعلی تفسیرہ بالامر والنھی) پیدا کیا ہے اور یہ نفع پہنچانا اُنپر واجب ہے (کما یدل علیہ صیغۃ الامر) پس اس صورت میں مستفیدین پر اپنا احسان سمجھ کر اُن کو بے وقعت سمجھنا اور اُن پر حکم چلانے میں حد سے تجاوز کرنا اُنپر محض براہ کبر سختی کرنا نہایت نازیبا امر ہے کہ وہ اگر اپنی خواہش سے استفادہ کرتے ہیں تو گویا ادائے واجب میں معلم کے معین ہیں پس اُنکے ساتھ اقل درجہ ایسا معاملہ کرنا چاہیے جیسا اپنے معین فی الدنیا کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے اور اُن کے ساتھ ایسے طریقے سے پیش آنا چاہیے جس سے اُن کو نفع پہنچے (الذی ھو مقتضی اللام) اور ظاہر ہے کہ ایسی سختی یا بے وقعتی یا بے پروائی کی حالت میں اُن کا نفع مفقود ہے یا ناقص ہو جاتا ہے خصوص اُنکے سوال کے جواب میں جبکہ وہ سوال تعنت وعناد سے نہو زجر میں شدت کرنا عموم ارشاد خداوندی اما السائل فلا تنھر کے بھی خلاف ہے یا بدون اُنکے کسی مصلحت کے محض اپنی بڑائی اور اُسکی بُرائی ظاہر کرنے کو اُنپر اس طرح احسان رکھنا اور اپنے احسان کو جتلانا کہ جس سے اُنکی تحقیر یا اُن کو اذیت ہو آیندہ ارشاد خداوندی کے مفہوم کے خلاف ہے ۔

آیۃ ۹ ۔ ثم لا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی الایۃ بعد تعمیم تفسیر قولہ ومما رزقنٰھم ینفقون کما نقل البیضاوی ومما رزقنٰھم من انوار المعرفۃ یفیضون ۔	صدقہ دیکر احسان نہیں جتاتے اور نہ کسی قسم کی تکلیف دیتے ہیں ۔ عـہ اور جو ہمنے انکو رزق دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں جیسا کہ نقل کیا اُسکو بیضاوی نے یعنی جو ہمنے انوار معرفت اُنکو عطا کئے ہیں لوگوں پر اُن کا فیضان کرتے ہیں ۔ ۱۲
حدیث ۔ عن ابی سعید الخدری قال قال	جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان الناس لکم تبع وان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوا بھم خیرا (رواہ الترمذی)

کہ اور لوگ تمہارے تابع ہیں تمہارے پاس دور دراز ملکوں سے لوگ علم دین سیکھنے اور سمجھنے کو آویں گے اُن کے بارے میں میری وصیت کیموافق بھلائی سے پیش آنا (ترمذی)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص علم دین طلب کرنیکے لئے آوے اُسکے حق میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خیر کی او حسن معاملہ کی وصیت فرماتے ہیں گو ابھی تحصیل بھی شروع نہیں کی اور بعد تحصیل کے تو اور بھی تعلقات و خصوصیات جو کہ مقتضیات زیادت و تاکد حقوق ہیں زاید ہونگے پس حقوق اور بھی کماً و کیفاً کثیر اور قوی ہو جائیں گے اور چونکہ دوسرے نصوص سے صاحب افادہ کو تنگ کرنیکی ممانعت ثابت ہی کما قال تعالیٰ ولا یضار کاتب ولا شھید الایہ اس سے یہ بھی مفہوم ہو گیا کہ طلبہ کو بھی اپنی حوائج علمیہ و ما یتعلق بہا کی درخواست معلمین و مہتمین سے اُسی درجہ تک کرنی چاہیئے کہ اُن کو کلفت نہو یہ اُن کے ذمہ واجب نہیں کہ جتنے طلبہ آویں سب کیلئے طبق اور سبق کا انتظام ضرور ہی کر دیا کریں البتہ بشرط سہولت و اسکا انتظام اور پھر بعد کام شروع کر دینے کے اُنکے مصالح علمیہ کی رعایت حسب حدیث ضروری ہے۔

حدیث۔ عن سمرۃ بن جندب والمغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین رواہ مسلم

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرف سے کوئی بات بیان کرے اور وہ جانتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے وہ جھوٹا ہی (مسلم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سبق کی تقریر میں غلط مطلب بتلا دینا یا مستفتی کو غلط مسئلہ بتلا دینا یہ حرام ہی جیسا بعض مدرسین و مفتیین کی عادت ہی کہ طالب علم یا سائل سے اپنا جہل چھپانیکے لئے غلط سلط ہانک دیتے ہیں اور اگر طالب علم قبول نہیں کرتا اور کچھ شبہ کرتا ہی کبھی مغالطات و تلبیسات سے اور کبھی غضب اور سب و شتم سے اُس کو خاموش کر دیتے ہیں اتنا کہنے کی توفیق نہیں ہوتی کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آیا پھر سوچیں گے یا یہ کہ دوسرے مدرس سے خود پوچھ لیں یا اُس طالب علم ہی کو پوچھنے کی اجازت دیدیں اس سے عار آتی ہے

حالانکہ یہ کوئی عار کی بات نہیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون عالم ہوگا۔ آپ نے بہت سے سوالوں پر لاادری فرمایا اور جب وحی نازل ہوئی اُس وقت بتلا دیا اور واقعی جب احاطہ کُل علوم کا خاصہ حق جل شانہ کا ہی تو بعض چیزوں کا نہ جاننا ممکن کے لوازم سے ہی تو اس لازم کا اگر اقرار کر لیا تو کونسی نئی بات ہوئی بلکہ واقع میں تو غیر معلومات عدد میں معلومات سے زیادہ ہی ہیں قال تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ میرے ایک ابتدائی کُتب کے اُستاد علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک حکایت بیان فرمائی تھی کہ اُنھوں نے کسی معلم سے فارسی پڑھنے کی درخواست کی اُنھوں نے کہا بھائی پڑھنے سے پہلے یہ سن لو کہ تم مجھکو عالم الکل سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہو یا عالم البعض اگر شق اوّل ہی تو بھائی مجھ کو معاف رکھو کیونکہ میں عالم الکل نہیں اور اگر ثانی ہی تو بیشک مجھ میں یہ صفت ہی لیکن اسکے مقتضا سے کبھی یہ بھی ہوگا کہ کسی مضمون کی نسبت یہ بھی کہدوں گا کہ مجھکو معلوم نہیں تو مجھکو پریشان مت کرنا اور دوسری جگہ حل کر لینا سبحان اللہ کیسی پاکیزہ بات اُنھوں نے کہی بس ہی سمجھنا ہر عالم پر ضروری ہی اسی طرح اگر اولاً اپنی غلطی معلوم نہوئی لیکن بعد تقریر کے از خود یا طالب علم کی متنبہ کرنے سے اطلاع ہوگئی تو چاہئے کہ معاً اُس تقریر سے اپنا رجوع ظاہر کر دے ورنہ غلط تقریر کرنے میں یا غلطی پر اڑے رہنے میں چند خرابیاں ہیں ایک تو گناہ جیسے حدیث موصوف سے معلوم ہوا اور یہ شبہ نکیا جاوے کہ یہ تو صرف حدیث کے ساتھ خاص ہے بات یہ ہی کہ جتنے علوم دینیہ ہیں سب حکایت عن الرسول ہیں خواہ لفظاً یا معنیً (و من ثم قیل ان القیاس مظہر لا مثبت) اور جتنے علوم آلیہ ہیں وہ علوم دینیہ کے تابع ہیں والتابع لہ حکم المتبوع پس اس طرح سے اس حدیث کا مضمون تمام علوم مقصودہ و مبادی للمقصودہ کو عام ہے پس غلط تقریر یا اُسپر اصرار کرنے میں گناہ ہونا ان سب میں عام ہی ایک خرابی یہ ہوئی دوسری خرابی یہ ہے کہ اگر طالب علم کو معلوم ہو گیا کہ یہ تقریر غلط ہی تب تو تبعاً اُستاد سے تنفر اور اُسکی تحقیر قلب میں پیدا ہوگی اور اُسکے ہوتے ہوئے پھر حقوق اُستادی کا ادا کرنا سخت دشوار ہی تو یہ فعل اُستاد کا اخلال با لواجب کا سبب ہوا اور اعانت معصیت معصیت ہی اور اگر طالب العلم کو پتہ نہ لگا تو وہ بیچارہ عمر بھر کیلئے جہل میں مبتلا ہوا پھر یہی سلسلہ آگے معلوم نہیں کہاں تک چلیگا پھر اس وبال کی کوئی

حد ہے ذرا سی عار پر نار کو اختیار کرنا کون عقل یا دین کی بات ہی تیسری خرابی یہ ہی کہ استاد کے اخلاق اکثر تلمیذ میں سرایت کرتے ہیں یہی ہٹ دھرمی اور سخن پروری کی صفت ذمیمہ اُس میں پیدا ہو جاویگی اور اُستاد صاحب اس حدیث کے مصداق بنیں گے من سن سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرہا ووزر من عمل بہا من بعدہ الحدیث رواہ مسلم بہرحال گناہ بھی اور شاگرد کے حقوق کی اضاعت بھی گناہ کی تقریر ہو چکی اور اضاعت حقوق ظاہر ہے کہ اسکی خیر خواہی کے خلاف اُسکے واجب کا اتلاف اُسکے اخلاق کا افساد اس کو جہل میں مبتلا کرنا کہ ایک قسم کا غش اور خیانت ہے چنانچہ ذیل میں خصوص کیساتھ اس سے تعرض ہے۔

حدیث۔ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من افتیٰ بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ ومن اشار علے اخیہ بامر یعلم ان الرشد فی غیرہ فقد خانہ رواہ ابوداؤد۔

کسی سائل کو کسی نے بلا علم کے مسئلہ بتلا دیا تو اُس کا وبال اُس بتانے والے پر ہے۔ اور جس شخص نے اپنے بھائی مسلمان کو مشورہ دیا اور جانتا ہی کہ وہ مشورہ ٹھیک نہیں ہی تو اُس نے اُسکی خیانت کی (ابوداؤد)

اس حدیث میں غلط مسئلہ بتلانیکا گناہ ہونا اور غلط بات بتلا دینے کا (جس میں دین کی بات بھی آگئی) خیانت ہونا صاف منصوص ہے۔

حدیث۔ عن عبداللہ قال یا ایہا الناس من علم شیئاً فلیقل بہ ومن لم یعلم فلیقل اللہ اعلم فان من العلم ان یقول لما لا یعلم اللہ اعلم قال اللہ تعالیٰ قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ اے لوگو جو شخص کسی بات کا علم رکھتا ہو تو اُسکو چاہیئے کہ بتا دے اور جو نہ جانتا ہو اس کو چاہیئے کہ کہدے کہ اللہ جاننے والا ہے کیونکہ یہ کہدینا بھی علم کی بات ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی کہدو کہ میں تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا اور نہ میں تکلیف کرنے والوں میں سے ہوں کہ اپنی طرف سے کچھ نہ کچھ کہدوں (بخاری ومسلم)

اس حدیث میں صریح تاکید ہے کہ جو بات معلوم نہو کہدے کہ معلوم نہیں پس تقریر سبق میں بھی اس پر عمل کرنا علم اور طالب علم دونوں کا حق ہے۔

حدیث۔ عن شقیق قال کان عبداللہ بن مسعود

حضرت عبداللہ بن مسعود ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے

يذكر الناس فى كل خميس فقال له رجل يا ابا عبد الرحمن لوددت انك ذكرتنا فى كل يوم قال اما انه يمنعنى من ذالك انى اكره ان املكم وانى اتخولكم بالموعظة كما كان رسول الله صلے الله عليه وسلم يتخولنا بها مخافة السامة علينا متفق عليه

کسی شخص نے عرض کیا کہ حضرت روز وعظ فرمایا کیجئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے روز وعظ کہنے سے یہ امر مانع ہے کہ میں تم کو ملول کرنا نہیں چاہتا اور تمہاری خبرگیری اور نگہداشت ایسی ہی کرتا ہوں جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری خبرگیری فرمایا کرتے تھے کہ ہم ملول نہوں (بخاری ومسلم)

اس حدیث سے مستفیدین للعلوم کا ایک حق یہ معلوم ہوا کہ اُن کے نشاط وشوق کے باقی رکھنے کی بھی رعایت کرے پس اس ..... میں یہ بھی داخل ہوگیا سبق اتنا پڑھاوے اسی طرح کتابیں اتنی نہ شروع کراوے کہ اُکتا جاویں اور اگر وہ اس مقدار کی متحمل بھی نہوں یعنی اُس کا مطالعہ اور تکرار وضبط دشوار ہو تو بدرجہ اولی محل منع ہوگا اسی طرح وقت میں اس کی رعایت کرے کہ اُنکی طبیعت تازہ ہو کھانیکا تقاضا کسل اور اسی طرح نیند کا غلبہ یا اور کسی سبب سے دماغ پریشان نہو جیسے بعض مدرسین طلبہ کو ان امور کے اہمال سے اس قدر زچ کردیتے ہیں کہ یا تو وہ بھاگ جاتے ہیں یا استعداد حاصل نہیں ہوتی اور وہ اسی میں مست ہیں کہ ہم طلبہ کے ساتھ خوب محنت کرتے ہیں حالانکہ وہ سب محنت اکارت جاتی ہو اسی کی نظیر ہے .... ارشاد حق تعالیٰ کا یہ مضمون الذین ضل سعيهم فى الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا الاية اسی طرح ہفتہ میں کم ازکم ایک روز کی تعطیل ہونا ضرور ہے بعضے تعطیل میں بھی طالبعلموں کی جان مارتے ہیں اور اسکو اپنی بڑی کارگذاری سمجھتے ہیں - ع دوستی بے خرد چون دشمنی ست -

حدیث - عن ابى هريرة فى حديث طويل قال النبى صلے الله عليه وسلم اذا وسد الامر الى غير اهله فانتظر الساعة رواه البخاری

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دینی خدمات نالایقوں اور نااہلوں کے سپرد ہوجاویں تو قیامت کا انتظار کرنا چاہئے - (بخاری)

اس حدیث کے عموم میں یہ بھی داخل ہوگیا کہ اگر کسی طالب علم کا کوئی سبق کسی دوسرے کے سپرد کرے تو اُس کا لحاظ رکھے کہ وہ شخص اُس کا اہل ہو اگر نا قابل وبد استعداد یا غیر

غیرشفیق کو سپرد کریگا تو شرعاً مذموم ہوگا پس یہ بھی شاگرد کا ایک حق ہے۔

حدیث۔ عن عبد اللّٰہ بن عمر قال تخلف عنا النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی سفرۃ سافرناھا فادرکنا وقد ارھقنا الصلوٰۃ ونحن نتوضأ فجعلنا نمسح علی ارجلنا فنادی باعلی صوتہ ویل للاعقاب من النار مرتین او ثلثا رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے آپ ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے جلدی کیوجہ سے ہم نے پاؤں دھونے میں بہت جلدی کی کہ کچھ سوکھا رہ گیا آپ نے دیکھ کر دو تین بار فرمایا خبردار ہو جاؤ عذاب دوزخ اُن ایڑیوں کیلئے ہے جو سوکھی رہ جاویں (بخاری)

اس حدیث سے تین حق شاگردوں کے ثابت ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ صرف اُن کے تعلیم علوم ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ اُن کے اعمال واخلاق کی بھی حتی الامکان نگرانی رکھے جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کے پاؤں کے خشک رہجانے پر متنبہ فرمایا اور یہ باب بالکل ہی مسدود ہو گیا ہے اساتذہ صرف سبق پڑھا دینے کو ضروری سمجھتے ہیں تعلیم کے ساتھ تربیت کی طرف توجہ ہی نہیں فرماتے اور علمی غلطی پر متنبہ نہ کرنا تو اور بھی غضب ہے۔ کیونکہ اس کا توانہوں نے بالتصریح التزام کیا ہے جیسا بعض معلمین قرآن کی عادت دیکھی گئی ہے کہ شاگرد پہلو میں بیٹھا ہوا غلط پڑھ رہا ہے اور یہ بہرے گونگے بنے بیٹھے ہیں اور اس سے بدتر یہ ہے کہ بعضے اساتذہ شاگردوں سے ایسے کام لیتے ہیں کہ اُنکے اخلاق اور تباہ ہوتے ہیں تو اگر اصلاح نہ کرے تو فساد تو نہ کرے دوسرے یہ کہ اگر کسی وجہ سے احتمال ہو کہ بدون آواز بلند کئے ہوئے آواز نہ پہنچے گی مثلاً حلقہ درس بڑا ہے یا اور کوئی عارض ہے تو بلند آواز سے تقریر کرنا حق ہی شاگرد کا ورنہ تقریر ہی بیکار ہے دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کس طرح باواز بلند فرمایا۔ تیسرے اگر احتمال ہو کہ ایک بار تقریر کرنے سے طلبا نے نہ سمجھا ہوگا تو دوسری تیسری بار بھی تقریر کر دینا مناسب ہے جس طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دو تین بار فرمایا ....

.... اور آیندہ حدیث میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت مستمرہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حدیث۔ عن انسؓ انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفہم عنہ رواہ البخاری

جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کوئی بات مہتم بالشان فرماتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے کہ لوگ خوب سمجھ لیں (بخاری)

یہ حدیث فائدۂ ثالثہ مذکورہ حدیث سابق میں نص ہے

حدیث۔ عن عبد اللہ بن عمرؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان من الشجر شجرۃ لا یسقط ورقھا وانھا مثل المسلم فحدثونی ماھی فوقع الناس فی شجر البوادی قال عبد اللہ ووقع فی نفسی انھا النخلۃ فاستحییت ثم قالوا حدثنا ما ھی یا رسول اللہ قال ھی النخلۃ رواہ البخاری

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ ایک ایسا درخت ہے کہ وہ پت جھڑ نہیں ہوتا اور مثل مسلم کے ہی بتاؤ وہ کیا ہی سب لوگ جنگل کے درختوں کو سوچنے لگے کہ کونسا درخت اس شان کا ہی میرے دلمیں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہی مگر چونکہ میں چھوٹا تھا اسلیے میں نے حیا کی اور چپ رہا پھر لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ارشاد فرمایئے کہ کونسا درخت ہی تو آپ نے فرمایا کھجور کا درخت (بخاری)

اس حدیث سے طلبا کے امتحان لینے کی مجبوریت نکلتی ہے جسمیں بہت سے فوائد مشاہد ہیں پس اُن فوائد کے اہتمام کیلیے امتحان لینا یہ بھی منجملہ حقوق تلامذہ ہے

حدیث۔ قال علی حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ ورسولہ رواہ البخاری

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے ایسی بات کرو جو وہ سمجھیں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول کی تکذیب کریں (بخاری)

اس حدیث سے ایک یہ بات معلوم ہوئی کہ طالب علم کی تعلیم میں اسکے فہم و استعداد کا لحاظ رکھے اور اُسی کے لحاظ سے ترتیب کتب و مقدار و عدد سبق تجویز کرے جیسا کہ ابن عباسؓ حق کو نوا ربانیین کی ایک تفسیر امام بخاری نے یہ بھی نقل کی ہے۔ الذی یربی الناس بصغار العلم قبل کبارہ۔ حدیث آیندہ سے بھی مرفوعاً اسکی اصل نکلتی ہی۔

حدیث۔ عن انس قال ذکر لی ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال لمعاذ من لقی اللہ

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا کہ جو شخص مرے اور خدا سے ملے

لا یشرک به شیئا دخل الجنة قال الا ابشر به الناس قال لا انی اخاف ان یتکلوا۔ رواه البخاری۔

اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ سمجھتا ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا لوگوں کو یہ خوشخبری سناؤں فرمایا مت سناؤ کیونکہ میں خوف کرتا ہوں کہ اسپر تکیہ کرلیں گے (بخاری)

یہ حدیث نص ہے اس میں کہ باوجودیکہ یہ مضمون من لقی اللہ الخ کا مقاصد عظیمہ شرعیہ سے تھا مگر بعض لوگوں تک اسکا پہونچانا اس لئے پسند نہیں کیا گیا کہ وہ اس سے متضرر ہوتے پس اسی طرح جو کتاب یا کوئی فن کسی خاص طالب علم کے لئے نامناسب ہو اوس کو اس سے روکنا بھی معلم کو لازم ہے اور اس طالب علم کو بھی اس میں اطاعت ضرور ہے۔

حدیث۔ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا رواه البخاری۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دینی امور میں لوگوں سے آسانی کرو تکلیف میں مت ڈالو خوشخبری سناؤ دین سے نفرت مت دلاؤ (بخاری)

اس حدیث کے عموم سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے ساتھ درس میں بھی تیسیر و عدم تنفیر کی رعایت رکھے تقریر بھی ایسی صاف و سلیس کرے جو ذہن نشین ہوجاوے اور مقدار و اعداد سبق میں بھی اس پر زیادہ بار نہ ڈالے اسی طرح ایک حق یہ بھی معلوم ہوا کہ تنبیہ و تادیب میں اتنی سختی نہ کرے کہ شاگرد کو وحشت ہوجاوے اسمیں میانجی لوگ بکثرت مبتلا ہیں۔

حدیث عن ابن عباس قال ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللہم علمه الکتاب رواه البخاری۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو سینہ سے لگالیا اور یوں فرمایا کہ یا اللہ اوسکو قرآن کا علم عطا فرمائیو (بخاری)

اس حدیث سے شاگرد کا ایک حق علاوہ تعلیم کے یہ بھی معلوم ہوا کہ اوس کے لئے حق تعالیٰ سے دعا بھی کیا کرے کہ اسکو علم نافع عطا ہو۔

حدیث۔ عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول بینما انا نائم اتیت بقدح لبن فشربت حتی انی

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ سے سنا آپ فرماتے تھے کہ خواب میں مجھے ایک پیالہ دودھ کا دیا گیا میں نے خوب سیر ہو کر پیا

لا دری الری یخرج فی اظفاری ثم اعطیت فضلی عمر بن الخطاب قالوا فما اولته یا رسول الله قال العلم رواہ البخاری

کہ ناخن تک سیرابی کا اثر محسوس ہوا پھر میں نے بچا ہوا وہ عمر کو دیدیا لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اسکی تعبیر کیا ہوئی فرمایا تو وہ اس سے مراد علم ہے (بخاری)

اس حدیث سے دو امر معلوم ہوئے ایک باعتبار صورت لبن کے ایک باعتبار معنی لبن کے اول یہ کہ شاگرد کو گاہ گاہ اپنے کھانے پینے میں بھی شریک کرلیا کرے کہ اُس کا دل بڑھتا ہے اور محبت زائد ہوتی ہے جس قدر اُسکو اُستاد سے محبت ہوگی اُسی قدر علم میں برکت ہوگی دوسرا یہ کہ اگر حق تعالیٰ کسی کو کوئی باطنی برکت عطا فرماوے تو شاگرد سے اس کو دریغ نہ کرے غرض غذا ظاہری و باطنی کا کچھ حصہ اُس کو بھی دیدے۔

حدیث ۔ عن ابی مسعود الانصاری قال قال رجل یا رسول الله لا اکاد ادرک الصلوٰۃ مما یطول بنا فلان فما رایت النبی صلی الله علیہ وسلم فی موعظۃ اشد غضباً من یومئذ فقال یا ایہا الناس انکم منفرون فمن صلی بالناس فلیخفف فان فیہم المریض والضعیف وذا الحاجۃ رواہ البخاری۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ نے کہا کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ فلاں شخص کی نماز طول کرنے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نماز نہ پاسکوں یعنی بدل ہوکر جماعت چھوڑ دوں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسقدر برافروختہ ہوئے کہ ایسے کبھی میں نے برافروختہ ہوتے آپ کو نہ دیکھا پھر آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو جو آدمی نماز میں امامت کرے اسکو چاہیے کہ قرات میں تخفیف کرے کیونکہ مریض اور ضعیف اور حاجتمند ہر قسم کے لوگ نماز میں ہوتے ہیں (بخاری)

اس حدیث سے دو امر متعلق طالب علموں کے ثابت ہوئے ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق کسی اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کئے جاویں اور وہ طالب اُسکی شکایت کرے تو شکایت سُننا چاہیئے اور تحقیق کے بعد اُس کا انتظام کرنا چاہیئے یہ نہیں کہ محض اُسکے طالب علم ہونیکے سبب اُسکو اور اُسکی بات کو محض لاشے سمجھکر نظر انداز کردیا جاوے دوسرے یہ کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی امر نامناسب صادر ہو اور کسی طور سے معلوم ہوجاوے کہ غضبناک ہوکر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا تو وہاں اسکی مصلحت کیواسطے غصہ ہی کرنا افضل ہے جس سے اسکی اصلاح

کاہل ہوجاوے۔

حدیث۔ عن ابی سعید الخدری قال قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا ...... الرجال فاجعل لنا یوما من نفسک فوعدھن یوما لقیھن فیہ فوعظھن وامرھن الحدیث رواہ البخاری

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم پر مرد غالب ہوگئے کہ آپکا وعظ سننے کا موقع ہم کو نہیں ملتا ہمارا بھی ایک دن مقرر کردیجئے آپنے اُنکے لئے وعظ ونصیحت اور احکام الٰہی سنانیکا ایک دن مقرر فرمادیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے تعیین وتقسیم اوقات وجماعت بندی طلبار کا مصلحت ہونا معلوم ہوتا ہے جن میں سے ایک عظیم مصلحت یہی ہے کہ ہر ایک کیلئے جدا سبق مناسب ہے تو سب ایک میں کیسے مجتمع ہوسکتے ہیں چنانچہ مورد حدیث میں ایک مصلحت یہی تھی کہ بعض احکام خاص عورتوں ہی کے مناسب ہوتے ہیں وہ مستقل خطاب میں اچھی طرح مفہوم اور اوقع فی النفس ہوتے ہیں۔

حدیث۔ عن زید بن خالد الجھنی فی حدیث طویل بعد السوال عن لقطۃ الابل وغضبہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فضالۃ الغنم قال (صلی اللہ علیہ وسلم) لک او لاخیک او للذیب رواہ البخاری

زید بن خالد جہنی سے ایک طویل حدیث میں اونٹ کے لقطہ کے سوال پر آپکے غصہ ہونیکے بعد یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ سائل نے عرض کیا کہ کھوئی ہوئی بکری کا کیا حکم ہے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بکری تیرے لئے یا تیرے بھائی کیلئے یا بھیڑیے کیلئے (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طالب علم پر کسی بیڈھنگے سوال پر غصہ کیا جاوے اور اُسکے بعد پھر کوئی معقول سوال کرے تو اُس کے جواب میں پہلے غصہ کا اثر نہ آنا چاہیے اور اس سے زیادہ اثر نہ رکھنے کا محل وہ ہے کہ جب دوسرا طالب علم کوئی بات پوچھنے لگے وہاں تو بدرجۂ اولی پہلا اثر نہ آنے پاوے بعض جھلے مزاج کے اُستاد ایک پر خفا ہوگئے تو بس اب ختم درس تک سب ہی پر برستے رہیں گے۔

حدیث۔ ان عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت لا تسمع شیئا لا تعرفہ الا راجعت فیہ حتی تعرفہ وان النبی صلی اللہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی باتیں سنتی تھیں کہ جو اُن کو معلوم نہ ہو تو برابر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے

علیه وسلم قال من حوسب عذب قالت عائشة فقلت اولیس یقول الله عز وجل فسوف یحاسب حسابا یسیرا قالت فقال انما ذلک العرض ولکن من نوقش الحساب یهلک ۔ رواه البخاری

پوچھ گچھ کرتی تھیں یہاں تک کہ سمجھ لیتی تھیں ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص حساب میں گرفتار ہوا عذاب میں مبتلا ہوا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ حساب آسان کیا جائیگا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ پیشی ہے ورنہ جس سے مناقشہ کیا گیا حساب میں تو ہلاک ہوگیا (بخاری)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر استاد کی تقریر میں کوئی شبہ رہے اور طالب علم اُسکو پوچھنے لگے تو نازک مزاجی سے ناخوش نہو البتہ اگر فضول سوال ہو تو ناخوشی کا اظہار بھی جائز ہے جیسا کہ اوپر کی حدیث میں نقطۂ ابل کے سوال پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا برہم ہونا مذکور ہے ۔

حدیث ۔ عن ابی هریرة قال قلت یا رسول الله انی اسمع منک حدیثا کثیرا انساه قال ابسط ردائک فبسطته فغرف بیدیه ثم قال ضمه فضممته فما نسیت شیئا بعده رواه البخاری

حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں آپ نے فرمایا کہ اپنی چادر پھیلا میں نے چادر پھیلا دی تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اُسپر لگا دیے اور فرمایا کہ اس چادر کو اپنے سینہ سے لگالے میں نے اُسکو اپنے سینہ سے لگالیا ۔ تو اُسکی برکت سے پھر کچھ نہ بھولا (بخاری)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر اگر اپنے علم و قدرت میں ہو تو مقتضائے شفقت یہ ہو کہ اُسکے مشورہ اور سعی کا اہتمام فرماوے ۔

حدیث ۔ عن ابن عمرؓ عن النبی صلے الله علیه وسلم ان رجلا سأله ما یلبس المحرم فقال لا یلبس القمیص ولا العمامة ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوبا مسه الورس او الزعفران فان لم یجد النعلین فلیلبس الخفین ولیقطعهما حتی یکون

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہو کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ محرم کیا کپڑا پہنے فرمایا کہ کرتہ اور عمامہ اور پاجامہ اور باران کوٹ اور ورس اور زعفران کا رنگا ہوا نہ پہنے جوتہ نہو تو موزے پہنے اور ان کو جوتہ کی طرح کاٹ لے کہ ٹخنہ سے نیچے رہیں (بخاری)

تحت الکعبین رواہ البخاری فی باب من اجاب السائل باکثر مما سألہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کوئی بات پوچھے مگر کوئی اور ضروری بات پوچھنے سے رہجاوے تو شفقت کا مقتضا یہ ہے کہ صرف اُسی کے سوال کے جواب پر اکتفا نہ کرے بلکہ وہ دوسری بات از خود بتلادے۔

یہانتک یہ بیس حدیثیں اس باب میں ہوئیں اور اتفاق سے ان حدیثوں کا عدد حقوق معلم کے متعلقہ حدیثوں سے مضاعف بلاقصد ہو گیا جس میں ایک قدرتی نکتہ خیال میں آیا کہ بندہ نے تمہید میں عرض کیا تھا کہ اضاعت حقوق تلامذہ میں زیادہ ابتلاء سے تو قدرتی انتظام اس کی اصلاح کا یہ ہوا کہ اُسکے دلایل کا عدد بھی مضاعف ہو گیا کیونکہ تکثیر دلایل سے تنبیہ کا زیادہ ہونا امر طبعی ہے اور یہ محض نکتہ ہے پس اسپر شبہ نہ کیا جاوے کہ پھر حقوق شرکا تعلم کے دلائل میں اس سے بھی تضاعف ہونا چاہیئے سو اوّل تو یہ نکتہ ہے اُس کا اطراد ضروری نہیں دوسرے جتنے تعلقات اُستاد و شاگرد کے قوی ہیں اُتنی قوت اس حق اخیر کو ہے بھی نہیں تو حق اقوی زیادہ حق ہے زیادت تنبیہ کا اور ہرچند کہ بعد سوق احادیث مثل باب اوّل یعنی بیان حقوق معلم یہاں بھی واقعات جزئیہ کے طرز پر کچھ مضمون ہونا چاہیئے تھا چنانچہ اسی باب ثانی کے اول میں اس کا وعدہ بھی ہے اور اس وقت ارادہ بھی تھا لیکن اتفاق سے جو جو کچھ اسکے ضمن میں لکھتا وہ بذیل احادیث مذکورہ مذکور ہو چکا اسلئے اس باب ثانی کو ختم کر کے اب باب ثالث یعنی حقوق شرکاء فی التعلم کے متعلق بقدر ضرورت عرض کرتا ہوں اور عجب نہیں کہ اس میں بھی سوق دلایل اور اس کے ضمن میں واقعات کا آجانا کافی ہو جاوے۔ والدلائل ہذہ۔

آیۃ۔ قال اللہ تعالیٰ واعبدوا اللہ الیٰ قولہ والصاحب بالجنب الآیۃ

عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور اپنے قرابتیوں اور یتیموں اور فقیروں اور قرابتی ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ اور جو تمہارا مصاحب پاس بیٹھنے والا ہوان سب کے ساتھ احسان کرو۔

اس آیت سے شرکاء تعلم کا حق دو طرح ثابت ہوتا ہے۔ ایک اس لفظ سے والجار الجنب اور دوسرا اس لفظ سے والصاحب بالجنب کیونکہ اُس کا جار ہونا بھی ظاہر ہے اور صاحب بالجنب ہونا بھی ظاہر ہے۔ چنانچہ مفسرین نے شریک فی التعلم کے ساتھ اُسکی تفسیر بھی کی ہے۔

آیۃ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا
ولا تفرقوا واذکروا نعمت اللہ علیکم
اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخوانا الایۃ

اللہ تعالیٰ کی رسّی کو اکھٹے ہو کر مضبوط پکڑ
لو اور متفرق مت ہو اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی
نعمت کو جو تم پر ہے جب تم آپس میں دشمن تھے
پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالدی
اور تم اوسکی نعمت سے بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے کنارہ پر تھے تمکو اللہ تعالیٰ نے اوس سے بچایا الخ

ظاہر ہے کہ تعلم علوم دینیہ اعتصام بحبل اللہ ہے اور یہاں ایسی جماعت صحابہ کو اخوان فرمارہے ہیں کہ وہ معتصم بحبل اللہ اور تعلم دین میں شریک تھے جب یہ اعتصام اور شرکت مقتضی ہوگی اخوۃ کو پس جو حقوق اخوان کے ہونگے وہ اس تعلق میں بھی قابل رعایت ہونگے۔

آیۃ یا ایہا الذین اٰمنوا اذا قیل لکم تفسحوا
فی المجالس فافسحوا یفسح اللہ لکم
واذا قیل انشزوا الایۃ۔

جب کہا جائے تمکو کشادگی کرو مجلس میں تو فوراً
کشادگی کردو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کشادگی کریگا
(یعنی دنیا و آخرت میں) اور جب کہا جائے کہ اوٹھ کھڑے ہو تو اوٹھ
کھڑے ہو درجے بلند کردیگا اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور اُن لوگوں کے جن کو علم دیا گیا
اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرکاء تعلم کو بیٹھنے کی جگہ دینے کے لئے اہتمام کرنا چاہئے جو امکان میں ہو۔

حدیث۔ عن عمر قال کنت انا وجار لی
من الانصار فی بنی اُمیۃ ابن زید وھی
من عوالی المدینۃ وکنا نتناوب النزول
علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ینزل
یوماً وانزل یوماً فاذا نزلت جئتہ بخبر ذلک
الیوم من الوحی وغیرہ واذا نزل فعل مثل
ذلک رواہ البخاری۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک شخص میرا پڑوسی انصاری
عوالی مدینہ میں کچھ فاصلہ پر رہا کرتے تھے اور باری باری
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو
کرتے تھے ایک دن میں ایک دن وہ جس دن
میں جاتا تو جو سُنکر آتا اوس سے بیان کر دیتا
اور جس دن وہ جاتا تو جو سنکر آتا مجھ سے بیان
کر دیتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا شریک فی التعلم اگر کسی سبق میں حاضر نہ ہو تو ناغہ شدہ سبق کا

اُسکو تکرار کرادیا جاوے اور یہ اُس کا حق ہے اور یہاں سے مدارس میں باری باری پڑھنے کی بھی اصل نکلتی ہے۔

حدیث۔ عن ابی شریح فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ولیبلغ الشاهد الغائب رواہ البخاری

حضرت ابو شریح سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ احکام بیان فرمائے اور بعد میں فرمایا کہ جو لوگ حاضر ہیں اور وعظ سنا ہے وہ غائبوں کو پہنچاویں (بخاری)

اس حدیث سے بھی مثل حدیث سابق حق بالا ثابت ہوتا ہے۔

حدیث۔ عن ابی واقد اللیثی ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بینما هو جالس فی المسجد والناس معہ اذ اقبل ثلثة نفر فاقبل اثنان الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وذهب واحد قال فوقفا علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فاما احدهما فرای فرجة فی الحلقة فجلس فیها واما الآخر فجلس خلفهم واما الثالث فادبر ذاهبا فلما فرغ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال الا اخبرکم عن النفر الثلثة اما احدهما فاوی الی اللہ فآواہ اللہ واما الآخر فاستحیی فاستحیی اللہ منہ واما الآخر فاعرض فاعرض اللہ عنہ رواہ البخاری

حضرت ابو واقد لیثی سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مع کچھ آدمیوں کے مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ناگاہ تین آدمی آئے دو تو مجلس میں بیٹھ گئے ایک کنارہ پر سب کے پیچھے اور ایک مجلس میں کشادگی پاکر اندر بیٹھ گیا اور تیسرا چلا گیا جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ کیا ان تین شخصوں کے حال کی اطلاع نہ دوں ایک شخص نے تو اللہ کی طرف ٹھکانا ڈھونڈا اللہ تعالے نے اُس کو ٹھکانا دیدیا ایک نے شرم کی اور کنارہ پر بیٹھ گیا اللہ نے اُس سے شرم کی اور تیسرے نے اللہ سے اعراض کیا۔ (بخاری)

اس حدیث سے شرکاء مجلس علم کا یہ حق معلوم ہوا کہ بعد میں آنیوالے کو چاہیئے کہ دیکھ لے کہ حلقہ میں گنجایش ہے یا نہیں اگر گنجایش ہو تو برابر میں بیٹھ جانا مضائقہ نہیں ورنہ لوگوں کو پریشان

نکرے اُنکے پیچھے بیٹھ جاوے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیچھے بیٹھنے سے عار کرنا سبب ہے اعراض حق تعالیٰ کا

حدیث۔ عن واثلة بن الخطاب قال دخل رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو فى المسجد قاعد فتزحزح له رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال الرجل يا رسول الله ان فى المكان لسعة فقال النبى صلى الله عليه وسلم ان للمسلم لحقا اذا راه اخوه ان يتزحزح له رواه البيهقى فى شعب الايمان

حضرت واثلہ بن الخطاب سے روایت ہی کہ ایک شخص جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتمیں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے آپ اُسکے لئے ذرا سرکے کہ جگہ فراخ ہو جائے تو اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جگہ وسیع ہی تو آپنے فرمایا کہ مسلمان کا مسلمان پر حق ہی کہ جب اُس کو دیکھے تو اُسکے لئے کچھ ہلے اور جنبش کرے (شعب الایمان بیہقی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شریک فی التعلم کا بدرجہ اولیٰ یہ حق ہی کہ اُسکے آنیکے وقت ضرور اُسکو بیٹھنے کی جگہ دے بعض طلبہ اس میں بہت بیمروتی کرتے ہیں۔

حدیث۔ عن علی بن ابی طالب قال کنت رجلا مذاء فامرت المقداد ان یسأل النبی صلى الله عليه وسلم فسأله فقال فيه الوضوء رواه البخاری

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ مجھکو مذی بہت آتی تھی (اس کا مسئلہ پوچھنا تھا خود) تو (بسبب شرم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا نہیں) حضرت مقداد سے کہا کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھو حضرت مقداد نے پوچھا تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مذی نکلنے سے وضو آتا ہی (یعنی غسل نہیں آتا) بخاری

اس حدیث سے یہ حق معلوم ہوا کہ اگر کوئی اپنا ہم سبق استاد سے کوئی بات پوچھتا ہوا شرمائے اور اس سے پوچھنے کی درخواست کرے تو خودغرضی کو چھوڑ کر پوچھ لے البتہ اگر نامعقول سوال ہو تو عذر کر دے یا اُستاد کسی مصلحت سے کہے کہ جس کا سوال ہی وہ خود کرے تو اُسوقت اُسکی تعمیل کرے۔ یہ تو چند نصوص قناعت اجمالیہ طالب کے لئے اس باب میں نقل کر دیے گئے ہیں باقی اسکی تفصیل و تکمیل کیلئے حضرات صحابہؓ کا طرز عمل باب معاشرت میں دیکھ لینا کافی ہی ابتداء آئے شوق تو درکنار بعضے سلسلوں میں تو خیر انجیر تو اُمید نیست بد مرساں پر بھی عمل نہیں رہا استاد بھائیوں اور پیر بھائیوں ... باہم تحاسد و تباغض اور تنافر و تزاحم اغراض اور اُستاد یا پیر سے ایک دوسرے کی چغلی اور غیبت اور دوسروں کے سامنے تحقیر و

تنقیص کرتے ہیں الحمد للہ کہ حق تعالیٰ نے ہمارے سلسلہ کو ہمارے بزرگوں کی برکت سے اس
بلا سے تو بہت کچھ محفوظ رکھا ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے محفوظ رکھے اب ان ابواب ثلثہ کو ختم
کرتا ہوں جس میں بفضلہ تعالیٰ کل دس آیتیں اور پینتیس حدیثیں یعنی سب پینتالیس نصوص میں
اگرچہ اس سے زیادہ نصوص ذکر نہیں کی گئیں محض نمونہ دکھانا مقصود تھا جو کہ ایک بڑے
عدد سے معدود ہونیکے سبب اس غرض کیلئے کافی ہوگیا کہ یہ حقوق بھی منصوص ہیں یہاں ان
ابواب کے مناسب ایک باب رابع اور بھی تھا یعنی خود علم کے حقوق جو بذمہ اہل علم ہیں یا بذمہ غیر اہل
علم ہیں اور گو یہ مناسبت بدرجہ جزئیت تو نہیں کیونکہ ان ابواب کے مقسم میں خاص معلم و متعلم
شرکاء تعلم مضاف الیہ حقوق کے واقع ہوتے ہیں لیکن بدرجہ تعلق ضرور ہے اور یہ تعلق مقتضی ہو
سکتا تھا کہ اس کا بھی یہاں ذکر ہوتا گو تبعاً سہی لیکن اتفاق سے اسکے قبل احقر اس مبحث خاص
میں نہایت مفصل مضمون بشکل ایک رسالہ کے جس کا نام حقوق العلم ہے لکھ چکا ہے اور وہ چھپ بھی
گیا ہے اسلئے وہ مستغنی عنہ ہوگیا اب اخیر میں بطور تذنیب کے بعض جزئیات متعلقہ مقام
کی تنبیہ میں لکھ کر فارغ ہوتا ہوں۔

تذنیب۔ (تنبیہ اول) ہر چند کہ مفہوم معلم کا استاد بالمعنی المتعارف اور پیر اور واعظ
اور مصنف یعنی ہر صاحب افادہ دینیہ کو جبکہ کسی کو استفادہ ہو سب کو عام ہے لیکن قواعد
سے معلوم ہوتا ہے کہ سب حقوق میں متساوی نہیں ہیں ان سب میں استاد بالمعنی المعروف
کا حق زیادہ ہے دو وجہ سے ایک تو یہ کہ استاد جس قدر مشقت افادہ تلامذہ کیلئے برداشت
کرتا ہے اس قدر دوسرے اہل افادہ نہیں کرتے بعض طرق افادہ میں تو چنداں مشقت ہی نہیں
اور بعض میں گو مشقت ہے مگر وہ اس مستفید کیلئے برداشت نہیں کرتا اور نص قطعی ووصینا
الانسان بوالدیہ حملتہ امہ کرہا ووضعتہ کرہا سے مشقت سے حق کا عظیم ہونا
ثابت ہوتا ہے یہ وجہ تو تمام مفضل علیہم یعنی پیر و واعظ و مصنف کو عام ہے اور دوسری
وجہ جو صرف بعض میں متحقق ہے یہ ہے کہ شاگرد نے استاد کی تابعیت کا التزام کیا ہے اور التزام
ایک وعدہ ہے اور وفاء عہد لازم ہے عام لوگوں کو اس میں یہ غلطی واقع ہو رہی ہے کہ پیر کی تعظیم
وخدمت و اطاعت میں حدود شرعیہ سے بھی تجاوز کر جاتے ہیں اور استاد کے حقوق۔

ادا کرنے پر حد شرعی کے قریب بھی نہیں پہنچے وھل ھذا الا تغییر للشرع

(تنبیہ ثانی) آیا اُستاد و پیر کا حق زیادہ ہے یا باپ کا اس میں بھی عام طور پر لوگ اشتباہ و التباس میں مبتلا ہو کر یہ سمجھتے ہیں کہ پیر اور اُستاد روحانی مربی ہے اور باپ جسمانی مربی ہے اور روحانی مربی بڑھا ہوا ہے جسمانی مربی سے اُس دعوے کی غلطی اجمالاً تو اسی سے سمجھ لینا کافی ہے کہ نصوص میں جس شد و مد سے باپ کے حقوق بتلائے گئے ہیں اُستاد اور پیر کے نہیں بتلائے گئے اور تفصیل یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کے اوامر میں کچھ تعارض نہ ہو تب تو تحقیق تقدیم حق کی ضرورت ہی نہیں اور اگر تعارض ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ اُن میں سے کوئی امر شرعاً واجب ہے یا نہیں اگر واجب ہے تو وہ مقدم ہے خواہ اُس کا امر باپ ہو یا اُستاد یا پیر ہو اور اگر واجب نہیں دونوں طرف مباح ہے پس یہ محل بحث ہے اور اسمیں نصوص سے باپ کا حق مقدم معلوم ہوتا ہے کما ہو ظاہر رہا جواب اس دلیل کا سو اگر صغری مان بھی لیا جاوے اس طرح سے کہ کوئی باپ ایسا ہو جس نے روحانی تربیت بالکل نہ کی ہو صرف کھلایا ہی پلایا ہو تب بھی کبری باعتبار اُسکے مراد کے محتاج دلیل ہے اور اُسکی کوئی دلیل نہیں پس اگرچہ مربی روحانی درجہ میں افضل ہو مربی جسمانی سے لیکن جو اس سے مقصود ہے کہ مربی روحانی کا حق اور اطاعت زیادہ ہے مربی جسمانی سے اسکے لئے دلیل کا مطالبہ کیا جاویگا اور اگر اسکو مان بھی لیا جاوے تب بھی مقصود مستدل کا حاصل نہیں کیونکہ اُستاد اور پیر سے زیادہ مربی روحانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حق تعالیٰ تو جسم اور روح دونوں کے مربی ہیں اور خدا اور رسول نے باپ کا حق زاید کیا ہے پس اسکی اطاعت میں بھی ایک بڑے مربی روحانی کی تقدیم حق ہے ایک چھوٹے مربی روحانی پر خوب سمجھ لو۔

(تنبیہ ثالث) آیا معقول اور فارسی اور حساب کے اُستاد بھی ان حقوق مذکورہ میں شریک ہیں یا نہیں اور اسی طرح کافر اُستاد بھی اس میں قواعد سے یہ تفصیل معلوم ہوتی ہے کہ ان میں جو چیزیں مضر ہیں اُن کا اُستاد تو خود مضل اور مضر ہے اور اُستاد کا حق تھا بوجہ مفید اور محسن ہونیکے اور جو چیزیں مضر نہیں ان میں تفصیل ہے کہ اگر علوم دنیہ میں نافع و معین ہیں تب تو چونکہ مقدمہ بحکم مقصود ہوتا ہے اسلئے ایسے اساتذہ حقوق مذکورہ کے مستحق ہونگے گو درجہ استاد المقاصد میں نہ سہی جس طرح اقارب کے حقوق میں قوۃ قرابت کے تفاوت سے

حقوق میں تفاوت ہوجاتا ہی اور اگر نہ مضر ہیں نہ مفید تب بھی ایک دنیوی احسان ہی اور خود دنیوی احسان پر بھی شکر گذاری نصوص عامہ سے ثابت ہی اسلئے اُس کا بھی حق ثابت ہوگا گو دینی احسان کی برابر نہ سہی اب یہ دعا کر کے قلم کو راحت دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہم طالب علموں کو ان حقوق کے ادا کی توفیق دے اور بوجہ اسکے کہ مضمون بعنوان سہل لکھا ہی تسہیل جدید کی احتیاج نہیں سمجھی گئی البتہ احادیث کا ترجمہ جابجا رہ گیا ہی اگر حضرات مہتممین اشاعت حاشیہ میں ثبت فرماویں ناظرین کی قناعت اور میری منت کا سبب ہوگا۔

الحمد للہ حصہ اول ختم ہوا